ایمان و یقین کے تقاضے



محبوب العلماء والصلحا
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

مکتبۃ الفقیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایمان و یقین کے تقاضے

از افادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

مرتب

مولانا محمد حنیف نقشبندی

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

+92-41-2618003

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب	ایمان ویقین کے تقاضے
ازافادات	حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ
مرتب	مولانا محمد حنیف نقشبندی
ناشر	مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد
اشاعت اول	دسمبر 2013
تعداد	1100
کمپیوٹر کمپوزنگ	ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی عفی عنہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پر ایمان لے آؤ“ (النساء:۴:۱۳۶)

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات
135	......ادلتے بدلتے دن
136	......آزمائش میں ڈالنے کا مقصد
136	......ایمان کا امتحان
137	......رزق کے دروازے بند ہونے کی اصل وجہ
137	......آزمائش کو خندہ پیشانی سے قبول کیجیے
138	......سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا ایمان افروز واقعہ
144	......دوگنا انعام
144	......ایمان کی حفاظت
145	......اللہ والوں کی استقامت
146	......صنف نازک کی استقامت
149	......سب سے قیمتی دولت
149	......ایک نوجوان کی استقامت
150	......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک ایمان کی قدر
151	......وقت کی ایک اہم ضرورت
152	......شک سے بچنے کی ضرورت
152	......ایمان کا اظہار کرنے کا طریقہ
153	......مضبوط ایمان کی نشانی
153	......ایمان جیسے چٹان
154	......قلت اور کثرت کا چکر
154	......اسلام اور ایمان کی کیفیت میں فرق
155	......منافقین کا احسان جتلانے کا واقعہ

صفحہ نمبر	عنوانات
157	**③ ایمانی زندگی کے تقاضے**
158	❁......مؤمنوں کو ایمان لانے کا حکم
159	❁......تصدیق بالقلب کا مطلب
161	❁......عمل دل کی حالت کا آئینہ دار ہے
161	❁......بناوٹی خوف
162	❁......مومن اور غیر مومن میں فرق
165	❁......انسان کی قیمت
165	❁......پروردگار کی عظمت
166	❁......انسان کی اوقات
167	❁......ایمان والا انسان اللہ کا دوست ہے
167	❁......انسان صفاتِ الٰہیہ کا مظہر ہے
168	❁......انسان ایک نوخیز کلی کے مانند ہے
169	❁......انسان کے نامطلوب اوصاف
169	❁......اقتدار کے ساتھ تکبر
169	❁......دولت کے ساتھ بخل
170	❁......علم کے ساتھ حسد
171	❁......شہرت کے ساتھ ریاکاری
171	❁......حسن و جمال کے ساتھ نمائش
172	❁......انسان کی ذمہ داری
172	❁......انسانی زندگی کے دو رخ
173	❁......دنیا میں بالآخر کھونا ہی ہے

صفحہ نمبر	عنوانات
174	❁......جب تک انسان مٹے گا نہیں کامل نہیں ہوسکتا
175	❁......انسان کی روحانی قوت جنوں سے بڑھ کر
176	❁......انسان کی بڑی غلطی
177	❁......دوزخی اعمال سے جنت کی تلاش
178	❁......موت کو یاد رکھو!
179	❁......اعمال کی کنجیاں
179	❁......جنت کی کنجی
180	❁......نماز کی کنجی
180	❁......نیکی کی کنجی سچ بولنا
181	❁......علم کی کنجی ''حسن سوال''
181	❁......اللہ کی مدد کی کنجی ''صبر''
182	❁......نعمتِ خدا کی کنجی ''شکر''
183	❁......ولایت کی کنجی ''ذکر''
184	❁......فلاح کی کنجی ''تقوی''
185	❁......رزق کی کنجی ''اخلاص''
185	❁......خیر و برکت والے اعمال
185	❁......وضو سے عمر میں برکت
186	❁......سلام سے گھر میں برکت
186	❁......اہل اللہ سے نسبت
187	❁......نبی علیہ السلام کا ساتھ
187	❁......پانچ بندوں کی ذمہ داری

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر
④ یقین کامل کی اہمیت	213

صفحہ نمبر	عنوانات
302	❁......آزمائش......مؤمن اور فاسق دونوں پر
303	❁......عبادت میں سستی کا نتیجہ
304	❁......بسم اللہ کی برکت سے شیطانی اثرات سے حفاظت
308	❁......روزِ محشر اعمال کام آئیں گے
314	❁......ایمان مفصل......ایک عہد، ایک وعدہ
314	❁......اللہ پر ایمان کی حقیقت
314	❁......پہلے معجزے کا مقصد
316	❁......دوسرے معجزے کا مقصد
316	❁......رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے
318	❁......امید فقط اللہ سے
318	❁......بچے کی مثال
319	❁......مانگنا غیر سے، شکوے اللہ سے
319	❁......فرشتوں پر ایمان کا مطلب
320	❁......کتابوں پر ایمان کا مطلب
320	❁......رسولوں پر ایمان کا مطلب
321	❁......روزِ آخرت پر ایمان
322	❁......قضاء وقدر پر یقین کا مطلب
322	❁......موت کے بعد کھڑے ہونے کا یقین
323	❁......آج ایمان بنانے کی ضرورت ہے
323	❁......ایمان والے کا حکم کرۂ ارض پر چلتا ہے
325	❁......امت محمدیہ ﷺ کی فضیلت دوسری امم پر

صفحہ نمبر	عنوانات
331	❁......اپنی ذات پر محنت کی ضرورت ہے
331	❁......تین باتیں لوہے کی لکیر
333	❁......اللہ کے وعدوں کا یقین
333	❁......لینے والا مزاج
334	❁......دینے والا مزاج
335	❁......علمی نکات
338	❁......توبہ کے لیے جامع دعا
339	❁......چار انعامات
341	❁......ماسٹر پیس کیسے ہوتے ہیں؟
343	**⑦ حیوانی، انسانی اور ایمانی زندگی**
344	❁...... بنی آدم کی عزت افزائی
344	❁......سیدھے راستے کی راہنمائی
346	❁......انسان کی زندگی کے تین انداز
346	❁......(۱) حیوانی زندگی
348	❁......شہوات کو پورا کرنے میں حیوانوں کی برتری
350	❁......نفس کا راج
351	❁......دونئی خوبیاں
359	❁......(۲) انسانی زندگی
360	❁......انسانی زندگی بہتر تو ہے مگر......
360	❁......عقل کا راج
361	❁......انسانی زندگی کا نکتۂ عروج

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات
380	......تکلف نہ کرنا
380	......دعائے خیر کرتے رہنا
381	......زیادہ توقعات نہ باندھنا
381	......پسماندگان سے حسنِ سلوک کرنا
382	......(۲) اللہ کے لیے بغض رکھنا
383	......محبت کا تعلق صرف مومن سے ہو
383	......چار قسم کے لوگوں کی دوستی سے بچیں!
386	......برائی سے نفرت ہو، برے سے نہیں
386	......اللہ کے لیے محبت اور بغض کی مثال
389	......(۳) اللہ کے لیے عطا کرنا
389	......خلوص عمل ہو تو ایسا؟
390	......عمل کی پے منٹ دنیا میں
392	......مخلص کون ہوتا ہے؟
392	......وہ میرا نام جانتا ہے
393	......(۴) اللہ کے لیے روکنا
394	......اکابر کی مثالیں
396	......اخلاص والے کام کی پہچان
397	......جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق
398	......تکمیلِ ایمان کی خوشخبری
399	......اللہ کے لیے دوستی اور دشمنی کی اہمیت

عرضِ ناشر

ایک مومن کا سب سے بڑا سرمایہ اس کا ایمان ہوتا ہے، حتی کہ اس کی جان، اس کے مال اور اس کی عزت سے بھی زیادہ قیمتی کہ اسی پر آخرت میں مدار نجات ہے۔ ایک طرف اس قدر قیمتی چیز اور دوسری طرف فتنوں سے بھرا یہ زمانہ جس میں ایمان کو برباد کرنے والے عناصر چار سو موجود ہیں تو یہ چیز اہلِ فکر، اہلِ نظر کو بہت بے چین کر دیتی ہے۔ اتنے فتنے موجود ہیں کہ جن لوگوں کے دلوں میں احد پہاڑ جیسا ایمان ہے وہ بھی ایسے لرزاں ترساں نظر آتے ہیں جیسے انہیں ہر لمحے اپنے مرتد ہو جانے کا خوف ہو۔ لیکن عجیب بات ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں ذرہ برابر ایمان ہے وہ اس کی حفاظت سے غافل ہیں اور انہیں اس بات کا احساس ہی نہیں کہ ہمارے پاس کتنی بڑی دولت موجود ہے۔

آج لوگوں کی ایک اکثریت ہے، جن کی ساری تگ و تاز مادی وسائل کے حصول کے گرد ہی گھومتی ہے، عقائد و نظریات ان کی فکری رسائی سے بہت دور ہوتے ہیں۔ چنانچہ انہیں کیا پتہ کہ ایمان کیا ہے اور اعمال کیا ہیں؟، وہ تو بس کسبِ دھن میں صبح و شام کرتے ہیں اور اسی حال میں زندگی تمام کرتے ہیں۔ پھر دوسری طرف کچھ گمراہ کن نظریات کے حامل لوگ بھی ہیں جو اصلاً تو شیطان کے پیرو ہیں لیکن کہتے اپنے آپ کو روشن خیال ہیں۔ یہ جدید دنیا کے سیکولر اور لبرل دانشور جو کہتے ہیں کہ دین و ایمان کو ایک طرف رکھیں فقط انسان بنیں یعنی حیوان بنیں۔ چنانچہ وہ اپنے گمراہ کن نظریات کا پرچار کچھ اس انداز میں کرتے ہیں کہ کتنے ہی لوگوں کے ایمان خراب کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

مزید برآں یہ کہ میڈیا اور وسائل بھی ان کے ہاتھ میں ہیں جس کے بل بوتے پر وہ دنیا بھر میں بے حیائی اور لادینیت کو فروغ دے رہے ہیں۔ الغرض کہ یہ ایسا دور ہے کہ ایمان بچانا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ ان ہی حالات کے بارے میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ ایک شخص رات کو سوئے گا تو ایمان والا ہو گا صبح اٹھے گا تو ایمان سے محروم ہو گا، اسی طرح صبح اٹھے گا تو ایمان والا ہو گا اور رات کو کافر ہو چکا ہو گا۔

اس پرفتن دور میں اہل اللہ کا سایہ اور ان کی صحبت، ایمان کا حفاظت کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ ان کے پاس جائیں تو وہ ہمیں ایمان کی اہمیت کا احساس دلاتے ہیں، اور اس نعمت کی قدر ہمارے دل میں پیدا کرتے ہیں۔ وہ ہمیں ان چور راستوں سے آگہی دلاتے ہیں جن سے ایمان کے ڈاکو اس دولت کو لوٹ کر لے جاتے ہیں۔ ہمارے حضرت اقدس محبوب العلماء والصلحاء، حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم بھی وقتاً فوقتاً اپنی مجالس میں اس حوالے بات کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اس موضوع پر ان کے متعدد بیانات قبل ازیں خطباتِ فقیر اور چند دوسری کتابوں میں چھپ چکے ہیں۔ ان بیانات کی ضرورت اور اہمیت کو دیکھتے ہوئے ہم نے ان کو مستقل ایک الگ کتاب کی صورت میں شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ تا کہ قارئین ان سے استفادہ کرتے ہوئے اپنا ایمان بچائیں اور دوسروں کا ایمان بچانے کی بھی فکر کریں۔ اللہ تعالیٰ اس ہماری کاوش کو قبول فرمائیں اور اسے مکتبہ کے جملہ احباب کے لیے صدقہ جاریہ بنائیں۔ آمین ثم آمین۔

فقیر سیف اللہ نقشبندی
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

عرضِ مرتب

جولوگ اپنی زندگی کی بنیاد فقط اپنی عقل کی جولانیوں پر رکھتے ہیں وہ اس دھوکے کے گھر (دنیا) میں محض دھوکے ہی میں رہتے ہیں اور اپنی منزل مقصود پر پہنچنے سے قاصر رہتے ہیں۔ وہ بسا اوقات اللہ رب العزت کے وجود سے بھی انکار کر دیتے ہیں اور خود ساختہ تصورات اور نظریات کے بل بوتے پر ایمان و یقین کے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں اور یوں آخرت کا ہمیشہ ہمیشہ کا خسارا ان کا مقدر بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس جولوگ اللہ جل شانہ کی وحدانیت اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی نبوت ورسالت پر ایمان رکھتے ہوئے یقین کامل کے ساتھ اپنی زندگی گزارتے ہیں، عقل سلیم کے حامل وہ لوگ دنیا میں بھی کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی فوز وفلاح ان کا استقبال کرتی ہے۔ گویا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ایمان اور یقین کامل ایسی نعمتیں ہیں جن پر انسان کی دنیا وآخرت کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جو ایمان ویقین کے تقاضوں کو سمجھے اور ان کو پورا کرنے کی کما حقہ کوشش بھی کرے۔

دورِ حاضر فتنوں کا دور ہے۔ ان فتنوں میں سے سب سے بڑا فتنہ ایمان و یقین کی خرابی کا فتنہ ہے۔ یہود ونصاری کی یہ اولین کوشش ہے کہ مسلمان ایمان و یقین کی دولت سے تہی دامن ہو جائیں۔ چنانچہ وہ تیز ترین الیکٹرانک میڈیا کے

ذریعے دنیا بھر میں ارتداد کا مواد پھیلانے میں مصروف ہیں، عریانی اور فحاشی کو عام کرنے میں بھی پیش پیش ہیں، انٹرنیٹ اور موبائل کے ذریعے تو انہوں نے ہر ہر گھر کو سینما گھر بنا دیا ہے۔ الغرض کہ دین سے دور کرنے کا وہ کونسا گر ہے جو مسلمانوں پر آزمایا نہ جا رہا ہو؟ اسی وجہ سے مسلمان بھی ان کی ارتدادی کوششوں کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔

ان پر آشوب حالات میں اہلِ دل حضرات اس فکر میں ہیں کہ ہر مسلمان اپنا ایمان بچانے کی فکر کرے اور بے دینی کی کسی بھی لہر کا شکار نہ ہو، چنانچہ حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ نے بھی ایمان ویقین کی حفاظت کے عنوان پر مبنی کچھ خطبات بابرکات ارشاد فرمائے جنہیں اب اس ایک جلد میں اکٹھا کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں بھی اپنے ایمان ویقین کی حفاظت کرنے کی فکر عطا فرمائے اور دنیا سے ہمیں ایمان وسلامتی کے ساتھ رخصت ہونے کی توفیق عطا فرمائے (آمین ثم آمین)۔

ہے دلِ مضطرب کی دعا یہ حنیف
وقتِ رخصت ندا آئے لا تقنطوا

فقیر محمد حنیف نقشبندی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایمان کی اہمیت

از افادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

041-2618003

ایمان کی اہمیت

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی اَمَّا بَعۡدُ!
فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○
﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ﴾ (النساء:۱۳۶)
سُبۡحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ○ وَسَلَامٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ○
وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکۡ وَسَلِّمۡ

ایمان والوں کو دعوتِ ایمان:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ

’’اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔‘‘

مفسرین نے اٰمِنُوا کا ترجمہ اِتَّقُوا سے کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اے زبان سے کلمہ پڑھنے والو! اب دل سے بھی اس کو تسلیم کرلو۔

اس آیت میں ایمان والوں سے خطاب ہے۔ کافروں سے نہیں، منافقوں سے نہیں، مشرکوں سے نہیں۔

یہ نہیں کہا...... یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا
یہ نہیں کہا...... یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا

یہ نہیں کہا......یَآیُّھَا الَّذِیْنَ نَافَقُوْا

بلکہ فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ﴾

اے وہ لوگو! جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکموں کو ماننے کا اقرار کر چکے ہو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ۔ گویا اس آیت میں ایمان والوں کو دعوتِ ایمان دی جا رہی ہے۔ آج اگر کسی کو نصیحت کی جائے تو کہتے ہیں: ''کافروں کو جا کر نصیحت کرو، ہم تو ایمان والے ہیں۔'' اس آیت میں ایمان والوں کو کیا کہا جا رہا ہے؟ ایمان والوں کو دعوتِ ایمان مل رہی ہے۔

صورتِ ایمان اور حقیقتِ ایمان:

چیز کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت ہوتی ہے۔ عجائب گھر میں کئی دفعہ دیکھا ہے کہ ایک شیر کی کھال میں انہوں نے کچھ بھر کر اسے وہاں رکھا ہوتا ہے۔ وہ اس کی ممی ہوتی ہے۔ ہو بہو شیر کی شکل ہوتی ہے۔ دانت بھی ہوتے ہیں، آنکھیں بھی ہوتی ہیں، کان بھی ہوتے ہیں، منہ بھی ہوتا ہے۔ سب کچھ ہوتا ہے، لیکن اس صورتِ شیر کو دیکھ کر نہ تو کسی پر خوف طاری ہوتا ہے اور نہ کوئی گھبراتا ہے۔ جو بھی وہاں جاتا ہے وہ اس شیر کی دم پکڑتا ہے، اس کے دانتوں کو ہاتھ لگاتا ہے اور کئی تو اس کے اوپر بھی چڑھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ وہ شیر کی فقط صورت ہی ہوتی ہے۔ اس صورت کی وجہ سے بندے کے اوپر وہ کیفیت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس ایک بندہ جنگل سے گزر رہا تھا۔ اچانک اس کے سامنے شیر آ گیا۔ اب اس بندے کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پسینہ آ گیا، گھبرا گیا، اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ اس کی یہ کیفیت کیوں بنی؟ اس لیے کہ حقیقت سامنے آ گئی۔

ایمان کی صورت اور حقیقت میں بھی فرق ہوتا ہے۔ جب صرف زبان سے کلمہ پڑھا تو یہ صرف صورتِ ایمان ہے۔ ایسی صورت میں اذان سن کر کچھ نہیں ہوتا اور اللہ کا تذکرہ سن کر دل نہیں مچلتا۔ جب دل میں حقیقتِ ایمان جاگزیں ہو جاتی ہے تو پھر جیسے ہی ''اللہ اکبر'' کی آواز آتی ہے تو بندے کی کیفیت ہی بدل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے تھے تو نبی علیہ السلام بیگانہ ہو جاتے تھے۔ اسے ایمان کی حقیقت کہتے ہیں۔

تو اس آیت میں کہا یہ جا رہا ہے کہ اے وہ لوگو جو ایمان کی صورت کو حاصل کر چکے ہو! اب تم حقیقت کو بھی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ ؎

زباں سے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل
دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

کہنے والے نے کیا عجیب بات کی: ؎

تو عرب ہے یا عجم ہے ترا لا الٰہ اِلَّا اللہ
لغتِ غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

''تو عربی ہے یا عجمی، تیرا لا الہ الا اللہ کا پڑھنا، (فائدہ مند نہیں) جب تک تیرا دل گواہی نہ دے، اس وقت تک لغت غریب کے مانند ہے۔''

حقیقت تو یہ ہے کہ دل بھی اس بات کی تصدیق کرے۔

ایمان کی اصطلاحی تعریف:

نبی علیہ السلام اللہ رب العزت کی طرف سے جو شریعت لے کر آئے اس کو سچ سمجھ کر تسلیم کر لینا ''ایمان'' کہلاتا ہے۔ (فتح الباری لابن حجر: ۱/۴۶)

علما نے ایمان کی ایک اصطلاحی تعریف بھی بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''خبرِ رسولِ اکرم ﷺ کو محض اعتماد کی بنا پر یقینی طور سے مان لینا ''ایمان'' کہلاتا ہے۔'' (عمدۃ القاری: ۱۲۷/۱)

ہم پڑھتے ہیں:

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

جس بندے نے سچ سمجھ کر یہ الفاظ پڑھ لیے وہ اصطلاحاً ایمان والا بن گیا۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان:

اب تھوڑی سی اس کی تفصیل بھی سن لیجیے! کہ جب یہ کہتا ہے کہ میں اللہ پر ایمان لایا تو اس کا مطلب ہے کہ

اَلْمُسْلِمُ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى بِمَعْنٰى اَنَّهٗ يُصَدِّقُ بِوُجُوْدِ الرَّبِّ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى، وَ اَنَّهٗ عَزَّ وَ جَلَّ فَاطِرُ السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرْضِ، عَالِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَّ مَلِيْكُهٗ، لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ لَا رَبَّ غَيْرُهٗ، وَ اَنَّهٗ جَلَّ وَ عَلَا مَوْصُوْفٌ بِكُلِّ كَمَالٍ، مُنَزَّهٌ عَنْ كُلِّ نَقْصٍ، وَ يُؤْمِنُ كَذٰلِكَ بِرُبُوْبِيَّتِهٖ لِجَمِيْعِ الْعَالَمِيْنَ، كَمَا اَنَّهٗ يُؤْمِنُ بِاُلُوْهِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى لِجَمِيْعِ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ وَ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ، وَ لَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ سِوَاهُ

مسلمان اللہ تعالیٰ پر اس معنی میں ایمان لاتا ہے کہ وہ تصدیق کرتا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کے وجود کو مانتا ہے...... اللہ تعالیٰ ہر کمال سے موصوف ہے، ہر قسم کے نقص سے پاک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ملائکہ پر ایمان:

ملائکہ پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے؟ اس کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے:

وَ يُؤْمِنُ الْمُسْلِمُ بِمَلَائِكَةِ اللهِ تَعَالٰى وَ اَنَّهُمْ خَلْقٌ مِّنْ اَشْرَفِ خَلْقِهٖ وَ عِبَادٌ مُّكَرَّمُوْنَ مِنْ عِبَادِهٖ . خَلَقَهُمْ مِّنْ نُّوْرٍ كَمَا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ، وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ وَّاَنَّهٗ تَعَالٰى وَ كَلَّهُمْ بِوَظَائِفَ . فَمِنْهُمُ الْحَفَظَةُ عَلَى الْعِبَادِ ، وَ الْكَاتِبُوْنَ لِاَعْمَالِهِمْ ، وَمِنْهُمُ الْمُوَكَّلُوْنَ بِالْجَنَّةِ وَنَعِيْمِهَا ، وَمِنْهُمُ الْمُوَكَّلُوْنَ بِالنَّارِ وَعَذَابِهَا ، وَمِنْهُمُ الْمُسَبِّحُوْنَ اللَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ، وَ اَنَّهٗ تَعَالٰى فَاضَلَ بَيْنَهُمْ . فَمِنْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ، كَجِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ ، وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ

”مسلمان فرشتوں پر ایمان لاتا ہے کہ...... اللہ تعالیٰ نے ان کو نور سے پیدا کیا...... اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مختلف ڈیوٹیاں سونپی ہوئی ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو بندے کی حفاظت پر مامور ہیں اور ان کے اعمال لکھنے پر متعین ہیں۔ ان میں سے بعض جنت اور اس کی نعمتوں کے ذمہ دار فرشتے ہیں۔ ان میں سے کچھ جہنم کی آگ اور اس کے عذاب پر مقرر ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو دن رات اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اس میں سستی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں درجات بنائے ہیں۔ ان میں سے مقرب ملائکہ بھی ہیں۔ جیسے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، اور ان کے علاوہ ہیں۔“

کتبِ سماوی پر ایمان:

ہم کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ انبیائے کرام پر جتنی بھی کتابیں نازل ہوئیں یا صحائف نازل ہوئے، ہم سب کو مانتے ہیں۔ ان میں سے چار کتابیں ہیں:

اَلْقُرْآنُ الْكَرِيْمُ الْمُنَزَّلُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ(ﷺ) وَ التَّوْرَاةُ الْمُنَزَّلَةُ عَلٰى نَبِيِّ اللهِ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَالزَّبُوْرُ الْمُنَزَّلُ عَلٰى نَبِيِّ اللهِ دَاوٗدَ (عَلَيْهِ السَّلَامُ) وَ الْاِنْجِيْلُ الْمُنَزَّلُ عَلٰى عَبْدِ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ عِيْسٰى (عَلَيْهِ السَّلَامُ)، وَ اَنَّ الْقُرْآنَ الْكَرِيْمَ هُوَ اَعْظَمُ هٰذِهِ الْكُتُبِ، وَالْمُهَيْمِنُ عَلَيْهَا وَ النَّاسِخُ لِجَمِيْعِ شَرَائِعِهَا وَ اَحْكَامِهَا

رسالت پر ایمان:

ہم رسالت پر ایمان لاتے ہیں۔ اور رسالت پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟

وَ يُؤْمِنُ الْمُسْلِمُ بِاَنَّ اللهَ تَعَالٰى قَدِ اصْطَفٰى مِنَ النَّاسِ رُسُلًا وَّ اَوْحٰى اِلَيْهِمْ بِشَرْعِهٖ، وَ عَهِدَ اِلَيْهِمْ بِاِبْلَاغِهٖ لِقَطْعِ حُجَّةِ النَّاسِ عَلَيْهِ ـ سُبْحَانَهٗ ـ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَ اَرْسَلَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَ الْهُدٰى، وَ اَيَّدَهُمْ بِالْمُعْجِزَاتِ لِيُخْرِجُوا النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ

''مسلمان اس بات پر ایمان لاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں اپنے رسولوں کو منتخب فرمایا، اور ان پر شریعت کی وحی فرمائی۔ اور ان کو بھیجا کہ میرے پیغام کو لوگوں تک پہنچاؤ، تاکہ قیامت کے دن ان کے اوپر

حجت قائم ہو سکے (یعنی یہ کہہ ہی نہ سکیں کہ ہمیں تو کوئی ڈرانے والا ہی نہیں آیا تھا مَا جَآءَنَا نَذِيْرٌ یہ بہانہ نہ بنا سکیں، اس لیے اللہ نے اپنے انبیا کو بھیجا) اور ان کو بھیجا نشانیاں اور ہدایت دے کر، اور معجزات کے ذریعے ان کی تائید فرمائی، تاکہ لوگوں کو گمراہیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں۔''

قیامت کے دن پر ایمان:

پھر مومن قیامت کے دن پر ایمان لے آتا ہے۔

وَيُؤْمِنُ الْمُسْلِمُ بِأَنَّ لِهٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا سَاعَةً اَخِيْرَةً تَنْتَهِي فِيْهَا، وَ يَوْمًا آخَرَ لَيْسَ بَعْدَهٗ مِنْ يَّوْمٍ. ثُمَّ تَأْتِي الْحَيَاةُ الثَّانِيَةُ فِي الدَّارِ الْاٰخِرَةِ فَيَبْعَثُ اللهُ سُبْحَانَهُ الْخَلَائِقَ بَعْثًا يَّحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا لِّيُحَاسِبَهُمْ فَيَجْزِي الْاَبْرَارَ بِالنَّعِيْمِ الْمُقِيْمِ فِي الْجَنَّةِ. يَجْزِي الْفُجَّارَ بِالْعَذَابِ الْمُهِيْنِ فِي النَّارِ، وَ اَنَّهٗ يَسْبَقُ هٰذَا اَشْرَاطُ السَّاعَةِ وَ اَمَارَاتُهَا. كَخُرُوْجِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ، وَيَأْجُوْجَ وَ مَأْجُوْجَ، وَ نُزُوْلِ عِيْسٰى (علیہ السلام) وَ خُرُوْجِ الدَّابَّةِ، وَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا، وَ غَيْرِ ذَالِكَ مِنَ الْاٰيَاتِ. ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةَ الْفَنَاءِ وَ الصَّعِقِ، ثُمَّ نَفْخَةَ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ، وَ الْقِيَامِ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ. ثُمَّ تُعْطَى الْكُتُبُ فَمِنْ آخِذٍ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ وَ مِنْ آخِذٍ كِتَابَهٗ بِشِمَالِهٖ وَ يُوْضَعُ الْمِيْزَانُ، يَجْرِي الْحِسَابُ، وَ تُنْصَبُ الصِّرَاطُ. يَنْتَهِي الْمَوْقِفُ الْاَعْظَمُ بِاسْتِقْرَارِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فِي الْجَنَّةِ، وَاَهْلِ النَّارِ فِي النَّارِ

''مسلمان ایمان لاتا ہے کہ اس دنیا کا ایک آخری دن ہے (جب اس دنیا کو ختم کر دیا جائے گا) اور وہ ایسا دن ہوگا جس کے بعد کوئی اور دن نہیں ہے۔ پھر آخرت میں دوسری زندگی شروع ہو جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو زندہ کر کے کھڑا کریں گے۔ سب کو میدانِ حشر میں جمع کریں گے، تاکہ اس کا حساب کریں، پھر اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو جنت کی نعمتیں عطا کریں گے۔ اور فاسق وفاجر کو جہنم کا عذاب دیں گے۔ اور قیامت سے پہلے اس کی کچھ علامات اور نشانیاں بھی ہوں گی۔ مثلاً: مسیح دجال کا خروج، یاجوج ماجوج کا خروج اور عیسی علیہ السلام کا نازل ہونا اور دابۃ الارض کا نکلنا اور سورج کا مغرب سے نکلنا اور اس کے علاوہ بھی کئی نشانیاں ہوں گی۔ پھر پہلی مرتبہ صور پھونک کر سب کو نیست ونابود کر دیا جائے گا اور دوسری مرتبہ صور پھونک کر سب کو رب العالمین کے سامنے کھڑا کرنے کے لیے زندہ کیا جائے گا۔ پھر نامۂ اعمال دیے جائیں گے۔ کچھ کو دائیں ہاتھ میں اور کچھ کو بائیں ہاتھ میں اور میزان قائم کیا جائے گا۔ حساب وکتاب شروع ہوگا اور پل صراط قائم کیا جائے گا اور موقف اعظم (نبی علیہ السلام) جنت والوں کو جنت میں اور جہنم والوں کو جہنم میں بھیج کر اس قیامت کے دن کا اختتام کریں گے''

تقدیر پر ایمان:

پھر ہم اس کے بعد اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر پر ایمان لاتے ہیں۔

وَ يُؤْمِنُ كَذَالِكَ بِقَضَاءِ اللهِ وَ قَدْرِهٖ وَ حِكْمَتِهٖ وَ مَشِيْئَتِهٖ، وَ اَنَّهٗ لَا يَقَعُ شَيْءٌ فِي الْوُجُوْدِ حَتّٰى اَفْعَالِ الْعِبَادِ الْاِخْتِيَارِيَّةِ اِلَّا بَعْدَ عِلْمِ

اللہِ بِہَا وَ تَقْدِیْرِہٖ, وَ اَنَّہٗ تَعَالٰی عَدْلٌ فِی قَضَائِہٖ وَ قَدْرِہٖ حَکِیْمٌ فِیْ تَصَرُّفِہٖ وَ تَدْبِیْرِہٖ وَ اَنَّ حِکْمَتَہٗ تَابِعَۃٌ لِّمَشِیْئَتِہٖ مَاشَاءَ کَانَ وَ مَا لَمْ یَشَأْ لَمْ یَکُنْ, وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِہٖ تَعَالٰی

موت کے بعد زندہ ہونے پر ایمان:

پھر ہم قبر پر ایمان لاتے ہیں.....وَالبَعثِ بَعدَ المَوتِ......اس کے بارے میں فرمایا:

وَ یُؤْمِنُ الْمُسْلِمُ بِاَنَّ نَعِیْمَ الْقَبْرِ وَعَذَابَہٗ وَسُؤَالَ الْمَلَکَیْنِ فِیْہِ حَقٌّ وَّ صِدْقٌ (منہاج المسلم شرح صحیح مسلم: ۴۸۱۰، نضرۃ النعیم: ۶۴۴۳)

''مسلمان قبر کی نعمتوں اور عذاب پر ایمان لاتا ہے اور اس میں فرشتوں (منکر نکیر) کے سوال ہونے پر ایمان لاتا ہے کہ وہ حق اور سچ ہے۔''

نظامِ کائنات میں قدرت کی جلوہ آرائی:

ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایمان ہے کیا؟

دنیا دار الاسباب اور اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہیں، مغیر الاحوال ہیں۔ مومن کائنات کے نظام کو اوپر سے چلتا دیکھتا ہے۔ اس حقیقت کو یوں سمجھیں جیسے آج کل کے زمانے میں ریموٹ کنٹرول چیزیں ہیں۔ چیز کہیں چل رہی ہوتی ہے اور چلانے والا کہیں ہوتا ہے۔ اس سے اس دنیا کے نظام کو سمجھنا آسان ہے کہ یہ جو دنیا کا نظام چل رہا ہے اس کا چلانے والا اس کائنات کا پروردگار ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے چند مثالوں پر غور کیجیے!

پُتلیوں کی مثال:

ہم بچپن میں پتلیوں کا تماشا دیکھا کرتے تھے...... اس زمانے میں آج کل کی مصیبتیں نہیں تھیں۔ بچوں کے لطف اندوز ہونے کے لیے سب سے بڑی چیز یہی ہوتی تھی...... شام کے وقت ایک مداری آتا تھا۔ اسٹیج لگاتا تھا۔ وہ پردے کے پیچھے بیٹھ جاتا تھا۔ اس پردے کی دوسری طرف کھلونا نما چھوٹی چھوٹی پتلیاں ہوتی تھیں۔ وہ کھیلتی تھیں، لڑتی تھیں، بولتی تھیں اور ہم حیران ہو کر ان کو دیکھتے تھے۔ ہمارے بڑے ہمیں سمجھاتے تھے کہ یہ جو چھوٹے چھوٹے کھلونے بھاگ رہے ہیں یا بول رہے ہیں، یہ خود کچھ بھی نہیں کر رہے۔ یہ سب کچھ پردے کے پیچھے وہ آدمی کر رہا ہے۔ ان کے دھاگے ہوتے تھے۔ وہ جس پتلی کے دھاگے کو ہلاتا تھا وہ ہلنے لگ جاتی تھی، اور جس کو روکتا تھا رک جاتی تھی۔ یہ پتلیوں کا تماشا تھا۔

ظاہر کی نظر یہ دیکھتی تھی کہ پتلیاں کھیل، کھیل رہی ہیں، مگر حقیقت یہ تھی کہ پردے کے پیچھے ایک قوت تھی، جو ان کو کھیل کھلا رہی تھی۔ یہی معاملہ اس دنیا کا بھی ہے اور اس معاملے کو سمجھنا بہت آسان ہے۔

ریموٹ کنٹرول کی مثال:

ہمارے گھر میں ایک چھوٹی سی بچی ''حنانہ'' ہے۔ ہم اس کے لیے ایک ریموٹ کنٹرول گاڑی لے کر آئے۔ پہلے دن جب وہ گاڑی چلتی تھی تو وہ حیران ہوتی تھی کہ یہ گاڑی چل کیسے رہی ہے۔ لیکن جب اس نے اپنے ابو کو دیکھا کہ ہاتھ میں کچھ پکڑا ہوا ہے اور ان کی انگلیاں ہلتی ہیں تو گاڑی بھی ہلتی ہے۔ وہ سمجھ گئی۔ اتنی چھوٹی سی بچی نے ایک دن میں سمجھ لیا کہ گاڑی خود نہیں چل رہی، بلکہ

اس کا چلانے والا کوئی اور ہے، یہی ایمان کا معاملہ ہے۔ ہم اتنے بڑے ہو کر بھی کائنات کی اس حقیقت کو نہیں سمجھ پا رہے۔

ظاہر میں یہ نظر آتا ہے کہ یہ ساری کی ساری چیزیں یہاں پر عمل کر رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی مرضی اور منشا یہاں چل رہی ہے۔ دنیا کے اسباب برتنوں کے مانند ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس چیز میں چاہتے ہیں بندے کے لیے نفع ڈال دیتے ہیں اور جس میں چاہتے ہیں بندے کے لیے نقصان ڈال دیتے ہیں۔ چیزیں اپنے اثرات کی خود مالک نہیں ہیں، یہ اللہ کی منشا ہے۔

پانی کی ٹونٹی کی مثال:

ایک دیہاتی آدمی شہر میں آیا۔ اس نے بیسن کے اوپر ٹونٹی لگی ہوئی دیکھی۔ جب کھولی تو پانی آنے لگ گیا۔ اس نے سوچا کہ دیہات میں پانی کی تکلیف ہوتی ہے، میں ٹونٹی خرید کر لے جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ بازار سے ٹونٹی خرید کر لے گیا اور جا کر دیوار پر لگا دی۔ وہ اسے کھولتا تھا تو پانی نہیں آتا تھا۔ تو کسی سمجھدار نے بتایا: اللہ کے بندے! ظاہر میں ٹونٹی پانی دے رہی تھی، جب کہ حقیقت میں اس کے پیچھے پمپ تھا۔ بالکل یہی مثال ہے کہ ہماری ظاہر کی آنکھ دیکھتی ہے کہ دنیا میں یہ ٹونٹیاں پانی دے رہی ہیں، حقیقت میں اس کے پیچھے اللہ کی قدرت ہوتی ہے، جو اس پورے کے پورے نظام کو چلا رہی ہوتی ہے۔

خوش نصیب کون؟

اگر ہم قیامت کے دن کو آج تسلیم کر لیں گے تو اس میں ہماری خوش نصیبی ہے اور جو انسان تسلیم نہیں کرے گا وہ بد نصیب ہو گا۔

اس کی مثال مرغی کے انڈے کی سی ہے۔ اس انڈے میں بچہ بالکل تیار ہو چکا ہے۔ باہر نکلنے کے قریب ہے۔ اب اس بچے کو اگر کوئی بتائے: جناب! تم عنقریب ایک ایسی دنیا میں جاؤ گے جہاں چھ فٹ کا انسان ہوگا، پچیس تیس فٹ کے درخت ہوں گے، پچاس پچاس منزلہ بلڈنگیں ہوں گی، گھر ہوں گے، مکان ہوں گے، پہاڑ ہوں گے، دریا ہوں گے، اور وہ مرغی کا بچہ کہے کہ اچھا! میں دیکھتا ہوں کہ یہ چیزیں کہاں ہیں۔ تو اس کو یہ چیزیں انڈے کے اندر رہ کر تو سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ پھر جب وہ انڈے سے باہر نکلے گا تو کیا وہ اپنی آنکھ سے سب کچھ دیکھے گا یا نہیں دیکھے گا؟ سب کچھ نظر آ جائے گا۔

ہم اس وقت زمین اور آسمان کے انڈے میں بند ہیں، نہ جنت نظر آئے گی نہ جہنم نظر آئے گی، مگر اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ جو اپنی مبارک آنکھوں سے جنت اور جہنم کو دیکھ کر تشریف لائے، انہوں نے بتا دیا۔ اگر ہم مان لیں گے تو ہماری خوش نصیبی ہوگی اور جو نہیں مانیں گے پھر جب وہ کل دنیا کے انڈے سے باہر نکلیں گے تو مان لیں گے۔ فرعون نے مرتے ہوئے نہیں کہا تھا؟

"اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ"

بڑے بڑے فراعنہ بھی موت کے وقت مان لیتے ہیں، لیکن اس وقت کا ماننا ہرگز کام نہیں آتا۔ خوش نصیبی یہ ہے کہ آج اس کو مان لیں۔

اس کی ایک اور مثال سن لیجیے!

ایک مچھلی پانی میں تیر رہی تھی۔ اس نے گوشت کا ایک ٹکڑا لٹکتا ہوا دیکھا۔ جی چاہا کہ میں کھالوں۔ اس کے ساتھ ایک بڑی مچھلی تھی۔ اس نے کہا: خبردار! تم اس

گوشت کے ٹکڑے کو مت کھانا۔ اس نے پوچھا: کیوں نہ کھاؤں؟ بڑی مچھلی نے کہا: اس لیے کہ اس ٹکڑے کے ساتھ ایک کنڈی بنی ہوئی ہے، تم جیسے ہی اس ٹکڑے کو کھانے کی کوشش کروگی تو وہ کنڈی تمہارے حلق میں اٹک جائے گی۔ پھر اس کے پیچھے دھاگہ ہے اور اس دھاگے کے پیچھے ایک فشرمین (ماہی گیر) ہے۔ وہ تمہیں کھینچے گا۔ اور جب وہ تمہیں پکڑے گا تو تم پانی کے بغیر مرجاؤ گی۔ پھر وہ تمہیں گھر لے جائے گا۔ بیوی کو کہے گا کہ میں مچھلی پکڑ کے لایا ہوں۔ وہ چھری ہاتھ میں لے کر تمہارے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرے گی۔ پھر وہ تم پر نمک مرچ لگا کے رکھے گی اور جب وہ نمک مرچ اچھی طرح ان ٹکڑوں میں جذب ہو جائے گا تو پھر وہ تمہیں ابلتے تیل میں ڈالے گی۔ وہ تمہارے کباب بنائے گی۔ کباب بنا کر وہ دستر خوان لگائے گی۔ پھر وہ سارے گھر والوں کو بلا کر کہے گی: جی! آج مچھلی پکی ہے۔ چنانچہ لوگ آ کر دستر خوان پر بیٹھیں گے، تمہاری ایک ایک بوٹی منہ میں ڈالیں گے اور بتیس بتیس دانتوں میں چبا کے کھائیں گے۔

یہ ساری کہانی سن کر وہ چھوٹی مچھلی کہنے لگی: اچھا! میں دیکھتی ہوں۔ اب اگر وہ پورے دریا میں چکر لگا کر دیکھے تو کیا اس کو شکار کرنے والا نظر آ جائے گا؟ کیا اس کی بیوی نظر آ سکتی ہے؟ کیا نمک مرچ نظر آئے گا؟ ابلتا تیل نظر آئے گا؟ نہیں، کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ یہ تو اس کے ماننے پر منحصر ہے۔ اگر مان لے گی اور بچ جائے گی تو فائدے میں رہے گی اور نہیں مانے گی تو وہ جیسے ہی اس کو منہ لگائے گی اور شکاری کی کنڈی اس کے حلق میں اٹکے گی تو باقی مناظر خود بخود دیکھ لے گی۔

یہی انسان کا حال ہے۔ نبی علیہ السلام نے آ کر بتا دیا: لوگو! اللہ رب العزت نے ہمیں کچھ وقت کے لیے دنیا میں بھیجا ہے۔ یہاں پر ہم ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں

آئے۔ یہ دارالامتحان ہے۔ نیکی کرو، تاکہ جنت ٹھکانا بنے۔ اگر برائی کروگے تو جہنم میں جاؤگے۔ اب جو مان لے گا وہ خوش نصیب انسان ہوگا۔ اور جو نہیں مانے گا، اس پر جیسے ہی موت کا وقت آئے گا، اس وقت اس کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اس کو ایمان کہتے ہیں۔ اس لیے ہم یہ بات دل سے تسلیم کرلیں کہ یہ نظام اللہ رب العزت کی منشا سے چل رہا ہے۔

چیزوں میں نفع ونقصان اللہ ڈالتے ہیں:

اس لیے ہم یہ بات دل سے تسلیم کرلیں کہ یہ نظام اللہ رب العزت کی منشا سے چل رہا ہے۔ چیزوں میں نفع اور نقصان اللہ تعالیٰ ڈال دیتے ہیں۔ جو نیک بنتا ہے اللہ تعالیٰ ماحول کو اس کے موافق بنا دیتے ہیں اور جو برا بنتا ہے اللہ تعالیٰ ماحول کو اس کے مخالف بنا دیتے ہیں۔ ماحول کا بنانا اور چیزوں میں سے نفع اور نقصان کا نکالنا، یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

دودھ کی مثال:

ہمارا مشاہدہ ہے کہ ایک بندہ دودھ پیتا ہے اور وہ موٹا تازہ ہوجاتا ہے، پہلوان بن جاتا ہے۔ اور ایک دوسرا بندہ دودھ پیتا ہے، اسے فوڈ پوائزننگ ہوجاتی ہے اور اس کی ڈیتھ (موت) ہوجاتی ہے۔ اسی دودھ سے بندے کو زندگی ملی اور اسی دودھ سے موت ملی۔ گویا یہ ایک برتن ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے چاہا تو زندگی ڈال دی اور جس میں اللہ نے چاہا تو موت ڈال دی۔

عصائے موسوی کی مثال:

اس حقیقت کی دلیل قرآن عظیم الشان میں موجود ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے کوہ طور پر گئے تو وہاں اللہ تعالیٰ نے پوچھا:

﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى﴾

''اے موسیٰ! آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

هِيَ عَصَايَ ''یہ میرا عصا ہے (لاٹھی ہے)''

پھر اس کے فائدے بتائے:

﴿اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى﴾

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ کہنا چاہتے تھے کہ یہ بڑے فائدے کی چیز ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلْقِهَا يٰمُوسٰى ''اے موسیٰ! اسے نیچے ڈال دو۔''

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو نیچے ڈالدیا تو

فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى (طٰہٰ:۱۷-۲۰)

''اچانک دوڑنے والا اژدہا بن گیا''

پھر کیا ہوا؟

فَاَوْجَسَ فِي نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوسٰى (طٰہٰ:۶۷)

''حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے جی میں ڈر گئے، گھبرا گئے۔''

جب گھبرا گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُولٰى﴾ (طٰہٰ:۲۱)

''اسے پکڑ لو، ڈرو نہیں، ہم اسے دوبارہ وہی شکل عطا کر دیں گے۔''

چنانچہ ہاتھ لگانے سے پھر وہ لاٹھی بن گئی۔

اب یہاں (معاذ اللہ) کوئی کرتب دکھانا مقصد نہیں تھا، بلکہ ایک سبق دینا مقصد تھا۔ اس سبق کا مقصد یہ تھا کہ اے میرے پیارے نبی! آپ جس چیز کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ یہ بڑے فائدے کی ہے، ہمارے حکم پر آپ نے اس کو زمین پر ڈالا تو دیکھو! وہ کتنے نقصان والی بن گئی۔ اور جس چیز کو آپ نقصان دینے والی سمجھ کر اتنا ڈر رہے ہیں، ہمارے حکم سے آپ نے اس کو ہاتھ لگایا تو وہ پھر فائدے والی بن گئی۔ تو سبق یہ سکھانا تھا کہ چیزوں میں نفع یا نقصان ان کا ذاتی نہیں ہوتا، ہم چاہتے ہیں تو چیزوں میں نفع ڈال دیتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں تو چیزوں میں نقصان ڈال دیتے ہیں۔ ہم عزت کے نقشوں سے ذلت نکال دیتے ہیں اور ذلت کے نقشوں سے عزت نکال دیتے ہیں۔ اس کو ''ایمان'' کہتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیماری کی مثال:

ایک دفعہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام بیمار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جائیے! فلاں درخت کے پتے کھا لیجیے۔'' آپ نے وہ پتے کھا لیے اور شفا ہو گئی۔ کافی عرصے بعد پھر وہی تکلیف محسوس ہوئی۔ اب خود جا کر وہی پتے استعمال کیے تو فائدہ نہیں ہوا۔ تو عرض کیا: یا اللہ! اب میں نے پتے تو کھا لیے ہیں، لیکن فائدہ نہیں ہوا۔ فرمایا: اے میرے پیارے کلیم! ان پتوں میں اپنی شفا نہیں تھی، ہم نے اس وقت ان پتوں میں شفا رکھ دی تھی۔ اور واقعی ایسا ہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شفا رکھ دیتے ہیں۔ تو ایمان کہلاتا ہے کہ انسان چیزوں پر یقین رکھنے کے بجائے پروردگار پر یقین رکھے۔ وہ چاہے تو نفع رکھ دے اور وہ چاہے تو نقصان رکھ دے۔

سانپ سے زندگی کی مثال:

ایک آدمی نے کمرہ کھولا، اندر سانپ کھڑا تھا۔ جیسے وہ کاٹنے کے لیے تیار تھا۔ اس نے ڈر کے مارے دروازہ بند کردیا اور پیچھے ہٹ گیا۔ ایک منٹ کے بعد اس کمرے کی چھت نیچے آگری۔ اللہ نے اس کی زندگی کے بچنے کا ذریعہ سانپ کو بنادیا۔ اگر سامنے سانپ نہ ہوتا تو وہ کمرے کے اندر چلا جاتا، پھر چھت گرجاتی اور وہ مرجاتا۔ اللہ نے سانپ کو ذریعہ بنادیا۔

سانپ سے موت کی مثال:

ایک مرتبہ بارات جارہی تھی۔ ایک آدمی نے کہا: نیچے گرمی ہے، میں چھت پر جاکر بیٹھتا ہوں۔ چنانچہ وہ بس کی چھت پر جابیٹھا۔ اللہ کی شان کہ بس سڑک پر چل رہی تھی اور اوپر ایک چیل نے سانپ پکڑا ہوا تھا اور وہ اڑ رہی تھی۔ اچانک وہ سانپ اس کے پاؤں سے سلپ ہوا اور اس بندے کے اوپر آگرا۔ اس سانپ نے اس کو کاٹ لیا اور وہ بندہ وہیں پر مرگیا۔ ادھر اس بندے کے لیے سانپ موت کا سبب بن رہا ہے اور ادھر اس بندے کے لیے سانپ زندگی کا سبب بن رہا ہے۔ یہ اسباب ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہی کے ذریعے سے زندگی دے دیتے ہیں اور انہی کے ذریعے انسان کو موت دے دیتے ہیں۔

کھیرے کی فصل کی مثال:

ایک مرتبہ ہمیں ایک عجیب تجربہ ہوا۔ ہمارے ہاں یہاں معہد کے کچھ نوجوان کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ ہمارے پاس تقریباً آٹھ ایکڑ رقبہ تھا۔ ہم نے سوچا کہ یہاں کھیرا اگاتے ہیں۔ اس میں سے چھ ایکڑ زمین تو بالکل تیار تھی اور دو ایکڑ زمین

پر چاول لگے ہوئے تھے، یعنی دھان (منجی) کی فصل کاشت کی ہوئی تھی۔ اگر اس کو کاٹنے میں دیر ہو جائے تو اس میں پانی کھڑا کرنا پڑتا ہے۔ ایسا ہی ہوا۔ اب وہ خشک ہی نہیں ہو رہی تھی۔ ہم نے چھ ایکڑ زمین پر تو کھیرا لگا دیا۔ اور ادھر دو ایکڑ کو دیکھتے تو دل دکھتا کہ یہ فصل تو لیٹ ہو گئی۔ روز دعائیں مانگتے تھے کہ یہ پانی خشک ہو جائے، لیکن پانی تو اپنے حساب سے خشک ہوتا ہے۔ اب وہ چھ ایکڑ کی فصل نکلنا بھی شروع ہو گئی۔

تقریباً ایک مہینے بعد پانی والی زمین بھی خشک ہوتے ہوتے ''وتر'' والی حالت میں آ گئی۔ انہوں نے اس میں بھی بیج ڈال دیا۔ اب وہ بیج جرمی نیٹ تو ہو گیا، لیکن بڑھ نہیں رہا تھا۔ چھ ایکڑ کی فصل پھل دینے کی پوزیشن میں آ گئی، لیکن وہ دو ایکڑ جو تھے ان میں پودے بڑھ ہی نہیں رہے تھے۔ سب نوجوان سمجھنے لگے کہ ان دو ایکڑوں میں ہمارا پھل ضائع ہو گیا ہے اور فصل خراب ہو گئی ہے۔

میں نے ان کو بیٹھ کر سمجھایا: دیکھو! ہم مکلف ہیں کوشش کرنے کے، اگلے معاملات اللہ کے اختیار میں ہیں...... اس بات سے ان کے سر پر جو پریشر تھا وہ ختم ہو گیا اور وہ ریلیکس ہو گئے۔

اللہ کی عجیب شان دیکھیں کہ جب ہمارا وہ چھ ایکڑ والا کھیرا تیار ہو گیا تو مارکیٹ میں اس کی پرائس (قیمت) بہت کم ہو چکی تھی۔ اتنی فصل نکل رہی تھی، مگر پیسہ ہی نہیں مل رہا تھا۔ پوری بوری سو روپے کی۔ اللہ اکبر! اب وہ حیران ہوئے کہ جس فصل کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے، جس فصل کو دیکھ کر خوشیاں مناتے تھے، جس فصل پر اتنا بھروسہ کر رکھا تھا کہ بڑی انکم (آمدنی) ہو گی، اس کی ایک بوری سو روپے کی بک رہی تھی۔ گویا نکلا ہی کچھ نہیں تھا۔ تو جوانوں پر تو شدید مایوسی کی کیفیت تھی۔ ایک مہینہ اسی طرح گزر گیا۔

جب وہ چھ ایکڑ والی فصل ختم ہوگئی تو رکی ہوئی دو ایکڑ والی فصل نے بڑھنا شروع کر دیا۔ اللہ کی شان! اس فصل پر ایسے وقت میں پھل لگا جب مارکیٹ میں کھیرا نہیں تھا۔ چنانچہ پرائس شوٹ کر گئی۔ یعنی قیمت یک دم بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ ایک بوری آٹھ سو کی بکنے لگی۔ دونوں ایکڑز سے اتنی انکم (آمدنی) ہوئی کہ پہلے چھ ایکڑز کی آمدنی ان دو ایکڑز کی آمدنی سے کم تھی۔

میں نے نوجوانوں کو بیٹھ کر سمجھایا: دیکھو! اللہ نے ہمیں سبق دیا ہے کہ میں نقصان کے نقشوں میں سے نفع نکال دیتا ہوں اور نفع کے نقشوں میں سے تمہارے لیے نقصان نکال دیتا ہوں۔ اسی طرح اگر میں چاہتا ہوں تو عزت کے نقشوں میں سے ذلت نکال دیتا ہوں اور اگر چاہتا ہوں تو ذلت کے نقشوں میں سے تمہارے لیے عزت نکال دیتا ہوں۔ تو معاملات کس کے اختیار میں ہوئے؟ اللہ رب العزت کے اختیار میں۔ اس کا مقصود یہ ہے کہ ہم چیزوں کے پیچھے لگ کر اپنے رب کو نہ چھوڑیں۔ مسجد کے دروازے کے ساتھ دکان ہوتی ہے، مگر نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں نہیں آتے۔ کیوں؟ اس لیے کہ جی! گاہک نہیں آئیں گے۔ اب اس بندے کو اللہ کی طرف سے رزق ملنے پر یقین نہیں ہے، دکان پر یقین بنا ہوا ہے۔ اس کی دکان اس کے لیے بت بنا ہوا ہے۔ اگر اس کا ایمان قوی ہوتا تو نماز کے وقت میں کام روک کر پہلے اللہ کی نماز ادا کرتا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب انسان کا یقین چیزوں پر ہوتا ہے تو پھر وہ اعمال سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور جب ایمان قوی ہوتا ہے تو پھر چیزیں اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔

ایک انمول نصیحت:

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا کہ آپ ام

المومنین ہیں، کوئی نصیحت فرما دیجیے۔ انہوں نے نصیحت کرتے ہوئے جواب میں خط لکھا اور نصیحت کرنے کا حق ادا کر دیا۔ فرمایا:

''اگر تم اللہ کو راضی کرو گے تو جو بندے تم سے ناراض ہوں گے، اللہ تعالیٰ خود بخود ان کے دل میں تمہاری محبت ڈال دیں گے اور اگر اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرو گے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں میں نفرت ڈال دیں گے۔'' (ترمذی: ج ۴ ص ۶۰۹، حدیث: ۲۴۱۴)

تو اللہ کی کاسٹ پر تم بندوں کو راضی مت کرتے پھرو۔ ایمان کی اہمیت کو سمجھو۔ یاد رکھیں! ہم ہر چیز کو چھوڑ سکتے ہیں، مگر خدا کو نہیں چھوڑ سکتے۔ یہی ایمان ہے۔

مومن اور کافر کی زندگی میں بنیادی فرق:

مومن اور کافر کی زندگی میں بنیادی طور پر یہی فرق ہوتا ہے کہ مومن کی زندگی ایمان کی زندگی ہوتی ہے اور کافر کی زندگی مشاہدے کی زندگی ہوتی ہے۔ مومن کو اللہ کے وعدوں پر بھروسہ ہوتا ہے۔ کافر کو اگر سود ملتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے کہ میرا پیسہ بڑھ گیا، لیکن مومن کو چونکہ اللہ کے وعدوں پر بھروسہ ہوتا ہے، اس لیے وہ سمجھتا ہے کہ میں جو زکوۃ دے رہا ہوں، یہ پیسہ نہیں جا رہا، بلکہ اس کے بدلے پتہ نہیں کتنا آ رہا ہے۔ یہ مشاہدے اور غیب کا فرق ہوتا ہے۔ اس لیے کافر کی زندگی نظر کی زندگی اور مومن کی زندگی خبر کی زندگی ہوتی ہے۔

چنانچہ جب کسی مریض کو ہسپتال میں لے جاتے ہیں اور کہتے ہیں: جی! اس کو بخار ہے، تو ڈاکٹر اس کے بخار کی مختلف وجوہات لکھ دیتا ہے۔ ان وجوہات

کوDifferential Reasons(امکانی وجوہات) کہتے ہیں۔مطلب یہ کہ وائرس کی وجہ سے بھی بخار ہوسکتا ہے، بیکٹیریا کی وجہ سے بھی بخار ہوسکتا ہے،ملیریا کی وجہ سے بھی بخار ہوسکتا ہے،مختلف وجوہات ہوسکتی ہیں۔

اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ ٹیسٹ کرواؤ، تاکہ پتہ چلے کہ بخار کی اصل وجہ کیا ہے۔جب بلڈ ٹیسٹ لیا جاتا ہے تو پھر تشخیص ہوتی ہے کہ یہ تو ملیریا تھا۔اس کو Definite Reason(حقیقی وجہ) کہتے ہیں۔تو گویا وجوہات دو طرح کی ہوتی ہیں: ایک Differential Reasons(امکانی وجوہات)اور دوسری Definite Reason۔نظر جو دیکھ رہی ہوتی ہے وہ امکانات کو دیکھ رہی ہوتی ہے اور دین جو چیز بتا رہا ہوتا ہے وہ Definite(حقیقی)چیز کو بتا رہا ہوتا ہے۔اس لیے مشاہدے کی زندگی گزارنے والے موت کے وقت افسوس کر رہے ہوتے ہیں اور ایمان کی زندگی گزارنے والے موت کے وقت کہتے ہیں: فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ! ''ربِّ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا ہوں۔''

یقین کیسے بنتا ہے؟

یاد رکھیں! مشاہدات کے تذکروں سے یقین بگڑتا ہے اور غیب کے تذکروں سے یقین بنتا ہے۔اس لیے گھر میں اس کے تذکرے کرنے چاہییں۔مردوں کو چاہیے کہ وہ گھر کی عورتوں اور بچوں کے سامنے ان باتوں کو کھولا کریں کہ ہم اللہ پر ایمان لانے والے لوگ ہیں، لہٰذا ہماری زندگی کا سیٹ اپ کفار سے مختلف ہے۔یہ کبھی ایک جیسا نہیں ہوسکتا۔اس لیے کہ ہم اپنے ایمان پر ہر وقت قائم رہنے والے ہیں۔

ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع:

مومن اپنے دل کی آنکھ سے دیکھتا ہے کہ مجھے اعمال سے کامیابی نصیب ہو گی۔اس لیے مومن کو جیسے بھی حالات پیش آتے ہیں وہ ان میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔مومن کی مثال چھوٹے بچے کے مانند ہے۔چھوٹے بچے کو کوئی چیز ملے تو وہ ماں کی طرف توجہ کرتا ہے، اس کو کوئی چوٹ لگے تو ماں کی طرف توجہ کرتا ہے، اسے کوئی خوش ہو کر دیکھے تو ماں کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اسے کوئی دھمکائے تو ماں کی طرف بھاگتا ہے۔مومن کا بھی یہی معاملہ ہوتا ہے۔خوشی ملے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، غم ملتا ہے تو اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہے۔گویا مومن کا رجوع ہر حال میں اللہ کی طرف ہوتا ہے۔اس لیے ایمان ہماری بنیاد ہے کہ ہم بن دیکھے اللہ رب العزت کو مانتے ہیں۔

دیکھیے! طائف کے سفر میں نبی علیہ السلام کو کتنی تکالیف پہنچیں۔دو فرشتے آتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: اے اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اگر آپ اجازت دیں تو ہم دو پہاڑوں کو ملا کر ان لوگوں کو ختم کر دیں؟ لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کیا پتہ ان کی آنے والی نسلوں میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جو ایمان لانے والے ہوں۔

علما نے لکھا ہے کہ وہ قبیلہ بنو ثقیف کے لوگ تھے۔بعد میں اسی قبیلہ بنو ثقیف میں محمد بن قاسم ثقفی پیدا ہوئے اور ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے پاکستان اور ہندوستان کے لوگوں کو ایمان اور اسلام کی دولت سے نواز دیا۔

اللہ اکبر! ایمان دیکھ رہا تھا کہ آنے والے لوگوں میں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا کر دیں گے۔یہ مشاہدہ نہیں تھا۔

حالات کی زنجیریں:

یہ ایمان لانے والے جب ذرا لائن سے ہٹنے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر ذرا تنگی کے حالات بھیج دیتے ہیں۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ آج دیکھو! اگر امتحان دیا ہوا ہو تو بڑا رجوع الی اللہ رہتا ہے۔ یا اللہ! سپلی نہ آجائے۔ ضمنی امتحان نہ دینا پڑے۔ اسکول و کالج کے وہ طلبا جو فرض نماز نہیں پڑھتے، امتحان دینے کے بعد وہ تہجد کے نفل بھی پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات نوجوان آکر کہتے ہیں: جی! ہم نے انٹرویو دیا ہوا ہے، پڑھنے کے لیے کوئی وظیفہ بتا دیں۔ کہاں قرآن نہیں پڑھتا تھا اب وظیفے پڑھ رہا ہوتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ خوشیاں سلاتی ہیں اور غم جگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر اسی لیے مختلف حالات بھیجتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بندہ ذرا سی بھٹکنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بیماری بھیج دیتے ہیں، کوئی پریشانی بھیج دیتے ہیں، اور بندہ پھر اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ پاک ہے وہ پروردگار جو اپنے بندوں کو پریشانیوں کی زنجیروں اور رسیوں میں جکڑ جکڑ کر اپنے در کی طرف واپس کھینچ رہا ہوتا ہے۔

ایک عورت جب حاملہ ہوتی ہے تو اس کو قے آتی ہے۔ اس کی قے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اس کے جسم میں کچھ بن رہا ہے۔ اسی طرح جب بندے کا ایمان بننا ہوتا ہے تو اس پر بھی حالات آتے ہیں۔ یہ تکالیف کا آنا، پریشانیوں کا آنا، مصیبتوں کا آنا، اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ مالک درجے بڑھا رہا ہوتا ہے۔ وہ دینا چاہتا ہے۔ مومن کو اللہ کی رحمت سے کبھی بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ بس اتنی بات سمجھ میں رکھنی چاہیے کہ مصیبت اللہ کی طرف سے آتی ہے اور

اس کو ہٹانے کے لیے رجوع بھی اللہ ہی کی طرف کرنا ہوتا ہے۔ اس کو ہٹانے کے لیے مخلوق سے سہارے نہیں مانگنے، ان کے پیچھے نہیں بھاگنا، بلکہ اللہ کی طرف بھاگنا ہے۔

بلندی اعمال کا سبب:

کہتے ہیں کہ بنیاد جتنی مضبوط ہوگی، عمارت اتنی ہی اونچی ہوگی۔ اس طرح بندے کا ایمان جتنا مضبوط ہوگا، بندے کے اعمال بھی اتنے ہی بلند ہوں گے۔ اس لیے ایمان کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے تھے:

تَعَلَّمْنَا الْاِيْمَانَ قَبْلَ اَنْ نَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ

''ہم نے قرآن سیکھنے سے پہلے ایمان سیکھا، اس کے بعد ہم نے قرآن سیکھا۔'' (ابن ماجہ، حدیث: ٦٠)

تو یہ ایمان سیکھنے کی چیز ہے اور اس کو سیکھنے کے لیے آپ یہاں آئے بیٹھے ہیں۔ یہاں آنے کا مقصود اور منشا، ایمان کا سیکھنا، اس کا بڑھانا اور ایمان پر چمک لانا ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک قیمتی چیز ہے۔

ایمان سیکھنے کے چار ذرائع

ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایمان سیکھنے کے ذرائع کیا ہیں؟
ایمان سیکھنے کے چار ذرائع ہیں:

①......قدرت کی نشانیوں میں غور وفکر:

پہلا ذریعہ ''قدرت کی نشانیوں میں غور کرنا'' ہے۔ ہمارے اردگرد یہ جو ایک جہاں پھیلا ہوا ہے، ذرا اس پر غور کریں تو یقیناً ہمیں اس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں نظر آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَفِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَـقُّ﴾ (حم السجدة:۵۳)

''ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں بھی (یعنی باہر کے جہان میں بھی) اور ان کے اندر کے جہان میں بھی (یعنی من کی دنیا میں بھی) حتی کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ حق کیا ہے۔''

واقعی اگر انسان عبرت کی نگاہ ڈالے تو اسے دائیں بائیں، آگے پیچھے، ہر طرف اللہ کی نشانیاں نظر آئیں گی۔

وَ فِی کُلِّ شَیۡءٍ لَّهٗ اٰیَةٌ
تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

ہر چیز توحیدِ باری تعالیٰ کی گواہی دے رہی ہے۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کا پتہ دیتی ہے۔ اسی لیے کہنے والے نے کہا:

کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے، وہی خدا ہے
دکھائی بھی جو نہ دے نظر بھی جو آ رہا ہے، وہی خدا ہے
نظر بھی رکھے، سماعتیں بھی، وہ جان لیتا ہے نیتیں بھی
جو خانۂ لاشعور میں جگمگا رہا ہے، وہی خدا ہے
تلاش اس کو نہ کر بتوں میں وہ ہے بدلتی ہوئی رتوں میں

جو دن کو رات اور رات کو دن بنا رہا ہے، وہی خدا ہے

اگر ہم غور کریں تو ہمیں اللہ رب العزت کی نشانیاں ہر طرف نظر آسکتی ہیں۔اس لیے قرآن مجید نے ہمیں یہ نہیں کہا کہ آنکھوں کو بند کرلو، بلکہ فرمایا:

......اَلَمۡ تَرَ ''کیا آپ نے نہیں دیکھا؟''

......اَلَمۡ تَرَوۡا ''کیا تم نے نہیں دیکھا؟''

......اُنۡظُرُوۡا ''تم دیکھو''

......فَانۡظُرۡ ''پس تو دیکھ''

شریعت کہتی ہے: ذرا آنکھیں کھولو اور دیکھو! تمہیں ہر طرف اللہ کے جلوے نظر آئیں گے۔

اِذَا الۡمَرۡءُ کَانَتۡ لَهٗ فِکۡرَةٌ
فَفِیۡ کُلِّ شَیۡءٍ لَّهٗ عِبۡرَةٌ

چنانچہ کہنے والے نے کہا:

چاند تاروں میں تو مرغزاروں میں تو اے خدایا!
کس نے تیری حقیقت کو پایا؟
تو نے پتھر میں کیڑے کو پالا
خشک مٹی سے سبزہ نکالا
یہ تیرا ہے جہاں یہ زمیں آسماں، اے خدایا!
کس نے تیری حقیقت کو پایا؟
تو نہاں تیرا جلوہ عیاں ہے
تیری ہستی کا مظہر جہاں ہے

پھول میں مثلِ بو چھپ کے بیٹھا ہے تو، اے خدایا!
کس نے تیری حقیقت کو پایا؟
بحرِ عصیاں سے مولا بچا لے
دل کی کشتی ہے تیرے حوالے
تو ہی ستّار ہے، تو ہی غفار ہے، اے خدایا!
کس نے تیری حقیقت کو پایا؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں ہے۔

☆......جب ستاروں کو دیکھا تو کہا: هٰذَا رَبِّیْ ''یہ میرا رب ہے''

☆......جب چاند نکل آیا تو فرمانے لگے: یہ ان سے بڑا ہے۔ خدا تو بڑا ہی ہوسکتا ہے، لہٰذا هٰذَا رَبِّیْ ''یہ میرا رب ہے۔''

☆......پھر سورج نکل آیا۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ

''جب چمک دار سورج کو دیکھا تو فرمایا: یہ ہے میرا رب، یہ سب سے بڑا ہے۔''

پھر کیا ہوا؟

﴿فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ (الانعام:۸)

جب وہ غروب ہو گیا تو فرمایا: غروب ہونے والا خدا نہیں ہوسکتا۔ تو دیکھیں کہ جب انسان قدرت کی نشانیوں پر غور کرتا ہے تو اس بات پر پہنچتا ہے کہ یہ چیزیں خدا نہیں، بلکہ ان کو پیدا کرنے والا خدا ہے۔

۲......انبیائے کرام کے واقعات کا مطالعہ:

ایمان سیکھنے کا دوسرا ذریعہ ''انبیائے کرام کے واقعات'' ہیں۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں انبیائے کرام کے واقعات بیان فرمائے ہیں۔ ان واقعات کو بیان کرنے کے دو مقاصد تھے: ایک تو یہ کہ ایمان والے ان واقعات سے سبق سیکھیں اور دوسرا یہ کہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی بھی ہو جائے، دل کو سکون اور اطمینان ہو جائے، کیونکہ کفار کی باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل غمزدہ ہوتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ

(ہود: ۱۲۰)

اسی لیے سابقہ انبیا علیہم السلام کا ریفرنس (حوالہ) دیا جاتا تھا۔ مثلاً:

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

(النساء: ۱۶۳)

''اے میرے محبوب! ہم نے آپ کی طرف وحی نازل کی جیسا کہ ہم نے اپنے احکام حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے انبیا پر نازل کیے۔''

اسی طرح فرمایا:

﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴾ (المزمل: ۱۵)

تو دل کو تسلی کے لیے پچھلے ریفرنس (حوالے) دیے۔

✿......اگر آپ غور کریں تو حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہمارے سبق سیکھنے کے

لیے کافی ہے۔

......چھوٹی عمر ہے۔

......جن بھائیوں کو اپنا سمجھا جاتا ہے انہوں نے کنویں میں ڈال دیا۔

......کنویں سے نکلے تو معمولی قیمت پر بکتے پھرے۔

...... جہاں پہنچے وہاں خادم اور غلام بنے۔

اب جو بندہ پردیس میں ہو اور اس کی زندگی غلام کی زندگی ہو تو اس کی تو ظاہری زندگی کسی کام کی نہیں ہوتی، مگر اللہ تعالیٰ یہاں سمجھانا چاہتے ہیں کہ دیکھو!

......وہ اکیلے ہیں

......نہ رشتے دار اپنے

......نہ ماں باپ اپنے

......نہ برادری اپنی

......نہ وطن اپنا

......نہ کوئی جان پہچان

کوئی اپنا نہیں، لیکن کچھ چیزیں ان کے پاس اپنی تھیں۔

......شرافت اپنی تھی

......دیانت اپنی تھی

......عفت دپاکدامنی اپنی تھی

......اللہ کے حکم پر استقامت اپنی تھی

جب انہوں نے ان صفات کے ساتھ زندگی گزاری تو نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں تھے وہیں کے وزیر خزانہ بن گئے۔ بے تاج بادشاہ بن گئے۔ خزانوں کے مالک

بن گئے۔خود بادشاہ نے بلاکراپنی بادشاہی ان کے حوالے کی۔ایک وقت تھا کہ غلام ہیں اور بک رہے ہیں اور ایک وقت تھا کہ بادشاہ بن کے بیٹھے ہیں۔تو ان کو بادشاہ کس نے بنایا؟ اسباب نے نہیں بنایا، بلکہ صفات نے بنایا ہے۔اللہ کی رحمت نے بنایا ہے۔

یہی سبق دینا مقصود تھا: لوگو! تم اسباب کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہو، زندگی برباد کر بیٹھتے ہو،تم اپنے اندر صفات پیدا کرو اور ایمان کو چمکاؤ۔ پھر ان صفات کے صدقے اللہ تعالیٰ وقت کے تاج تمہارے قدموں میں ڈال دیں گے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے دربار میں بیٹھے ہیں۔ بھائی غلہ لینے کے لیے آئے۔ جب وہ داخل ہوئے اور انہوں نے بادشاہ کو بیٹھے دیکھا تو انہوں نے سمجھا کہ یہ عزیزِ مصر ہے۔چنانچہ کہنے لگے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ﴾ (یوسف:۸۸)

''اے عزیزِ مصر! ہمیں اور ہمارے اہلِ خانہ کو تنگدستی نے بے حال کر دیا اور ہم قیمت بھی اتنی لائے ہیں جو پوری نہیں،ہمیں غلہ پورا دیجیے،آپ ہمارے اوپر صدقہ وخیرات کر دیں، بے شک اللہ صدقہ دینے والوں کو جزا دیتا ہے۔''

اب بھائی بھکاریوں کی طرح بھیک مانگ رہے تھے کہ ہمارے اوپر صدقہ خیرات کر دیں۔جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ معاملہ ایں جا رسید (معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے) کہ یہ نبی زادے آج بھکاری بن کر

کھڑے ہیں اور مجھے کہہ رہے ہیں کہ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ''اور ہمارے اوپر صدقہ کر دیجیے'' اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

مَا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ (یوسف:۸۹)

''تم نے یوسف کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟''

یہ بات ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی۔ چنانچہ کہنے لگے:

اَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ

''کیا آپ یوسف ہیں؟''

قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا

''فرمایا: ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے، اللہ نے ہم پر احسان کیا۔''

ذرا آگے سنیے! یہ بات ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ

(یوسف:۹۰)

''بے شک جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اور اپنے اندر صبر وضبط پیدا کرتا ہے، اللہ ایسے نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں فرمایا کرتے۔''

سبق سکھا دیا کہ دیکھو! اسباب کے پیچھے مت بھاگو، ایمان بناؤ، اعمال بناؤ، اعمال پر کامیابی ملے گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھیے! اکیلے ہیں۔ ساری سلطنت کے لوگ مخالف

ہیں۔بادشاہِ وقت بھی مخالف ہے۔آگ میں ڈالنے کے پروگرام بنالیے، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام اس بات پر ڈٹے رہے کہ میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنا سکتا۔نتیجہ کیا نکلا؟ کہ اللہ رب العزت نے ان کے لیے دنیا کی آگ کو ٹھنڈا فرمادیا۔

﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ﴾

اور جب اس میں کامیاب ہوئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس میں ابراہیم کو آزمایا:

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ﴾

''اور آزمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے چند باتوں میں، پس وہ کامیاب ہوگئے۔''

فَاَتَمَّهُنَّ کا ترجمہ بنتا ہے: سینٹ پرسینٹ۔مِائَةً فِي الْمِائَة

ہنڈرڈ پرسنٹ مارکس......سو فیصد نمبر...... 100 / 100۔

پھر اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا:

﴿اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ (البقرۃ:۱۲۴)

''(اے ابراہیم!) میں آپ کو انسانوں کا امام بناتا ہوں۔''

غور کرنے کی بات ہے کہ جو اکیلے تھے، ساری مخلوق ان کی مخالف تھی، وہ اللہ کے حکم پر ڈٹے رہے۔ پھر ایک ایسا وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس اکیلے کو فرمایا کہ میں آپ کو انسانوں کا امام بناتا ہوں۔ چنانچہ آج دیکھیں کہ یہودی، عیسائی اور مسلمان دنیا کے تینوں مذاہب کے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا احترام کرتے ہیں اور ان کو اللہ کا سچا پیغمبر مانتے ہیں۔ اللہ نے انسانوں کا امام بنادیا۔

اس میں ہمارے لیے سبق ہے۔ اگر ہم بھی اعمال پر جمے رہیں گے، ظاہر کے حالات جو بھی ہیں، تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ بالآخر اللہ تعالیٰ ہمارے حق میں فیصلہ فرمادیں گے۔ آج انسان چھوٹی چھوٹی باتوں پر خدا کا در چھوڑ کر مخلوق کے در پر بھاگ کر جاتا ہے۔ جو سب سے پہلے چھوٹتا ہے وہ خدا کا در ہے۔ سنیے!...... ایک دوست دوسرے دوست کو فون کرتا ہے: یار! مسجد میں نہیں آئے؟ وہ کہتا ہے: بس! کچھ کاروباری پریشانی تھی، اس لیے آج میں نہیں آسکا۔ یعنی جب کاروباری پریشانی آئی تو جو در سب سے پہلے چھوٹا وہ خدا کا در تھا۔ سوچنے کی بات ہے کہ بیوی کا گھر تو نہیں چھوڑا، بچوں کا گھر تو نہیں چھوڑا، ماں باپ کا گھر تو نہیں چھوڑا۔ وہاں تو رات کو پہنچ گیا۔ چھوڑا تو رب کا در چھوڑا، حالانکہ ہر چیز کو چھوڑ سکتے ہیں، لیکن خدا کا در نہیں چھوڑ سکتے۔ اس بات کو سیکھنے کا نام "ایمان" ہے۔ ہمارے اکابر کی یہی صفت تھی کہ وہ اللہ کے حکموں کی بجا آوری میں لگے رہتے تھے۔

(۳)...... صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تائید غیبی کا مطالعہ:

ایمان سیکھنے کا تیسرا ذریعہ "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا مطالعہ کرنا اور ان کے ساتھ اللہ کی مدد کو دیکھنا" ہے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیوں کو بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں مقامِ تسخیر عطا فرمایا...... ایک لفظ عرض کر رہا ہوں "تسخیر" مسخر کرنا...... مومن جب ایمان میں کمال حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو "مقامِ تسخیر" عطا فرما دیتے ہیں۔ مقامِ تسخیر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مومن کا حکم آگ، پانی، ہوا اور مٹی چاروں عناصر کے اوپر چلتا ہے۔

✿...... جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایمان بنا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو "مقامِ تسخیر" عطا کیا۔ کتابوں میں آیا ہے: حضرت عمر ص نے ایک صحابی تمیم داری ص کو

فرمایا: ''جاؤ! اور یہ آگ جہاں سے نکلی ہے وہیں واپس لوٹا کے آؤ۔'' ان کے حکم سے وہ صحابی جاتے ہیں۔ اپنی چادر کو چھانٹا بنا لیتے ہیں اور اس سے آگ کو مارتے ہیں۔ جس پہاڑ سے آگ نکلی تھی وہیں واپس چلی گئی۔ جب مقامِ تسخیر مل جاتا ہے تو پھر آگ بھی حکم مانتی ہے۔ (البدایہ والنہایہ : ۱۵۳۶)

......حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زمین میں زلزلہ آتا ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ جب زمین میں زلزلہ آنے لگا تو حضرت عمرؓ نے اپنا پاؤں زور سے زمین پر مارا اور فرمایا: ''اے زمین! تو کیوں ہلتی ہے، کیا عمر نے تیرے اوپر عدل قائم نہیں کیا؟ زمین کا زلزلہ وہیں رک جاتا ہے۔ زمین بھی ان کا حکم مان رہی ہے۔

......حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں کھڑے ہیں۔ خطبہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

یَاسَارِیَۃُ! اَلْجَبَلَ

ایک صحابی ساریہ رضی اللہ عنہ ہیں جہاد کر رہے تھے اور دشمن پہاڑ کے پیچھے سے حملہ کرنا چاہتا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے تو حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سینکڑوں میل دور میں نے وہ الفاظ سنے۔ ہوا نے بھی حکم مانا۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۴۷/۷)

......دریائے نیل کا پانی بند تھا۔ مسلمانوں کے امیرِ لشکر نے خط لکھا کہ یہاں تو کسی نوجوان لڑکی کو پانی میں ڈالنا پڑتا ہے، تب پانی چلتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لیٹر (خط) لکھا: ''اے دریا! اگر تو اپنی مرضی سے چلتا ہے تو مت چل، اور اگر اللہ کی مرضی سے چلتا ہے تو امیر المومنین، اللہ واحد القہار سے ہی درخواست کرتا ہے کہ تجھے چلائے''۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۹/۱) دریائے نیل کا پانی آج بھی چل رہا ہے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عظمتوں کے پھریرے لہرا رہا

ہے۔تو مومن کو یہ مقام تسخیر اس لیے ملتا ہے کہ یہ خدا کی بات مانتا ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوق کو اس کا مطیع اور فرمانبردار بنا دیتا ہے۔

✪......افریقہ کے جنگل میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو رات ہو گئی تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے درخت پر چڑھ کر اعلان کیا: ''اے جنگل کے جانورو! آج یہاں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کا بسیرا ہے، جنگل خالی کر دو۔''

یہ اعلان سن کر شیر بھی جا رہا ہے، ہاتھی بھی جا رہا ہے، چیتا بھی جا رہا ہے۔لوگ حیران ہو کر پوچھنے لگے: آپ کو یہ بات کس نے سکھائی؟ انہوں نے کہا: ہمیں یہ بات ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھائی۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے: اچھا! پھر ہمیں بھی تم اپنے جیسا بنا لو۔ چنانچہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں۔جنگل کے جانور بھی بات مانتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ: ۳۹۸، تاریخ الاسلام للذہبی: ۲۱۴)

آج ہم خدا کی نہیں مانتے۔اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ ہماری بات...... اپنے بیٹے نہیں مانتے...... بیٹیاں نہیں مانتیں...... بیوی نہیں مانتی...... بھائی نہیں مانتا...... بہن نہیں مانتی، جب ہم خدا کی نافرمانی کرتے رہیں تو اللہ تعالیٰ ہمارے ماتحتوں کو ہمارا نافرمان بنا دیتے ہیں۔ایک بزرگ فرماتے ہیں:

''اللہ کے حکم ماننے میں جب بھی مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی، میں نے دیکھا کہ میرے ماتحتوں نے میرا حکم ماننے میں کوتاہی کی۔''

(قوت القلوب: ۱/ ۳۱۴)

کیوں شکوہ کرتے ہیں کہ اولاد نیک نہیں بنی؟ اپنی زندگی ہی ایسی ہوتی ہے۔اگر ہم اللہ کے در کو مضبوطی سے پکڑ لیں گے اور سو فیصد اللہ کے فرمانبردار بن جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو ہمارا فرمانبردار بنا دیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بدر میں بھی اللہ کی مدد اتری۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ (آل عمران: ۱۲۳)

حنین کے دن بھی اللہ کی مدد آئی۔ فرمایا:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ﴾

(التوبۃ: ۲۵)

ان واقعات کو پڑھنے سے انسان کا ایمان مضبوط ہو جاتا ہے۔

④......ایمان کے مضامین پر مشتمل احادیث کا مطالعہ:

ایمان سیکھنے کا چوتھا ذریعہ ان احادیث کا پڑھنا ہے جن میں نبی علیہ السلام نے ایمان کا مضمون بیان فرمایا ہے۔ ان احادیث سے بھی انسان کا ایمان بڑھتا ہے۔ چنانچہ ایمان سے متعلق چند احادیث سن لیجیے۔ امید ہے کہ آپ حضرات مضمون کی اہمیت ذہن میں رکھتے ہوئے توجہ سے بیٹھیں گے۔

◉......جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ فِتْيَانٌ حَزَاوِرَةٌ فَتَعَلَّمْنَا الْإِيْمَانَ قَبْلَ اَنْ نَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ، ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ فَازْدَدْنَا بِهٖ إِيْمَانًا

’’ہم نبی علیہ السلام کی صحبت میں بیٹھتے تھے اور ہم قریب البلوغ لڑکے تھے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن سے پہلے ہمیں ایمان سکھایا، پھر ہمیں قرآن سکھایا، جس سے ہمارا ایمان بڑھ جاتا تھا۔‘‘

(ابن ماجہ، حدیث: ۶۰)

⊙......مومن کون ہوتا ہے؟ اس سلسلے میں نبی علیہ السلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

سَاُخْبِرُکُمْ مَّنِ الْمُسْلِمُ ، مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ یَدِهٖ ، وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ، وَ الْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَایَا وَالذُّنُوْبَ . وَ الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ (مسند البزار:۹/۲۰۶،مجمع الزوائد:۳/۵۸۹)

''میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مسلمان کون ہوتا ہے، مسلمان وہ ہوتا ہے جس کے قول اور فعل سے دوسرے مسلمان سلامتی میں ہوں۔ (ان کی جانیں، ان کے مال، ان کی عزت آبرو سلامتی میں ہو) اور مومن وہ ہوتا ہے جس سے لوگوں کے اموال اور ان کی جانیں امن میں ہوں۔ اور مہاجر وہ ہوتا ہے جو خطاؤں اور گناہوں سے ہجرت کر جائے۔ اور مجاہد وہ ہوتا ہے جو اللہ کی اطاعت کے معاملے میں نفس کے خلاف مجاہدہ کرے۔''

⊙......ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ وَالْیَقِیْنُ الْاِیْمَانُ کُلُّهٗ

(شعب الایمان، حدیث:۹۷۱۷)

''صبر آدھا ایمان ہے اور یقین پورا ایمان ہے۔''

⊙......ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّ سِتُّوْنَ شُعْبَةً وَّالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ

(بخاری، حدیث: ۸)

''ایمان کے ستر سے زیادہ حصے ہیں اور حیا ایمان کا ایک حصہ ہے''

⊙......عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْحَیَاءَ وَالْاِیْمَانَ قُرِنَا جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ

''حیا اور ایمان، دونوں ساتھی ہیں، ایک رخصت ہو جاتا ہے تو دوسرا بھی رخصت ہو جاتا ہے۔'' (الادب المفرد، حدیث: ۱۳۱۳)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس بندے سے حیا رخصت ہوگئی اس سے ایمان بھی رخصت ہو گیا۔ اس لیے کہ مومن بے حیا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ دینِ اسلام حیا کا علمبردار ہے اور کفر بے حیائی کا علمبردار ہے۔ یہی تو بنیادی فرق ہے۔ اب اس کو تہذیبوں کا ٹکراؤ کہیں یا جو مرضی کہیں، ہم حیا کے امین ہیں اور کفر بے حیائی کا پرچار کرتا ہے۔

⊙......ایک اور روایت میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْاِیْمَانُ فِی الْجَنَّةِ

(ابوداود، حدیث: ۴۱۷۴)

''حیا ایمان میں سے ہے اور ایمان بندے کو جنت میں لے جائے گا۔''

⊙......عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((مَرَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَهُوَ یَعِظُ اَخَاهُ فِی الْحَیَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: دَعْهُ فَاِنَّ الْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ))

''نبی علیہ السلام انصار کے ایک آدمی کے پاس سے گزرے، وہ اپنے بھائی کو حیا کی نصیحت کر رہا تھا۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اس کو چھوڑ دو، حیا تو ایمان میں سے ہے۔'' (بخاری، حدیث: ۲۴)

حیا کے بغیر تو کوئی بندہ مومن ہی نہیں ہوسکتا۔

⊙......حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ثَلَاثٌ مَّنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ مَنْ كَانَ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَ مَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ، وَ مَنْ يَّكْرَهُ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْقَذَهُ اللهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ (بخاری، حدیث:۲۱)

''جس شخص میں تین صفتیں پائی جاتی ہوں وہ ایمان کی حلاوت پائے گا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو دنیا کی باقی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں۔ اور اگر وہ کسی بندے سے محبت کرے تو وہ اللہ ہی کے لیے محبت کرے۔ اور وہ بندہ کفر کی طرف لوٹنا ایسے ہی محسوس کرے جیسے کہ آگ کے اندر ڈالا جانا اس کو محسوس ہوتا ہے۔''

⊙......حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((ذَاقَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا (مسلم: ج۱ص۶۲، حدیث:۳۴)

''اس بندے نے ایمان کی لذت کو چکھ لیا جو اس بات پر راضی ہو گیا کہ اللہ میرا رب ہے، اور اسلام میرا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے رسول ہیں۔''

⊙......ایک اور روایت میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ثَلَاثٌ مَّنْ جَمَعَهُنَّ فَقَدْ جَمَعَ الْاِيْمَانَ: اَلْاِنْصَافُ مِنْ نَّفْسِكَ، وَ بَذْلُ السَّلَامِ لِلْعَالَمِ، وَالْاِنْفَاقُ مِنَ الْاِقْتَارِ))

''جس بندے میں تین صفات جمع ہو جائیں، اس میں ایمان جمع ہو جاتا ہے: انصاف کرے اپنے جی سے (یعنی وہ ہرایک کے ساتھ اپنے من میں انصاف کرے) پورے جہان میں سلام کو پھیلائے اور قحط کے وقت میں اللہ کے راستے میں خرچ کرے۔'' (بخاری، باب افشاء السلام من الاسلام)

⊙......ایک اور حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے اس بات کو اور کھولا:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ (ابوداود، حدیث: ۴۰۶۱)

''جو محبت کرے اللہ کے لیے، بغض رکھے اللہ کے لیے، جو دے اللہ کے لیے اور نہ دے اللہ کے لیے، اس بندے نے اپنے ایمان کو مکمل کرلیا۔''

یعنی ہر کام ہی اللہ کے لیے کرے۔ حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شاگرد بہت بدتمیزی کر رہا تھا۔ حضرت نے اس کو بہت سمجھایا۔ بالآخر حضرتؒ نے سوچا کہ آج ذرا اس کی پٹائی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کو لگانے کے لیے جوتا اٹھایا۔ وہ کہنے لگا: حضرت! مجھے اللہ کے لیے معاف کردیں۔ فرمانے لگے: اللہ کے لیے ہی تو تجھے مار رہا ہوں۔ ہمارے بزرگوں کا ایسا ایمان ہوتا تھا کہ وہ ہر کام اللہ کے لیے کرتے تھے۔

⊙......ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ (ترمذی، حدیث: ۱۱۶۲ باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجھا)

''ایمان والوں میں سے سب سے کامل ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لیے

بہتر ہو۔‘‘

بھئی! دوستی میں اچھا بن کے رہنا، اس کو کسی نے نہیں پوچھنا۔ سب سے پہلے یہ چیز پوچھیں گے کہ گھر میں بیویوں کے ساتھ سلوک کیسا تھا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی سفارش کی ہوئی ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:۱۹)

’’اور ان کے ساتھ بھلے انداز میں زندگی بسر کرو۔‘‘

دستور بھی یہی ہے کہ بندے نے جس کام کی سفارش کی ہوئی ہو، سب سے پہلے وہ اسی کے بارے میں پوچھتا ہے۔ اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے دن انسان کی نیکیوں میں سے نماز سب سے پہلا عمل ہے، جو نامۂ اعمال میں رکھا جائے گا، نماز کے بعد حقوق العباد میں سے بیوی اور بچوں کے نان ونفقہ کو رکھا جائے گا۔ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ بیوی کے ساتھ کیسا تھا۔ آج باہر تو بہار ہوتی ہے اور گھر کے اندر بندے کا موڈ بنا ہوتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ کہتے ہیں: حضرت! پتہ نہیں کیا وجہ ہے کہ گھر میں رہتے ہیں تو دماغ گرم رہتا ہے؟ وہ اصل میں شیطان ہوتا ہے جو دماغ کو گرم کر دیتا ہے۔ اس شیطان کو پتہ ہوتا ہے کہ اگر اس نے گھر میں بیوی کو مسکرا کے دیکھا اور آگے سے بیوی نے بھی مسکرا کے دیکھ لیا تو اللہ دونوں کو مسکرا کر دیکھیں گے۔ وہ ایسی نوبت ہی نہیں آنے دیتا۔ اس لیے ان کا موڈ بنا رہتا ہے۔

⊙...... ابو درداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مَا شَيْءٌ أَثْقَلُ فِي مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيْءَ

(ترمذی، حدیث:۲۰۰۲ باب ماجاء فی حسن الخلق)

''قیامت کے دن بندے کی نیکیوں کے پلڑے میں سب سے زیادہ بھاری عمل اس کی خوش خلقی ہوگی اور اللہ تعالی بے حیائی والی بات کو ناپسند کرتے ہیں۔''

⊙......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ

(مسلم، حدیث: ۱۴۶۹ باب الوصیۃ بالنساء)

''مومن کو نہیں چاہیے کہ مومنہ سے بغض رکھے (یعنی خاوند کو نہیں چاہیے کہ وہ بیوی سے بغض رکھے) اگر اس کی کوئی بات اس کو ناپسند ہے تو (غور کرے کہ) اس میں کتنی باتیں ایسی ہوں گی جن کو یہ پسند کرتا ہوگا۔''

سبحان اللہ! مرشد اعظم معلم اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ طبیب تھے اس لیے بہت ہی پیاری بات بتائی۔ دیکھو! ازدواجی زندگی گزارنے کے لیے کتنی مزے کی بات بتائی۔ اس حدیث پاک کو سامنے رکھ کر غور کریں کہ اگر بیوی بھی یونہی دیکھے تو دس باتیں اچھی ہوں گی تو پچاس باتیں الٹی بھی تو ہوں گی۔ گویا نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تم ان کو فرشتوں کے معیار پر نہ تولو، بلکہ انسانوں کے معیار پر تولو۔ ہر بندے میں اللہ نے اچھائیاں بھی رکھی ہیں اور برائیاں بھی رکھی ہیں۔ اگر اچھائیاں اچھی لگتی ہیں تو پھر برائیوں کو بھی اللہ کے لیے برداشت کرلیا کرو۔ کوئی انسان فرشتہ نہیں بن سکتا کہ اس میں سب اچھائیاں ہوں۔ کمزوریاں ہر بندے کے اندر ہوتی ہیں۔ اب اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کا مزاج سخت بنا دیا ہے تو وہ جتنا بھی نرم ہو جائے اس میں سختی تو پھر بھی نظر آئے گی۔ اور جس کو نرم بنا دیا، وہ کتنا ہی سخت بن جائے، اس کے اندر پھر بھی نرمی ہوگی۔ یہ انسان کی فطرت ہے۔

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ (الروم: ۳۰)

مگر ہم نے دیکھا یہ ہے کہ جو عورتیں طبیعت کی ذرا سخت ہوتی ہیں (گو ان میں سختی والی کمی ہوتی ہے) مگر دوسری طرف وہی عورتیں پاک دامن بھی ہوتی ہیں۔عزت کی حفاظت بھی وہی کرسکتی ہیں۔تو دیکھیں! اس کمی کی وجہ سے اس کے اندر خوبی بھی ہے۔اگر طبیعت میں سختی نہ ہوتی تو پتہ نہیں وہ اپنی عزت کی حفاظت بھی نہ کرسکتی۔ پتہ چلا کہ اس سختی کا کہیں نہ کہیں تو اچھا اثر بھی پڑتا ہے۔

اگر طبیعت کے اندر لیڈرشپ ہوتو پھر ادارے بھی وہی چلا سکتے ہیں، دوسرا بندہ تو نہیں چلا سکتا۔کوئی اور بیوی ہوتی تو وہ مدرسے کی چپڑاسن بننے کے قابل ہوتی۔آج اللہ نے ایسی بیوی دی جو مدرسے کی پرنسپل بنی ہوئی ہے۔تو بھئی! اگر وہ پرنسپل بنی ہوئی ہے تو پھر اس کی طبیعت میں کچھ چیزیں تو ایسی بھی ہوں گی جن کے ساتھ آپ کو کمپرومائز (مفاہمت) کرنا ہوگا۔

بیویوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے خاوندوں کے بارے میں یہی سوچیں۔

⊙......نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى

''تو دیکھے گا ایمان والوں کو اپنے رحم کے معاملے میں، محبت کے معاملے میں اور نرمی کے معاملے میں، ایک جسم کے مانند ہوں گے۔اگر ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو تمام جسم درد بھی محسوس کرتا ہے اور رات بھی جاگتا ہے۔'' (بخاری، حدیث:۶۰۱۱ باب رحمۃ الناس والبہائم)

کیا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پاؤں پہ چوٹ لگی ہو اور آنکھیں کہیں کہ یہ میرا پرابلم نہیں ہے، یہ پاؤں کا پرابلم ہے، میں سو رہی ہوں؟ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ایک عضو

کی تکلیف پورے جسم کی تکلیف ہے اور ایک عضو کی راحت پورے جسم کی راحت ہے۔ ایمان والوں کی بھی یہی مثال ہے کہ ایک کا غم سب ایمان والوں کا غم ہوتا ہے اور ایک کی خوشی سب ایمان والوں کی خوشی ہوتی ہے۔

⊙......اسی سلسلے میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((اِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا))

(بخاری، حدیث: ۴۸۱ باب تشبیک الاصابع فی المسجد)

''ایک مومن اور دوسرے مومن کی مثال دیوار کی طرح ہے، ایک سے دوسرے کو مضبوطی ہوتی ہے۔''

جیسے اینٹیں آپس میں جڑتی ہیں تو ایک مضبوط دیوار بن جاتی ہے، اسی طرح جب ایمان والے دوسرے ایمان والوں کے ساتھ اکٹھے ہوتے ہیں تو وہ مضبوط دیوار بن جاتے ہیں۔

⊙......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ))

(بخاری، حدیث: ۶۴۷۵ باب حفظ اللسان)

''جو اللہ پر اور قیامت کے دن اللہ کے ساتھ ملنے پر یقین رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ بولے تو اچھا بولے، ورنہ چپ رہے۔ جو اللہ پر اور قیامت کے دن اللہ کی ملاقات پر یقین رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ جو اللہ پر اور قیامت کے دن اللہ کی ملاقات پر یقین رکھتا ہے

اس کو چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔''

⊙......ایک اور روایت میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا ، اَوَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْہُ تَحَابَبْتُمْ ؟ اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ (ابن ماجہ، حدیث:٦٨ باب فی الایمان)

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ایمان والے نہیں ہو گے اور تم ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم آپس میں محبت کرنے والے نہیں ہو جاتے، اور کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اس کرو تو تم آپس میں محبت کرنے لگ جاؤ؟ تم آپس میں سلام کو پھیلایا کرو۔''

اللہ کے نبی ﷺ نے قسم کھا کر یہ بات ارشاد فرمائی۔ اندازہ کیجیے کہ اس زبان سے جس سے ہمیں قرآن ملا، اللہ کے محبوب ﷺ قسم کھا کر یہ ارشاد فرما رہے ہیں۔ یعنی مومن رف اینڈ ٹف نہیں ہوتا، بلکہ اس کے اندر محبت کرنے والا دل ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی رضا کی خاطر ہر ایک سے محبت کرتا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی آنکھیں ہر وقت دوسروں کے چہروں پر پڑتی ہیں اور ان کے اندر عیب ڈھونڈ رہی ہوتی ہیں کہ...... یہ بھی برا ہے، یہ بھی برا، یہ بھی برا...... اس سے بھی نفرت، اس سے بھی نفرت...... جس کے دل میں نفرتیں ہوتی ہیں اس کے دل سے تو ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔

⊙......ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کا فرمان نقل کرتے ہیں:

((مَا يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ وَّصَبٍ وَّلَا نَصَبٍ وَّلَا سَقَمٍ وَّلَا حَزَنٍ حَتَّى الْهَمِّ يَهُمُّهُ إِلَّا كُفِّرَ بِهِ مِنْ سَيِّئَاتِهِ))

(مسلم، حدیث: ۶۵۷۳ باب ثواب المومن فیما یصیبہ من مرض)

''مومن کی زندگی میں جو بیماری آتی ہے، رنج آتا ہے، تکلیف آتی ہے اور تھکاوٹ ہوتی ہے، ہر چیز کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں۔''

⊙...... نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَ مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))

(بخاری، حدیث: ۲۰۱۴ باب فضل لیلۃ القدر)

''جس نے روزے رکھے ایمان اور احتساب کے ساتھ، اس کے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور جس نے لیلۃ القدر میں قیام کیا (اللہ کی عبادت کے لیے) ایمان اور احتساب کے ساتھ، تو اس کے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

⊙......حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

عَجَبًا لِّأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ وَ لَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ، وَ إِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ (مسلم، حدیث: ۲۹۹۹ باب المومن امرہ کلہ خیر)

''مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے سارے معاملے خیر ہی کے ہوتے ہیں۔ جب اس کو خوشی پہنچتی ہے اور اس پر وہ شکر ادا کرتا ہے تو اس

کو اس پر اجر مل جاتا ہے اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ اس پر صبر کر لے تو اس پر بھی اس کو اجر مل جاتا ہے۔''

خوشی پر بھی اجر اور تکلیف پر بھی اجر۔

⊙......حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((ثَلَاثَةٌ لَّهُمْ اَجْرَانِ: رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهٖ وَ آمَنَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ وَ الْعَبْدُ الْمَمْلُوْكُ اِذَا اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ وَ حَقَّ مَوَالِيْهِ، وَ رَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهٗ اَمَةٌ فَاَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ تَأْدِيْبَهَا وَ عَلَّمَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِيْمَهَا ثُمَّ اَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهٗ اَجْرَانِ))

(بخاری، حدیث: ۹۷ باب تعلیم الرجل اَمتہ)

''تین طرح کے بندوں کو ڈبل اجر ملے گا: ایک وہ بندہ جو اہل کتاب میں سے تھا اور وہ پہلے نبی پر ایمان لایا تھا۔ پھر وہ نبی علیہ السلام پر ایمان لایا (تو اس کو ڈبل اجر ملا)، دوسرا غلام ہے، وہ اپنے مالک کا بھی حق ادا کرتا ہے اور مالک الملک کا بھی حق ادا کرتا ہے، (اس کو ڈبل اجر ملے گا) اور وہ جس کی بیٹی تھی، جس کو اس نے اچھی طرح ادب سکھایا، اچھی تعلیم دی، پھر اس نے اس کا نکاح کر دیا، اس کو بھی ڈبل اجر ملے گا۔''

یہ سب وہ باتیں ہیں جن سے ایمان مکمل ہوتا ہے، ایمان کی لذت ملتی ہے اور ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے۔

اب کچھ باتیں ایمان کے منافی بھی سنیے!

⊙......عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيْءِ))

(ترمذی، حدیث: ۱۹۷۷ باب ماجاء فی اللعنۃ)

''مومن طعنے دینے والا نہیں ہوتا، لعنت کرنے والا نہیں ہوتا، فحش کلامی کرنے والا نہیں ہوتا، اور بیہودہ گوئی کرنے والا نہیں ہوتا۔''

اب اس حدیث پاک کو سامنے رکھیں اور اپنے غصے کے ان اوقات کو یاد کریں جب بیوی یا بچوں پر غصہ ہوتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟ کیا کیا الفاظ نکل رہے ہوتے ہیں؟ بعض لوگوں کی گھروں سے یہ شکایت آئی ہے کہ یہ بندہ...... نماز پڑھنے والا ہے...... تہجد پڑھنے والا ہے...... ذکر واذکار کرنے والا ہے...... عالم بن گیا ہے، لیکن جب یہ غصے میں آتا ہے تو یہ ماں باپ کی ننگی گالیاں دیتا ہے۔ اس وقت اس میں اور عام فاسق و فاجر میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ تو پھر سوچیے کہ ایمان کہاں گیا!؟

⊙...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لَا يَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

(بخاری، حدیث: ۵۵۷۸ کتاب الاشربۃ)

''زنا کرنے والا مؤمن ہونے کی حالت میں زنا نہیں کرتا، اور شراب پینے والا مومن ہونے کی حالت میں شراب نہیں پیتا اور چوری کرنے ولا مومن ہونے کی حالت میں چوری نہیں کرتا''

⊙...... حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (بخاری، حدیث: ۱۵ باب حب الرسول من الایمان)

''کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے ماں باپ سے، اس کی اولاد سے اور ساری دنیا کے انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

◉ ...... نبی علیہ السلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ))

(بخاری، حدیث: ۱۳ باب من الایمان ان یحب لاخیہ مایحب لنفسہ)

''تم میں سے کوئی بندہ کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

ہم پسند کرتے ہیں کہ اگر ہم سے کوئی غلطی ہو جائے تو لوگ ہمیں معاف کر دیں، ہم اپنے بھائی کو بھی معاف کر دیا کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہمارے عیبوں پر پردہ ڈالیں، ہم بھی پردہ ڈالا کریں۔ لوگ ہمارے ساتھ احترام سے پیش آئیں، ہم بھی احترام سے پیش آئیں۔ جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کریں۔

◉ ...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَیْنِ (بخاری، حدیث: ۶۱۳۳)

''مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا۔''

◉ ...... نبی علیہ السلام کا ایک فرمان سن کر دل خوش ہوتا ہے۔ فرمایا:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِ مَثَلُ النَّحْلَةِ لَا تَأْکُلُ اِلَّا طَیِّبًا وَّلَا تَضَعُ اِلَّا طَیِّبًا

''مومن کی مثال شہد کی مکھی کے مانند ہے، وہ پاکیزہ چیز کھاتی ہے اور پاکیزہ چیز بناتی ہے'' (المعجم الاوسط، حدیث: ۷۲۶۳ صحیح ابن حبان، حدیث: ۲۴۷)

اب تک تو تھیوری پڑھائی اور اب ذرا پریکٹیکل بھی بتا دیا، تاکہ تصور واضح ہو جائے کہ مومن کون ہوتا ہے۔ مومن کا بھی شہد کی مکھی جیسا معاملہ ہے۔ وہ رزق حلال کھاتا ہے اور اچھے اعمال کرتا ہے۔ اب ہم سوچیں کہ کیا ہم شہد کی مکھی کے مانند ہیں یا گندی مکھی کے مانند ہیں؟ گندی مکھی سارے خوبصورت گھر کو چھوڑ کر گندگی اور نجاست کی طرف جاتی ہے۔ اتنے خوب صورت بدن کو چھوڑ کر وہاں بیٹھے گی جہاں زخم اور پیپ ہوگی۔ یہ عام مکھی ہوتی ہے۔ اس کی سوچ بھی گندی ہوتی ہے اور گند ہی کی تلاش ہوتی ہے۔ اس لیے گندے مقامات پر پائی جاتی ہے ۔اسی طرح جو شخص فاجر ہوتا ہے اس کی سوچ گندی ہوتی ہے اور وہ گندے مقامات پر پایا جاتا ہے، کلبوں میں پایا جاتا ہے، سینموں اور تھیٹر میں پایا جاتا ہے، گناہوں کی جگہ پر پایا جاتا ہے۔ مومن شہد کی مکھی کے مانند ہوتا ہے اور شہد کی مکھی...... باغوں میں پائی جاتی ہے، پھولوں پر پائی جاتی ہے، پھلوں پر پائی جاتی ہے۔ وہ ایسی جگہوں سے اپنی خوراک لیتی ہے اور پھر خوشبودار اور لذیذ شہد بناتی ہے۔ Honey (شہد) اتنا پیارا کہ آج محبت کا اظہار کرنے کے لیے کہتے ہیں:

Honey! How are you?

ہنی! تمہارا کیا حال ہے؟

شہد اتنا تو مزے کا ہوتا ہے کہ اس کی مثال دینی پڑتی ہے۔ مومن کا بھی یہی معاملہ ہوتا ہے۔ اس کو بھی مثالی شخصیت بن کر رہنا چاہیے۔

⊙......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ثَلَاثٌ إِذَا خَرَجْنَ (لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا) : طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا،

وَالدَّجَّالُ،وَدَآبَّةُ الْاَرْضِ

(مسلم، حدیث: ۱۵۸ باب الزمن الذی لایقبل فیہ الایمان)

''تین علامات (علاماتِ قیامت) ظاہر ہونے کے بعد ایمان فائدہ نہیں دے گا...... جب مغرب کی طرف سے سورج طلوع ہوگا، جب دجال آئے گا اور جب دابۃ الارض نکل آئے گا۔''

ان سے پہلے پہلے جو ایمان لائے گا اس کا ایمان قبول کیا جائے گا۔

اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے ایمان کے بارے میں فکرمند رہتے تھے اور دعائیں مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دعا مانگتے تھے:

اَللّٰهُمَّ زِدْنَا اِيْمَانًا وَّيَقِيْنًا وَّفِقْهًا

(عمدۃ القاری: ۳۰۸۱، فتح الباری لابن حجر: ۴۸۱)

''اے اللہ! ہمارے ایمان، ہمارے یقین اور تفقہ میں اضافہ فرما۔''

وہ صحابی رسول رضی اللہ عنہ ہو کر بھی یہ دعا مانگتے تھے۔ اس لیے ہمیں بھی یہ دعا مانگنی چاہیے۔

ان احادیث کو سننے سے آپ کے سامنے مومن کا ایک خاکہ واضح ہو گیا کہ ایک مومن کی پرسنلٹی (شخصیت) کیسی ہونی چاہیے؟

......وہ محبت کرنے والا ہوگا

......وہ خیرخواہی کرنے والا ہوگا

......وہ اچھی سوچ رکھنے والا ہوگا

......وہ رحیم وکریم ہوگا

اور جو بندہ

......گالیاں دینے والا ہوگا

......لعنتیں بھیجنے والا ہوگا

......عیب جوئی کرنے والا ہوگا

......نفرتیں کرنے والا ہوگا

وہ تو پھر ایمان سے خالی ہو جائے گا۔ ہمیں ان اچھے اعمال کو کرنا چاہیے اور برے اعمال سے بچنا چاہیے۔ آج دل میں یہی نیت کرلیں کہ ہم

......اپنے گھر والوں کے ساتھ بہترین انسان

......بچوں کے لیے بہترین باپ

......ماں باپ کے لیے بہترین اولاد

......استاد کے لیے بہترین شاگرد

......رشتہ دار کے لیے بہترین رشتہ دار

......ہمسائے کے لیے بہترین ہمسایہ

بن کر زندگی گزاریں گے۔ آج یہ نیت کریں اور پھر دیکھیں کہ اللہ رب العزت کیسے مدد فرماتے ہیں!

ہر لائن میں اعمالِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی جھلک:

یاد رکھیں! جب درخت کی جڑ اچھی ہوتی ہے تو پھر اس درخت کے پھل پھول بھی اچھے ہوتے ہیں۔ اسی طرح جس بندے کا ایمان مضبوط ہوتا ہے، اس بندے کے اعمال بڑے اچھے ہوتے ہیں۔ پھر اس کے ہر ہر عمل میں نبوی جھلک نظر آ رہی ہوتی ہے۔

......اس کے مسکرانے میں نبوی جھلک

......اس کی چال ڈھال میں نبوی جھلک

......اس کے کردار اور گفتار میں نبوی جھلک

......اس کی معاشرت میں نبوی جھلک

......اس کے معاملات میں نبوی جھلک

غرض اس کے ہر کام میں نبی علیہ السلام کے اخلاق کی جھلک نظر آ رہی ہوتی ہے۔

ایمان کو خراب کرنے والی باتیں:

یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ اعمال کرنے والے کتنے ہیں، دیکھنا یہ چاہیے کہ یقین والے کتنے ہیں۔ اعمال تو لوگ بے یقینی کے ساتھ بھی کرتے ہیں۔ اس کی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں:

☆...... کہتے ہیں: جی! آج کل تو کیا کریں؟ سود کے بغیر گزارہ ہی نہیں۔ ہیں بھی کلمہ پڑھنے والے۔ تو بتائیں! کدھر گیا ایمان؟

☆...... بے پردہ پھرنے والی عورتیں کہتی ہیں: جی! کیا کریں؟ آج کل تو پردے کے ساتھ زندگی گزر رہی نہیں سکتی۔

یہ باتیں ایمان کو خراب کرتی ہیں۔

ایمان کی سلامتی کی فکر:

یہ بھی ذہن میں رکھیں! کہ جتنا ایمان بڑھے گا، اتنا ہی ایمان کی فکر بڑھتی جائے گی۔ یعنی نفاق کا ڈر بڑھتا جائے گا کہ کہیں یہ پیالہ چھلک نہ جائے۔ اللہ کے وہ بندے جن کے دل میں احد پہاڑ کے برابر ایمان ہے وہ آج اتنے خائف اور ترساں ہیں کہ جیسے انہیں ہر لمحے اپنے مرتد ہونے کا خوف ہوتا ہے اور وہ جن کے دلوں میں ذرہ برابر ایمان ہوتا ہے وہ اس بات پر مست ہیں کہ ہم تو ایمان کے

ساتھ دنیا سے جائیں گے۔

یہ ایمان کا کمال ہی تو تھا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو فکر لگ گئی۔کیا کہا؟ کہا:
نَافَقَ حَنْظَلَةُ ''حنظلہ منافق ہوگیا۔'' (مسلم،حدیث:۲۷۵۰ باب دوام الذکر)

ایک مرتبہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ رو رہے تھے۔ایک دوست نے پوچھا: حضرت! کیا آپ سے کوئی گناہ ہوگیا ہے؟ ان کے سامنے گندم کا دانہ پڑا تھا۔انہوں نے وہ دانہ اٹھا کر اس کو دکھایا اور فرمایا: دیکھو! جتنا یہ گندم کا دانہ ہے، میں نے اپنے ارادے سے اپنے اللہ کی اتنی بھی نافرمانی نہیں کی۔اس نے پوچھا: پھر آپ روتے کیوں ہیں؟ کہنے لگے: رو اس بات پر رہا ہوں کہ اللہ نے یہ ایمان والی جو نعمت دی ہے، پتہ نہیں یہ موت تک محفوظ رہے گی یا نہیں رہے گی۔

(تذکرۃ الاولیاء: ص ۲۴۳)

سچے رب کے سچے وعدے......مگر کس کے لیے؟

یہ بات لکھ لیں کہ جو بندہ اللہ کے وعدوں پر یقین کرے گا وہ اپنی زندگی میں اللہ کے ان وعدوں کو پورا ہوتے ہوئے دیکھے گا۔اب جو شک کرتا ہے وہ محروم رہے گا، مثال کے طور پر:

- ......حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا مشہور واقعہ ہے۔بچے کو اللہ کے حکم پر پانی میں ڈالا۔اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دی کہ ہم اس کو واپس لوٹائیں گے۔ان کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بیٹے کو واپس لوٹا دیا۔اللہ کا وعدہ پورا ہوگیا۔
- ......نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قریشِ مکہ، مکہ مکرمہ میں رہنے نہیں دیتے تھے۔نبی علیہ

السلام غلافِ کعبہ کو پکڑ کر روتے ہیں اور دعا مانگتے ہیں: دل جدا ہونے کو نہیں چاہتا۔ لوگ رہنے نہیں دیتے اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جدا نہیں ہونا چاہتے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ آیت نازل فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ﴾
(القصص:۸۵)

''بے شک جس نے آپ پر قرآن اتارا وہ آپ کو آپ کے ٹھکانے پر واپس لوٹائے گا۔''

لوگوں نے وہ وقت بھی دیکھا جب اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری پر سوار ہیں، فاتح بن کر مکہ میں داخل ہو رہے ہیں اور فرما رہے ہیں:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ

(مسند احمد، حدیث: ۱۴۸۴۳)

جو اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کرتا ہے، وہ اپنی زندگی میں ان وعدوں کو پورا ہوتے ہوئے ضرور دیکھتا ہے۔ یہ کسی بندے کا وعدہ تھوڑا ہے!...... بے وفا کہیں کے!......موقع پرست قسم کے!......نہیں! بلکہ یہ خدا کے وعدے ہیں۔ اس لیے اللہ کے وعدوں پر بندے کا ٹھوس یقین ہونا چاہیے۔

ایمان بنانے کی جگہ:

جب انسان دنیا میں آتا ہے تو اس کو سب سے پہلی نصیحت بھی ایمان کی کی جاتی ہے اور سب سے آخری وصیت بھی ایمان کی کی جاتی ہے۔ وہ کیسے؟ بچہ پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلا کام یہ کرتے ہیں کہ کان میں اذان دیتے ہیں۔ تو یہ اذان دینا کس کی طرف دعوت دینا ہے؟ ایمان کی دعوت ہے۔ اللہ کی عظمت اور بڑائی

کی دعوت ہے۔اور جب دنیا سے جانے لگتا ہے تو اس وقت کے لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (مسلم،حدیث:۹۱۶باب تلقین الموتی لاالہ الااللہ)

''تم اپنے مرنے والوں کو کلمے کی تلقین کرو۔''

تو آخری وصیت کون سی ہوئی؟ایمان کی۔جب آیا تھا تب بھی ایمان کی نصیحت اور جب جارہا ہے تو بھی ایمان کی تلقین۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ دنیا ایمان بنانے کی جگہ ہے۔ہم سارے یہاں ایمان بنانے کے لیے آئے ہیں۔اور اگر ایمان بن گیا تو بندہ کامیاب ہوگیا۔

اللہ کے وعدوں پر یقین رکھیے!

ہم اسباب پر یقین رکھنے کے بجائے مسبب الاسباب کے وعدوں پر یقین رکھیں۔ہم امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہیں اور پہلے تمام انبیا کو حق مانتے ہیں۔اب ہمارا حق یہ بنتا ہے کہ ہم

......حضرت شعیب علیہ السلام کو سچا ماننے کی وجہ سے تجارت سے کچھ نہ ہونے کا یقین

......حضرت نوح علیہ السلام کو سچا ماننے کی وجہ سے اکثریت سے کچھ نہ ہونے کا یقین

......حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان رکھنے کی وجہ سے بلڈنگز اور عمارات سے کچھ نہ ہونے کا یقین۔

......حضرت یوسف علیہ السلام پر ایمان رکھنے کی وجہ سے وزارت سے کچھ نہ ہونے کا یقین۔

......حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنے کی وجہ سے فرعون بادشاہوں سے کچھ نہ

ہونے کا یقین۔

اپنے دلوں میں پیدا کریں۔ہم اسباب کی نفی اس طرح سے کریں جس طرح انسان بتوں کی نفی کیا کرتا ہے۔ پتھر کے بتوں کی نفی آسان ہے کہ جی! یہ نفع ونقصان نہیں دے سکتے۔آج تو

......دفتر سے پلنے کا یقین ہے۔

......کاروبار سے پلنے کا یقین ہے۔

......تجارت سے پلنے کا یقین ہے۔

......زراعت سے پلنے کا یقین ہے۔

......حکومت سے پلنے کا یقین ہے۔

نماز چھوڑ دیتے ہیں، کاروبار نہیں چھوڑتے، کیونکہ کاروبار پر یقین ہوتا ہے کہ اس سے پلیں گے۔ اگر اللہ سے پلنے کا یقین ہوتا تو ہم اللہ کے لیے ہر چیز چھوڑ دیتے۔شریعت یہ نہیں کہتی کہ تم اسباب اختیار ہی نہ کرو، بلکہ شریعت کہتی ہے کہ تم اسباب اختیار کرو، مگر ان کو مؤثر نہ سمجھو، اللہ کی ذات پر نظر رکھو کہ اگر اللہ کو راضی کروں گا تو وہ اس میں خیر ڈال دیں گے اور اگر اللہ کو راضی نہیں کروں گا تو وہ میرے لیے اس میں شر ڈال دیں گے۔بس! نظر اللہ پر رہے۔

اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ فائدہ یہ ہوگا کہ اگر کہیں اسباب، اللہ کے راستے میں رکاوٹ بنیں گے تو بندہ ان اسباب پر قدم رکھ کر آگے چلا جائے گا اور سمجھے گا کہ میری منزل کوئی اور ہے۔اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ اکثریت سے نگاہیں ہٹالو اور اللہ پر نظریں جمالو۔ اگر اللہ کے غیر پر نظریں جمائیں گے تو ہماری دنیا اور آخرت دونوں خطرے میں پڑ جائیں گی ؎

بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے ناامیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

کفر کس کا نام ہے؟ مخلوق پر تو بھروسہ ہے، خدا پر بھروسہ نہیں۔

بچوں کو ایمان سکھانے کی فکر:

ہمارے اسلاف اپنے بچوں کو بھی ایمان اور یقین سکھاتے تھے۔

جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کے ماں باپ نے سوچا کہ ہم اپنے بچے کی ایسی تربیت کریں گے کہ ہمارا بچہ مومنِ کامل بن کر زندگی گزارے گا۔ چنانچہ انہوں نے بڑی ترکیبیں سوچیں، حتیٰ کہ بچہ مدرسے جانے کے قابل ہو گیا۔

ایک دن جب وہ مدرسے سے واپس آیا تو کہنے لگا: امی! بھوک لگی ہے۔ ماں نے کہا: بیٹا! ہمیں بھی اللہ تعالیٰ روزی دیتے ہیں، ہم بھی اسی سے مانگتے ہیں، تم بھی اللہ سے مانگو۔ بچے نے پوچھا: امی! میں اللہ سے کیسے مانگوں؟ کہا: بیٹا! وضو کر کے مصلے پر بیٹھ جاؤ۔ بچہ مصلے پر بیٹھ گیا۔ پھر کہا: بیٹا! دعا مانگو۔ بچے نے دعا مانگی: اللہ! میں مدرسے سے آیا ہوں، مجھے بھوک لگی ہوئی ہے، امی ابو کو بھی آپ ہی روزی دیتے ہیں، مجھے بھی روٹی دے دیں۔

دعا مانگ کر کہنے لگا: امی! اب کیا کروں؟ ماں نے کہا: بیٹا! اندر کمرے سے ڈھونڈو، اللہ نے کہیں بھیج دی ہوگی...... دراصل ماں کھانا پکا کر کہیں چھپا چکی تھی...... وہ بچہ کمرے میں گیا۔ اس کو وہاں کہیں نہ کہیں روٹی کی مہک محسوس ہوئی اور اس نے روٹی نکال لی۔ اس نے روٹی کھائی اور بہت خوش ہوا۔

اب بچے کے اندر ایک تجسس پیدا ہوا، چنانچہ پوچھنے لگا: امی! اللہ تعالیٰ سب

کو روزی دیتے ہیں؟ کہا: ہاں۔ پھر پوچھا: انسانوں کو بھی؟ جواب ملا: جی ہاں۔ پوچھا: جانوروں کو بھی؟ جواب ملا: جی ہاں۔ پوچھا: پرندوں کو بھی؟ جواب ملا: جی ہاں۔ پھر پوچھا: امی! اللہ کتنے بڑے ہیں؟ اس نے جواب دیا: اللہ بہت بڑے ہیں۔

اگلے دن پھر یہی ہوا کہ وہ جب مدرسہ سے واپس آیا تو اس نے وضو کر کے مصلّٰی بچھایا اور دعا مانگی۔ پھر کھانا تلاش کرنے پر کھانا بھی مل گیا۔ اب جب بچے کو روز روٹی ملنا شروع ہوئی تو اس کے دل میں اللہ کے بارے میں اور بھی زیادہ پیار پیدا ہوا۔ وہ بڑی محبت سے اللہ کا نام لیتا کہ اللہ کتنے پیارے ہیں، سب کو دیتے ہیں، خود نہیں کھاتے، بندوں کو کھلاتے ہیں۔ اور ماں اپنے بچے کو اللہ کی عظمت سکھاتی۔ ماں بڑی خوش تھی کہ میرے بچے کے دل میں اللہ کی محبت اور عظمت بڑھ رہی ہے۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ ایک دن اس کی والدہ کسی تقریب کے سلسلے میں اپنے رشتہ داروں کے ہاں چلی گئی۔ وہاں مشغولیت ایسی ہوئی کہ وقت زیادہ ہو گیا۔ جب ٹائم دیکھا تو بچے کے آنے کا وقت ہو چکا تھا اور ماں نے کھانا پکا کر رکھا ہوا نہیں تھا۔

اب ماں پریشان بھی ہوئی اور برقعہ لے کر تیز قدموں سے چلنے لگی۔ اب وہ دعا مانگ رہی ہے، آنسو بھی آرہے ہیں، کہہ رہی ہے: اللہ! میں نے تو اپنے بچے کا یقین آپ کی ذات پر بنانے کے لیے یہ حربہ اختیار کیا تھا، کہیں میرے بچے کا یقین نہ ٹوٹ جائے۔ میری محنت پر کہیں پانی نہ پھر جائے۔ جب وہ دعائیں مانگتے مانگتے گھر پہنچی تو دیکھا کہ بچہ آرام سے بستر پر سویا ہوا ہے۔ ماں نے سوچا کہ اس کو

سونے دیتی ہوں، پہلے روٹی پکا لیتی ہوں۔ جب روٹی پکائی تو واپس آ کر اپنے بیٹے کے رخسار پر بوسہ لیا اور کہا: بیٹا! آج تو تمہیں بڑی بھوک لگی ہوئی ہوگی۔ بیٹا اٹھ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: امی! نہیں۔ پوچھا: کیوں بیٹا؟ وہ کہنے گا: امی! میں مدرسے سے واپس آیا تھا اور میں نے مصلیٰ بچھا کر دعا مانگی: اللہ! بھوک بھی لگی ہوئی ہے اور آج تو امی بھی گھر پہ نہیں ہے، اللہ! مجھے روٹی دے دیجیے۔ اس کے بعد میں کمرے میں گیا اور مجھے ایک جگہ پر روٹی پڑی ہوئی مل گئی، لیکن امی! جو لذت مجھے آج ملی ہے، اس سے پہلے کبھی نہیں آتی تھی۔

سبحان اللہ! ہمارے اسلاف اپنے بچوں کا ایمان ایسے بناتے تھے۔ کیا ہم نے بھی اپنی اولاد کا ایمان بنانے کی یوں فکر کی ہے؟ ہم کس بات کا گلہ کرتے ہیں!؟ کیا ہم نے انہیں کبھی ایسے ماحول میں بھیجا ہے جہاں ایمان بنتا ہے؟ وہ اسکول اور کالجوں سے ایمان تھوڑا سیکھیں گے۔ ایمان تو اللہ کے راستے میں اللہ والوں کی صحبت میں سیکھا جاتا ہے۔ اس کے لیے ہمیں وقت فارغ کرنا مصیبت نظر آتا ہے۔

ایمان بنانے کے دو طریقے

ایمان بنانے کے دو طریقے ہیں:

① ایمان کی دعوت کثرت سے دینا

ایمان کی دعوت کثرت سے دینا۔ جب بندہ کوئی بات کرتا رہتا ہے، دن رات، صبح وشام، تو اس کے اپنے دل میں اس بات کا یقین آجاتا ہے۔ ایسے ہی انسان ایمان کی دعوت دیتا رہے تو اس کے دل میں ایمان پختہ ہو جاتا ہے۔

﴿رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا﴾

دن رات یہی دعوت۔ ع

جہاں جاتے ہیں تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں

مومن جہاں بھی بیٹھے، بس اللہ کی بات چھیڑ دے۔ اللہ کے وعدوں پر یقین کی باتیں کرے، اللہ کی عظمت بیان کرے، اللہ کی کبریائی بیان کرے۔ بس! بات چیت کا عنوان ہی یہی ہو۔ گھر میں بیٹھے، تو بھی یہی باتیں کرے اور دوستوں میں بیٹھے، تب بھی انہی باتوں سے رطب اللسان رہے۔ جتنی زیادہ اس عنوان پر باتیں کریں گے اتنے زیادہ اپنے دل پر اثرات پکے ہوں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایمانی کیفیت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان بہت ہی ٹھوس اور پکا تھا۔ مثال کے طور پر:

⊙ ......حضرت عامر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے تھے:

''میرا آخرت کے اوپر ایمان اتنا پکا ہے کہ اگر جنت اور جہنم میری آنکھوں کے سامنے آجائیں تو میرے ایمان میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہ ہوگا۔'' (الرسالۃ القشیریۃ: ص ۸۳، احیاء علوم الدین: ۳۳۲۱)

ان حضرات کو حق الیقین حاصل تھا۔ اس لیے کہ وہ زندگی بھر اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیا کرتے تھے۔

⊙ ......حارث بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

مَرَرْتُ بِالنَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: کَیْفَ اَصْبَحْتَ یَا حَارِثُ؟ قُلْتُ اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا، فَقَالَ: اُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ! فَاِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ حَقِیْقَةً فَمَا

حَقِیْقَةُ اِیْمَانِكَ؟ قُلْتُ: قَدْ عَزَفْتُ نَفْسِیْ عَنِ الدُّنْیَا وَاَسْهَرْتُ لِذٰلِكَ لَیْلِیْ اَظْمَأْتُ نَهَارِیْ وَ كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی عَرْشِ رَبِّیْ بَارِزًا وَّ كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی اَهْلِ الْجَنَّةِ یَتَزَاوَرُوْنَ فِیْهَا وَ كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی اَهْلِ النَّارِ یَتَضَاغَوْنَ فِیْهَا فَقَالَ: یَا حَارِثُ! عَرَفْتَ فَالْزَمْ. قَالَهَا ثَلَاثًا

(جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۳۷۲۱۲)

''میں نبی علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو نبی علیہ السلام نے پوچھا: اے حارث! تو نے صبح کیسے کی؟ (آج کی دنیا کے لوگ کہتے ہیں: صبح بخیر، یا گڈ مارننگ، لیکن اللہ کے پیارے نبی علیہ السلام نے یہ سوال پوچھا) میں نے کہا: (اب ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا جواب سنیے) اے اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں نے پکے ایمان کے ساتھ صبح کی ہے۔ (ہمارا ایمان بھی ایسا ہو تب بات بنے گی) نبی علیہ السلام نے فرمایا: دیکھ! کیا کہہ رہا ہے؟ ہر چیز کی ایک حقیقت (دلیل) ہوتی ہے، تیرے ایمان کی کیا حقیقت (دلیل) ہے؟ میں نے کہا: میں نے اپنے نفس کو دنیا سے الگ کر لیا، میں نے دن میں روزہ رکھا، رات میں عبادت کی اور اس حال میں رہا کہ جیسے میں اللہ کے عرش کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اور میں اہل جنت کو جنت کے اندر زندگی گزارتے دیکھ رہا ہوں اور جہنم میں جہنم والوں کو چیخ و پکار کرتے دیکھ رہا ہوں۔ (یہ سن کر) نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے حارث! تو نے حقیقت کو پہچان لیا، اس کے اوپر جما رہ۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ یہ بات کہی۔''

ایسا ایمان ہونا چاہیے کہ انسان اپنے آپ کو عرش کے سامنے دیکھے اور یہ سوچے کہ اگر میں نیک اعمال کروں گا تو جنت میں جاؤں گا۔ اور اگر برے اعمال

کروں گا تو بالآخر جہنم کے اندر جلوں گا۔

کلماتِ کفریہ:

آج یہ ایمان گنوا لینا بہت آسان ہے۔ انسان چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ یہ بات ذرا توجہ سے سن لیجیے!...... جب کسی چیز کی اہمیت سامنے ہو تو پھر انسان اس چیز کو ضائع ہونے سے بچا لیتا ہے اور جب کسی چیز کی اہمیت سامنے نہ ہو تو پھر انسان اس چیز کو ضائع کر بیٹھتا ہے۔ اس لیے ہمارے دلوں میں بھی ایمان کی اہمیت ہونی چاہیے۔ پھر ہم اس کے ضائع ہونے سے محتاط رہیں گے۔ آج کل ایمان ضائع ہونے کے لیے ایسے کلمات بولے جاتے ہیں کہ بولتے وقت یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں...... نقلِ کفر کفر نباشد...... وہ چند کلمات جن سے انسان ایمان کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے، سن لیجیے!

کسی بندے نے پوچھا: کہاں رہتے ہو؟ جواب دینے والے نے کہا: وہ فلاں جگہ۔ وہ سن کے یہ کہتا ہے: او! خدا کے پچھواڑے۔ فَقَدْ کَفَرَ۔ وہ کافر ہو گیا۔ یعنی جس بندے نے کہا: ''خدا کے پچھواڑے۔'' وہ کافر ہو جاتا ہے، کیونکہ خدا کا پچھواڑا تو کوئی نہیں ہو سکتا۔ شیطان ایسے الفاظ زبان سے نکلوا دیتا ہے۔ کبھی غصے میں، کبھی تکبر میں۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''مالا بدمنہ'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

- اگر گوید آدم علیہ السلام اگر گندم نمی خورد ما بد بخت نمی شدیم کافر شد۔

''اگر کسی نے کہا کہ اگر آدم علیہ السلام گندم نہ کھاتے تو میں بد بخت نہ

ہوتا، کافر ہوگیا۔''

- اگر گفت نماز باجماعت بگزار وگفت اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہَا کافر شد۔

''اگر کسی نے کسی کو کہا: بھئی! باجماعت نماز پڑھو، اس نے آگے سے جواب دیا، نماز تنہا یعنی اکیلی ہے تو وہ کافر ہوگیا۔''

کیونکہ اس نے قرآن مجید کی آیت کا غلط مطلب لیا۔

- اگر شخصے بر دیگرے ظلم کرد مظلوم گفت اے خدا تو از وے مپذیر اگر تو از وے بپذیرمن نہ پذیرم کافر شود۔

''اگر ایک آدمی نے دوسرے پر ظلم کیا اور مظلوم نے کہا: اے اللہ! تو اس بندے سے انتقام لے، اس کو معاف نہ کر، اللہ! اگر تو اس کو معاف کر دے گا تو میں اس کو معاف نہیں کروں گا، وہ کافر ہوگیا۔''

- اگر گوید من از ثواب وعذاب بیزارم کافر گردد۔

''اگر کہا کہ میں ثواب وعذاب سے بیزار ہوگیا ہوں تو کافر ہوگیا۔''

- اگر درحق باقی در دیگ بگوید والباقیات الصالحات کافر شود۔

''اگر دیگ میں کچھ باقی رہ گیا اور کوئی اس کو دیکھ کر کہتا ہے: والباقیات الصالحات، تو وہ کافر ہوگیا۔''

بھئی! دین کوئی مذاق کی جگہ ہے۔

- اگر مردے بسم اللہ گفتہ شراب خورد یا زنا کرد کافر شود۔

''اگر کسی بندے نے بسم اللہ پڑھ کر شراب پی یا زنا کیا، وہ کافر ہوگیا۔''

- اگر رمضان آمد وگفت کہ رنج برسر آمدہ کافر شود۔

''اگر رمضان کا مہینہ آیا اور کسی نے کہا: مصیبت سر پر آ گئی تو وہ کافر

ہو گیا۔‘‘

✿ اگر کسے گوید حکمِ خدا چنیں است آں کس گفت کہ حکم خدا را من چہ دانم کافر شود۔

’’اگر کسی کو بتایا کہ اللہ کا حکم ایسے ہے اور اس نے آگے سے کہا: میں خدا کے حکم کو کیا مانتا ہوں، تو وہ کافر ہو گیا۔‘‘

✿ اگر آرزو کند و گوید کاش کہ زنا یا قتل ناحق حلال بودے کافر شود۔

’’اگر اس نے آرزو کی اور یہ بات کہی: کاش! زنا یا ناحق قتل کرنا حلال ہوتا، تو وہ کافر ہو گیا۔‘‘

بھئی! بندگی، بندگی ہے۔ شریعت کا احترام اپنی جگہ پر ہے۔ اس لیے علما نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے کہا: بھئی! یہ شریعت کی بات ہے اور اگلے نے آگے سے کہہ دیا: ’’رکھ پرے شریعت کو‘‘ تو وہ کافر ہو گیا۔

✿ اگر گفت کہ فلاں اگر نبی باشد بوے ایمان نیارم کافر شود۔

’’اگر کسی نے کہا کہ ’’فلاں بندہ نبی بھی ہوتا تو میں اس پر ایمان نہ لاتا تو وہ کافر ہو گیا‘‘

✿ اگر صدقہ کرد از مال حرام و امید داری ثواب کرد کافر شود۔

’’اگر مالِ حرام سے اس نے صدقہ کیا اور ثواب کی امید رکھی، تو وہ کافر ہو گیا۔‘‘

مالِ حرام اور اس پر ثواب کی امید!!

✿ اگر فقیر می داند کہ از حرام دادہ است و برائے او دعا کردہ و صدقہ دہندہ آمین گفت کافر شود۔

’’اگر فقیر کو پتہ ہے کہ اس نے حرام مال مجھے دیا ہے اور صدقہ دینے

والے کے لیے فقیر نے دعا دی اور صدقہ دینے والے نے اس پر آمین کہا، تو وہ کافر ہو گیا۔''

❁ اگر شخصے زنے را گفت کہ مرتد شو در یں صورت از شوہر خود جدا شوی گوینده کافر شود۔

''اگر کسی مرد نے عورت سے کہا کہ تو مرتد ہو جا تو اس شوہر سے خود بخود طلاق ہو جائے گی، وہ آدمی کافر ہو جائے گا۔''

❁ اگر گفت کہ مرا با مجلسِ علم چہ کار یا گوید آنچہ علما می گویند کہ می تواند کرد کافر شود۔

''اگر کسی نے یہ کہا کہ مجھے علمی مجالس سے کیا سروکار ہے...... وہ کافر ہو گیا۔''

اللہ اکبر! علما کا استخفاف کرنا، علم کا استخفاف ہے اور علم کا استخفاف، دین کا استخفاف ہے۔

❁ اگر می گوید زر می باید علم بچہ کار می آید کافر شود۔

''اگر کسی نے کہا: ''مجھے تو پیسہ چاہیے، علم کس کام کا'' وہ کافر ہو گیا۔''

❁ اگر گوید اینہا کہ علم می آموزند داستانہاست یا تزویر است یا گوید من حیلہ دانش منداں را منکرم کافر شود۔

''اگر کہا ''یہ جو علم سکھاتے ہیں (مدارس میں)، یہ تو داستانیں ہیں، میں دانش مندوں کے حیلے کا منکر ہوں'' وہ کافر ہو گیا۔''

❁ مرد مدیون را گفت زر من در دنیا بدہ کہ در آخرت زر نخواہد بود او در جواب گفت کہ دہ دیگر بدہ در آخرت از من بگیری آنجا خواہم داد کافر شود۔

''ایک بندے نے کسی کو قرض دیا تھا، اس نے کہا: بھئی! مجھے میرا پیسہ

یہیں دنیا میں دے دو، مجھے آخرت میں نہیں چاہیے، اس نے جواب میں کہا:

''اگر اور بھی پیسے ہیں تو دے دو، سب آخرت میں لے لینا'' وہ کافر ہو گیا۔''

کہ وہ آخرت کے عذاب کو اتنا ہلکا سمجھتا ہے کہ کہہ رہا ہے کہ میں آخرت کا عذاب بھگت لوں گا۔

❂ اگر حرام قطعی را حلال گوید یا حلال قطعی را حرام یا فرض را فرض نداند کافر شود۔

''اگر حرام قطعی کو حلال کہا، یا حلال قطعی کو حرام کہا، یا فرض کے بارے میں کہا کہ یہ فرض نہیں ہے، کافر ہو گیا۔''

❂ از محال دانستن دیدار خدا کافر شود۔

''اگر یہ کہے کہ خدا کا دیدار محال ہے تو وہ کافر ہو گیا۔''

❂ اگر کسے گفت من مسلمانم و دیگرے گفت لعنت بر تو و بر مسلمانی تو کافر شود

''اگر کسی نے کہا کہ میں مسلمان ہوں اور دوسرے نے جواب دیا کہ تجھ پر اور تیری مسلمانی پر لعنت ہے، وہ کافر ہو گیا۔''

❂ شخصے اذان می گوید دیگرے گفت دروغ گفتنی کافر شود۔

''ایک شخص نے اذان دی، دوسرے نے کہا: جھوٹ بولتا ہے، وہ اس بات کے کہنے پر کافر ہو گیا۔''

❂ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم را عیب کرد یا موئے مبارکش را مویک گفت کافر شود۔

''اگر پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں کسی نے چھوٹا سا بھی عیب نکالا...... وہ کافر ہو گیا۔''

❁ اگر کسے دیگرے را گفت تو کافر شدی او جواب داد کہ کافر شدہ گیر کافر شود

''اگر کسی نے کسی کو کہا کہ تو کافر ہو جا، اس نے جواب دیا کہ ہاں! کافر ہو گیا ہوں، تو وہ کافر ہو جائے گا۔''

❁ اگر گفت مرا زن از حق تعالیٰ محبوب تر است کافر شد۔

''کسی نے کہا کہ مجھے یہ عورت (لڑکی یا بیوی) اللہ سے بھی زیادہ محبوب ہے، وہ کافر ہو گیا۔''

اور آج کیا کہتے ہیں؟......نقلِ کفر، کفر نہ باشد

''تو میرا دین ایمان سجناں''

ایسی بات کہنے سے تو ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔

❁ اگر گوید مرا بر آسماں خدا است و بر زمین تو کافر شود۔

''اگر کسی نے کہا کہ آسمان پر میرا خدا اللہ ہے اور زمین پر تو ہے، تو وہ کافر ہو گیا۔''

اب مسائل کا حاصل یہ ہے کہ جن کے دل میں ایمان کی اہمیت بیٹھ جائے گی وہ بہت ہی محتاط گفتگو کرنے والے لوگ بن جائیں گے۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں کہیں گے جس سے ایمان کے اندر کوئی خلل آجائے۔

آج کل تو کفار نے جان بوجھ کر ہمارے معاشرے میں ایسے فقرے پھیلا دیے ہیں کہ جن سے انسان کے دل سے ایمان اور قرآن کی اہمیت ہی ختم ہو جائے۔ مثال کے طور پر:

ایک بندے کے پیٹ میں گندی ہوا کی وجہ سے گڑگڑ ہو رہی ہے، تو کیا کہتے ہیں؟......نقلِ کفر، کفر نہ باشد......وہ کہتے ہیں:

''آنتیں قل ھواللہ پڑھ رہی ہیں۔''

یہ ملحدانہ ذہن ہے، جو مسلمان کے ذہن سے قرآن کی اہمیت کو ختم کرنا چاہتا ہے۔غور تو کریں کہ گندی ہوا کی موومنٹ (حرکت) پر ''قل ھواللہ'' کا گمان!......اب آپ غور کریں کہ ایمان کتنا اہم ہے!

گر کوئی آدمی کسی کو گالیاں دے رہا ہوتو اس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ

''وہ اس کو صلواتیں سنا رہا ہے۔''

ہم ایک منیجر صاحب کے پاس بیٹھے تھے۔انہوں نے اپنے فورمین صاحب کو بلایا۔اس فورمین نے ایسی زہریلی بات کہی کہ وہ بات سن کر مجھے پسینہ آ گیا۔منیجر صاحب نے پوچھا: کیا حال ہے،فورمین صاحب! آگے سے بڑے تکبر کے انداز میں کہنے لگا:

''اگے تے پنجی منٹی سنداسی، پتہ نہیں کتھے ٹرگیا،ہن تے سنداوی نئیں، میں وی نمازاں پڑھنیاچھڈ دتیاں نیں۔''

اندازہ کریں کہ وہ اللہ کے بارے میں یہ الفاظ کہہ رہا تھا، بالکل ایسے جیسے کسی بچے کی بات کر رہا تھا۔کدھر گیا ایمان اس کا!!!

اس دور میں ایمان کا ضائع ہونا بڑا آسان ہے۔اس لیے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: قربِ قیامت میں ایسا وقت آئے گا کہ تو دیکھے گا کہ ایک آدمی صبح اٹھے گا تو وہ ایمان والا ہوگا اور شام کو سونے کے لیے بستر پر جائے گا تو ایمان سے خالی ہو چکا ہوگا۔

يُصْبِحُ مُؤْمِنًا وَّيُمْسِيْ كَافِرًا (مسند ابی یعلی، حدیث: ۴۲۶۰)

اس لیے دل میں ایمان کی اہمیت پیدا کرنی چاہیے اور ہم ایمان کو مضبوط سے

اضبط کرنے کے لیے فکرمند رہیں۔ ایمان کو مضبوط سے اضبط کرنے کے دو طریقے ہیں: ایک تو ایمان کی دعوت دیجیے۔ یہ جو دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں ہمارے بھائی کہتے ہیں: نکلو! ایمان کی دعوت دو۔ وہ یہی تو ہے کہ مسجد کے ماحول میں رہ کر "اللہ سے سب کچھ ہونے کا یقین" کے الفاظ کو اگر بار بار کہیں گے تو اپنے دل میں یقین اتر جائے گا۔

۲......اللہ کا ذکر کثرت سے کرنا

ایمان سیکھنے اور اسے مضبوط سے اضبط کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ذکر کی کثرت کی جائے۔ اگر انسان اپنے مقام پر رہتے ہوئے کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرے تو اللہ تعالیٰ کی ایسی عظمت اور محبت دل میں آجاتی ہے کہ پھر انسان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ یقین پختہ ہو جاتا ہے۔

اکابر کی مثالیں:

ہمارے اکابر کا کثرتِ ذکر کی وجہ سے یقین بنا۔ مثال کے طور پر:

⊙......رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے پاس ایک مرتبہ دو مہمان آگئے۔ کھانے کا وقت ہوگیا۔ وہ بھوکے تھے۔ رابعہ بصریہ کے پاس اس وقت دو روٹیاں تھیں، ان کے سامنے رکھ دیں، مہمان بڑے خوش ہوئے اور کھانا شروع کر دیا۔ کھانے کے دوران ایک سائل آ گیا۔ رابعہ بصریہ نے وہ دونوں روٹیاں اٹھا کے اس سائل کو دے دیں۔ مہمانوں کو تعجب تو ہوا، لیکن خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ رابعہ بصریہ کی خادمہ کافی تعداد میں روٹیاں لائی اور کہا کہ یہ آپ کے لیے کسی نے بھیجی ہیں۔ انہوں نے ان کو گنا تو وہ اٹھارہ تھیں۔ فرمایا: کہ یہ میری نہیں

ہیں۔ خادمہ نے بہت زور لگایا کہ نہیں، یہ آپ ہی کی ہیں، لے لیجیے، لیکن انہوں نے اس بات کو نہ مانا۔ خادمہ وہ روٹیاں لے کر چلی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد پھر آ گئی اور روٹیاں پیش کیں۔ اب رابعہ بصریہ نے گنی تو وہ بیس تھیں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں! یہ میری ہیں۔ پھر وہ روٹیاں مہمانوں کے سامنے پیش کیں۔ مہمانوں کو حیرانگی تو بہت ہوئی، لیکن انہوں نے کھانا شروع کر دیا، کھانے کے بعد پوچھا کہ یہ سارے معاملے کی حقیقت کیا ہے کہ پہلے آپ نے اٹھارہ روٹیاں قبول نہ کیں اور پھر بیس قبول کر لیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب آپ دونوں میرے پاس آئے اور آپ لوگوں کو بھوک بھی بہت لگی تھی تو میں نے سوچا کہ میرے پاس تو صرف دو روٹیاں ہیں، میں وہ آپ کے سامنے کیسے پیش کروں؟ لیکن جب دروازے پر سائل آیا تو میں نے اس امید پر کہ اللہ مجھے ان دو روٹیوں میں سے ہر روٹی کے بدلے میں دس روٹیاں لوٹائے گا، اس کو دے دیں۔ اس لیے کہ مجھے اللہ کے اس وعدے پر پکا یقین ہے:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ (الانعام: ۱۶۰)

''جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا، اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ہے''

پھر جب خادمہ اٹھارہ روٹیاں لے کر آئی تو میں سمجھ گئی کہ دو روٹیاں اس نے کم کر دی ہیں اور جب وہ بیس روٹیاں لائی تو میں سمجھ گئی کہ یہ ہی میرے لیے اللہ نے بھیجی ہیں، اس لیے میں نے ان کو قبول کر لیا۔ (تذکرۃ الاولیاء: ص ۱۰۰)

اللہ کی ذات پر ان کا اتنا یقین بنا ہوا تھا کہ فرمایا: میری بیس ہی روٹیاں ہو سکتی ہیں، کم نہیں ہو سکتیں۔

⊙...... جب تاتاری فتنہ غالب آیا تو لوگوں کی کسمپرسی کا یہ حال تھا کہ تاتاری جس شہر میں بھی جاتے تھے، وہ اس شہر کو خالی کر دیتے تھے۔ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ اس علاقے میں تھے۔ جب ان کو پتہ چلا کہ تاتاری آرہے ہیں تو وہ اپنے گھر سے اٹھ کر مسجد میں چلے گئے۔

شہزادے نے پوچھا: کیا پورے شہر میں کوئی آدمی بچا ہے؟ سپاہیوں نے کہا: سارا شہر خالی ہو گیا ہے، البتہ ایک بوڑھا آدمی شہر میں ہے۔ اس نے حکم دیا: اس کو زنجیروں میں باندھ کر پیش کرو۔ چنانچہ ان کو بیڑیاں ڈال دی گئیں، زنجیریں باندھ دی گئیں، ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔ اور اس حالت میں ان کو شہزادے کے سامنے پیش کیا۔

شہزادے نے پوچھا: آپ نے شہر خالی کیوں نہیں کیا؟ انہوں نے کہا: میں نے اپنے گھر کو تو خالی کر دیا تھا، اب تو میں خدا کے گھر میں تھا، اور میں خدا کے گھر کو تو خالی نہیں کر سکتا۔ شہزادے نے جب یہ سنا تو کہنے لگا: اب تجھے میری سزا سے کون بچائے گا؟ حضرتؒ کا اتنا یقین بنا ہوا تھا کہ جیسے ہی شہزادے نے کہا کہ اب تجھے میری سزا سے کون بچائے گا تو فرمایا: ''اللہ''۔ جیسے ہی انہوں نے اللہ کہا، تو فوراً ہاتھوں سے ہتھکڑیاں ٹوٹ کر نیچے گر پڑیں۔

یہ منظر دیکھ کر شہزادے کے دل پر ہیبت بیٹھ گئی اور وہ کہنے لگا: اچھا! میں آپ کو یہاں رہنے کی اجازت دیتا ہوں۔ اس نے ایمان قبول کیا اور پھر جب تیس سال کے بعد اس کو تخت و تاج ملا تو اس وقت اس نے اپنے ایمان کا اظہار کیا اور یوں پوری تاتاری قوم مسلمان ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شاہی عطا فرما دی۔

ہمارے بزرگوں کا یہ پختہ یقین کثرتِ ذکر کی وجہ سے تھا۔ تو ایمان سیکھنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ جب باہر اللہ کے راستے میں نکلو تو دین کی دعوت دو، اس سے یقین بنے گا اور جب اپنے مقام پر ہو تو کثرت سے ذکر کرو، اسی سے یقین بنے گا۔

چڑیوں سے باز مروانے کا انوکھا ضابطہ:

اللہ رب العزت کا یہ ضابطہ ہے کہ چھوٹوں سے بڑوں کی پٹائی کرواتے ہیں، تاکہ مشاہدے کے خلاف کام ہو اور اس سے ایمان بنے۔ مثال کے طور پر:

⊙...... ماضی بعید میں دیکھنا ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو دیکھ لو۔ بنی اسرائیل چھوٹی سی جماعت تھی۔ اس جماعت کے بارے میں فرعون کہا کرتا تھا:

﴿اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ﴾ (الشعراء:۵۴)

اتنے تھوڑے سے تھے کہ فرعون کی ''تک'' ہی نہیں پڑتی تھی۔ اسے اپنی طاقت پر بڑا مان تھا۔ وہ کہتا تھا:

﴿اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ﴾

(الزخرف:۵۱)

''کیا مصر کی سلطنت میرے قبضے میں نہیں ہے؟ اور (دیکھو!) یہ دریا میرے نیچے بہہ رہے ہیں۔''

قارون کے پاس اتنا مال تھا کہ اس کی چابیاں اونٹوں کو تھکا دیتی تھیں۔ لوگ دیکھ کر کہتے تھے:

﴿يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ﴾ (القصص:۷۹)

''کاش! ہمارے پاس بھی وہ چیزیں ہوتیں جو قارون کو عطا کی گئی ہیں۔''

نہ فرعون کو حکومت کام آئی اور نہ ہی قارون کو مال کام آیا۔ نتیجہ کیا نکلا؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ (القصص:۵)

''اور ہم نے ارادہ کیا کہ ہم احسان کریں ان پر جو زمین میں کمزور ہیں اور ان کو ہم (زمین میں) امام اور وارث بنا دیں گے۔''

اس آیت میں دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کس شان سے بیان فرمارہے ہیں! کیسا عظمت اور جلال ہے ان الفاظ میں! اللہ فرماتے ہیں کہ فرعون کو مان تھا اپنی حکومت پہ اور قارون کو مان تھا اپنی دولت پر۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے تھے: اے قوم!

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ (الاعراف:۱۲۸) ''بے شک زمین اللہ کی ہے۔''

دیکھو! کتنی یقین بھری آواز تھی!!!

...... یہ وہ وقت ہے جب بچے ذبح ہو رہے ہیں۔

...... یہ وہ وقت ہے جب فرعون نے ان کو پیسا ہوا ہے۔

اور یہ کہہ رہے ہیں:

﴿اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ مِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾

(الاعراف:۱۲۹)

''حضرت! آپ کے آنے سے پہلے بھی مصیبت تھی اور اب بعد میں بھی مصیبت ہے۔''

گویا ہم مصیبتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اس وقت مشاہدہ یہ بتارہا تھا کہ ذلت ہے، لیکن اللہ کے نبی علیہ السلام یقین بھری آواز میں کہتے ہیں:

﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾

''بے شک زمین اللہ ہی کی ہے، اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو وارث بنادیتا ہے اور آخرت متقیوں کے لیے ہے۔''

بالآخر نتیجہ کیا نکلا؟ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کردیا اور بنی اسرائیل کو زمین کا وارث بنادیا۔

⊙...... ماضی قریب میں اگر آپ دیکھنا چاہیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھ لیں۔ ابتدا میں ایک تھوڑی سی اور کمزور سی جماعت تھی۔ اور کافر کیا سوچتے تھے؟ کہ یہ ایک ٹمٹماتا چراغ ہے، اسے پھونک مار کر بجھادیں گے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ کافر یہ چاہتے تھے کہ اللہ کے جلائے ہوئے نور کو پھونکوں سے بجھادیں، لیکن

﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (الصف:۸)

''اللہ نے اس نور کو مکمل کرنا تھا، اگرچہ کافروں کو یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی۔''

نتیجہ کیا نکلا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَیَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (الانفال:۲۶)

''یاد کرو اس وقت کو جب تم تھوڑے تھے، زمین میں کمزور تھے، تم ڈرتے تھے کہ انسان تمہیں اچک نہ لیں، اس نے تمہیں ٹھکانہ دیا اور اپنی مدد سے تمہیں مضبوط کیا اور کھانے کو پاکیزہ رزق دیا، تاکہ تم اللہ کا شکر ادا کرسکو۔''

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (البقرة:۲۴۹)

''کتنی بار ایسا ہوا کہ ہم نے ایک تھوڑی جماعت کو بڑی جماعت پر غالب کردیا، اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

اپنی زبان میں اس کا ترجمہ بنے گا:

''کتنی بار ایسا ہوا کہ ہم نے چڑیوں سے باز مروا دیے۔''

اور مجھے لگتا ہے کہ ہم میں سے کسی کو اللہ لمبی زندگی دے گا تو وہ بھی چڑیوں سے باز مرتے دیکھے گا۔

⊙......ایک وقت ایسا بھی آیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سمجھتے تھے کہ کفار کے ان قلعوں کو فتح کرنا ناممکن ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہ کام مشکل نظر آتا تھا۔

بنو نضیر اور بنو قریظہ کے خیبر میں قلعے تھے۔ ان کی دیواریں بہت موٹی تھیں۔ مجھے وہ قلعے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ ان کی دیواریں دو دو میٹر چوڑی تھیں، تاکہ کوئی نقب نہ لگا سکے اور ہم پر کوئی غالب نہ آسکے۔ ان کو اس بات پر بڑا مان تھا کہ ہم ناقابل تسخیر ہیں۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی سمجھتے تھے کہ ان کو زیر کرنا بڑا مشکل ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زیر کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اللہ رب العزت نے ان کے دلوں میں ایمان والوں کا رعب ڈال دیا۔ چنانچہ وہ آپس میں مشورہ کرنے بیٹھے کہ یہ مسلمان جہاں جاتے ہیں وہیں غالب آجاتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ ہماری طرف رخ کرلیں، پھر ہمارا کیا بنے گا؟ لہٰذا وہ کہنے لگے: یار! ان کے آنے سے پہلے ہی اپنی عورتوں اور اپنے مال کو یہاں سے شفٹ کردو۔ چنانچہ وہ اپنا سامان خود اپنے ہاتھوں سے باندھنے لگے۔

جب ایمان والوں کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے بھی وہاں پہنچ کر ان کے بھاگنے میں ان کی مدد کی۔ ذرا توجہ سے اللہ کا قرآن سنیں...... اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ (الحشر: ۲)

هُوَ الَّذِیْ کے الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنا تعارف کرواتے ہیں کہ میری عظمتوں کو پہچانو، میں کون ہوں؟ فرمایا:

''اللہ وہ ذات ہے جس نے اہلِ کتاب (یہودیوں) کو اپنے گھروں سے باہر نکال دیا، تمہیں گمان ہی نہیں تھا کہ تم ان کو نکال سکو گے، اور ان کا بھی یہ گمان تھا کہ ان کے یہ قلعے اللہ کے راستے میں رکاوٹ بن جائیں گے، پس اللہ ان پر ایسی طرف سے آیا کہ جس کا ان کو گمان ہی نہیں

تھا، اور اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان والوں کا رعب ڈال دیا۔ وہ اپنے ہی ہاتھوں اپنے گھروں کو خراب کرنے لگے اور ایمان والوں نے بھی ان کے بھاگنے میں ان کی مدد کی، آنکھو والو! عبرت حاصل کرو (جب میں ارادہ کر لیتا ہوں تو نہتے لوگوں سے ناقابلِ تسخیر قلعوں کو فتح کروا دیا کرتا ہوں)۔‘‘

اس سے پتہ چلا کہ اگر ہم اللہ رب العزت پر پختہ ایمان رکھیں گے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ذلیل نہیں کر سکتی۔ کسی کو اگر اپنی طاقت پر گھمنڈ ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے غرور اور تکبر کو خاک میں ملا کر دکھا دیں گے۔ کفر کو ہمیشہ اسباب پہ ناز ہوتا ہے اور مومن کو اپنے مسبب الاسباب کی رحمت پر ناز ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ کے ساتھ اپنا ایمان پکا رکھیں۔

براہِ راست ایکشن:

اگر ایسی صورت ہو کہ آگے مقابلہ کرنے والا کوئی ہے ہی نہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ براہ راست ایکشن لیتے ہیں۔ ابرہہ اپنے ہاتھیوں کو لے کر بیت اللہ شریف کو گرانے کے لیے نکلا۔ اس کو بڑا مان تھا کہ میرا راستہ کوئی روک بھی نہیں سکتا۔ وہ اپنے وقت کی سپر پاور تھا۔ اور واقعی آگے مقابلہ کرنے والا کوئی تھا ہی نہیں۔ اس ابرہہ نے قریش کے اونٹ کہیں چرتے دیکھے تو انہوں نے پکڑ لیے۔ اس کے بعد عبدالمطلب اس کے پاس پیغام لے کر پہنچے۔

ابرہہ یہ سمجھا کہ یہ اس لیے آئے ہوں گے کہ ہمارے کعبے پر حملہ نہ کرنا، لیکن انہوں نے ابرہہ سے کہا: جناب! آپ کے لوگوں نے میرے اونٹ پکڑ لیے ہیں، وہ مجھے واپس کر دیں، وہ میرے ہیں۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا: بس! یہی

بات کرنے آئے ہو؟ میں تو کعبہ کو گرانے کے لیے آیا ہوں۔ عبدالمطلب نے فرمایا: جس کا وہ گھر ہے وہ خود ہی تمہارے لیے کافی ہے۔ مجھے تو میرے اونٹ دے دو، اور بس۔

پھر وہی ہوا کہ جب اس نے بیت اللہ شریف کی طرف بڑھنے کی کوشش کی تو اللہ رب العزت نے فضا میں اپنا ایک لشکر بھیج دیا:

﴿طَيْرًا اَبَابِيْلَ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ﴾

ان ابابیل نے کارپٹ بمباری کردی۔ اور

﴿فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ﴾ (سورۃ الفیل)

''پس ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح بنا کر رکھ دیا۔''

جو اللہ سے ٹکرانے کی کوشش کرے گا، میرا پروردگار، دنیا میں ہی اس کے تکبر کو توڑ کے دکھائے گا۔

ناگفتہ بہ حالات میں ایمان کی ترقی:

ناگفتہ بہ حالات دیکھ کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان بڑھتا تھا۔ ان کو کیا کہا گیا تھا؟

﴿اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا﴾

(آل عمران: ۱۷۳)

''یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لیے (پھر سے) جمع ہو گئے ہیں، لہذا ان سے ڈرتے رہنا۔ تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا۔''

اللہ اکبر! جن کا ایمان اور یقین پختہ ہوتے ہیں ان کے اوپر کوئی خوف نہیں ہوتا، سوائے ایک اللہ کے۔ وہ ایک اللہ سے ڈرتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے۔ چنانچہ اگر ہم بھی اللہ پر ایمان اور یقین پختہ رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری بھی ایسے ہی مدد فرمائے گا جیسے اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدد کی۔

علامہ اقبالؒ نے لکھا: ؎

ہمیں ایک تھے تیرے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے تھے، کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

تلواروں کی چھاؤں میں کلمہ پڑھا کرتے تھے۔ یہ ایمان کہلاتا ہے۔ ہمارے اکابر نے تلواروں کے سائے میں جس ایمان کو سیکھا، آج ہم اس کو پنکھوں کی ٹھنڈی ہواؤں کے نیچے بیٹھ کر سیکھنے کی تمنا کرتے ہیں۔ بھئی! قربانی تو دینی پڑے گی۔ ایمان پر کچھ لگانا پڑے گا۔ پھر ایمان ہماری نظر میں محبوب بنے گا۔ جب لگا ہی کچھ نہ ہو تو چیز کی قیمت کا احساس ہی نہیں ہوتا۔

ایمان کا کمال:

ایمان کا کمال یہ ہے کہ انسان غیر اللہ کی طرف، دنیا سے آخرت کی طرف اور اسباب سے اعمال کی طرف اپنا رخ کرلے۔ یہ تینوں باتیں اس چیز کی علامت ہیں کہ اب اس بندے کا ایمان کامل ہو گیا ہے۔

سب سے قیمتی چیز:

ایک بات یہ بھی ذہن میں رکھیے کہ ہمارے پاس جتنی بھی چیزیں ہیں ان میں سے سب سے زیادہ قیمتی چیز ہمارا ایمان ہے۔ بندے کے پاس چار چیزیں ہوتی ہیں:

۱)......مال ۲)......جان ۳)......عزت ۴)......ایمان

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اگر جان کا مسئلہ بن جائے تو بندہ مال قربان کر دیتا ہے۔ بیٹا اگر ICU میں ہو تو کیا باپ ڈاکٹروں کی فیسوں سے ڈرے گا؟ اس کے پاس جو بھی پیسہ ہوگا وہ لگا دے گا۔ کہے گا: جی! اس کی جان چاہیے۔ پیسہ تو آنی جانی چیز ہے۔ یہ ڈھلتی چھاؤں ہے، کبھی اس کے پاس تو کبھی اس کے پاس۔

تو معلوم ہوا کہ مال کی اہمیت اپنی جگہ ہے، مگر جب جان کا معاملہ آتا ہے تو مال کو قربان کر دیا جاتا ہے۔ جہاں عزت کا معاملہ آتا ہے وہاں جان بھی قربان کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ شریعت نے کہا کہ اگر کسی عورت کے ساتھ کوئی مرد زبردستی زنا کرنا چاہتا ہے اور وہ اپنے آپ کو بچاتے ہوئے فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے شہدا کے ساتھ کھڑا کریں گے۔

اور جب ایمان کا معاملہ آتا ہے تو پھر عزت کو بھی قربان کر دیا جاتا ہے۔ ایمان اتنا قیمتی ہے۔ چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ قیصر روم کے دربار میں گئے۔ گفتگو کے دوران قیصر روم نے کہا کہ اگر تمہارا خلیفہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی سے میرا نکاح کر دیں تو میں مسلمان ہونے کے لیے تیار ہوں۔ وہ صحابی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: جی! میں تو اس بات کا اختیار نہیں رکھتا، البتہ میں ان کو جا کر آپ کی بات بتاؤں گا۔

جب واپس مدینہ منورہ آئے تو انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ قیصر روم نے کہا ہے کہ اگر تمہارے خلیفہ اپنی بیٹی سے میرا نکاح کر دیں تو ایمان لانے کا وعدہ کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: پھر تو نے ہاں کیوں نہ کر دی؟ انہوں نے کہا: میں کیسے ہاں کرتا؟ فرمایا: کیا عمر کی بیٹی کسی کے ایمان سے زیادہ قیمتی ہے؟ تو مال بھی قیمتی، اس سے زیادہ جان قیمتی، اس سے زیادہ عزت وآبرو قیمتی اور اس سے بھی زیادہ ایمان قیمتی ہے۔ اس لیے اگر کوئی یہ کہے کہ کلمے سے ہٹ جاؤ، ورنہ

......جوتوں کے ہار پہنا دوں گا

......ذلیل کر دوں گا

......بے لباس کر دوں گا

تو بھئی! یہ کہا جائے گا کہ تم جو بھی کرو، سب کچھ برداشت کر لیں گے، مگر کلمے سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

بن دیکھے ماننے پر انعام:

جو انسان بن دیکھے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو انعامات سے نوازتے ہیں۔

✿......ایک مرتبہ ہارون الرشید اور اس کی بیوی زبیدہ خاتون دریا کے کنارے پر چہل قدمی کر رہے تھے۔......اس وقت کے ایک بزرگ تھے، حضرت بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ۔ ان دونوں نے بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ مٹی کے چھوٹے چھوٹے گھر بنا رہے تھے۔ ہارون الرشید نے پوچھا: بہلول کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: گھر بنا رہا ہوں۔ پوچھا: کس لیے؟ جواب دیا: اگر کوئی یہ گھر خریدے گا تو میں دعا کروں گا کہ اللہ! اس کو اس گھر کے بدلے جنت کا

گھر عطا فرمادے۔ہارون الرشید نے پوچھا: بہلول !ایک گھر کی قیمت کیا ہے؟انہوں نے جواب دیا:ایک دینار۔

ہارون الرشید نے یہ سمجھا کہ یہ ''جہاز'' ہے،ہواؤں میں پرواز کر رہا ہے۔لہٰذا اس نے کوئی توجہ نہ دی۔ پیچھے سے زبیدہ خاتون آرہی تھی۔اس نے بھی آکر اسے سلام کیا اور پوچھا: بہلول !کیا کر رہے ہو؟ بتایا: گھر بنا رہا ہوں۔پوچھا: کس لیے؟ بتایا: جو اس گھر کو خریدے گا میں اس کے لیے دعا کروں گا کہ اللہ اس کو جنت میں گھر عطا فرمادے۔پوچھا: بہلول !ایک گھر کی قیمت کتنی ہے؟ انہوں نے کہا:ایک دینار۔زبیدہ خاتون نے اپنے پرس میں سے ایک دینار نکا کر بہلول کو دیا اور کہا: اچھا!میرے لیے دعا کر دینا۔اس کے بعد وہ گھر چلے گئے۔

رات کو جب ہارون الرشید سویا تو اسے خواب میں جنت کے محلات نظر آئے......سکائی لائنز آف پیراڈائیز......وہ دیکھتا پھر رہا ہے۔کوئی محل سرخ یاقوت سے بنا ہوا ہے،کوئی سونے چاندی کی اینٹوں سے بنا ہوا ہے۔ایک محل کے اوپر سائن بورڈ لگا ہوا ہے''زبید خاتون''۔ہارون الرشید بہت خوش ہوا کہ میری بیوی کا محل ہے،چنانچہ میں اندر جا کر دیکھتا ہوں کہ یہ کیسا ہے۔جب وہ دروازے پر پہنچا تو وہاں سکیورٹی کا ایک بندہ تھا۔اس نے کہا:

Sir! Prove your identity

''جناب !اپنی شناخت کروائیے کہ''کون ہیں؟''۔

ہارون الرشید نے کہا: میں اس کا خاوند ہوں۔اس نے کہا:اس دنیا کا دستور یہ ہے کہ جس کا نام ہوتا ہے اسی کو اجازت ہوتی ہے،کوئی دوسرا نہیں جا سکتا،چل

پیچھے ہٹ۔ اس نے جب پیچھے دھکیلا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔

کہنے لگا: اوہو! بہلول نے سچ کہا تھا۔ زبیدہ نے تو اس پر یقین کر لیا اور دعا کروالی، وہ تو کوئی قبولیت کا وقت تھا اور اللہ نے دعا قبول کر لی۔ اور میں تو وہ موقع ضائع کر چکا ہوں۔ چنانچہ اب وہ بڑا پریشان ہوا۔ سارا دن ڈپریشن کی حالت میں گزرا۔ کام میں جی نہیں لگتا تھا۔

بالآخر اس کے ذہن میں ایک خیال آیا کہ اگر آج مجھے بہلول ملا تو آج میں اس سے ایک مکان کی ڈیل کر لوں گا۔ چنانچہ وہ وقت سے پہلے ہی بیوی کو لے کر وہاں پہنچ گیا۔

نظریں بہلول رحمۃ اللہ علیہ کو تلاش کر رہی ہیں۔ بہلولؒ نظر آ گئے۔ وہ خوشی خوشی بہلول کی طرف بھاگ کر گیا۔ پوچھا: بہلول! کیا کر رہے ہو؟ بتایا: گھر بنا رہا ہوں۔ پوچھا: کس لیے؟ بتایا: جو خریدے گا میں اس کے لیے اللہ سے دعا کروں گا کہ اس کے لیے جنت میں گھر بنا دے۔ ہارون الرشید نے پوچھا: بہلول! کیا قیمت ہے؟ بہلول نے کہا: جناب! پوری دنیا کی بادشاہی۔ ہارون الرشید کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور حیرانی کے عالم میں پوچھا: بہلول! کل تو ایک دینار میں دے رہے تھے اور آج پوری دنیا کی بادشاہی مانگ رہے ہو، اس کی کیا وجہ ہے؟ بہلول نے کہا: جناب! کل بن دیکھے کا سودا تھا اور آج دیکھا ہوا سودا ہے۔ اس لیے آج یہ قیمت ہے۔

یہی ہمارے ایمان کا معاملہ ہے۔ ہم نے اللہ رب العزت کو بن دیکھے مانا ہے...... سستا سودا...... سستی جنت مل گئی۔ سستی آخرت سنور گئی...... کم داموں میں کام چل گیا...... موت کے وقت جب انسان اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور کہتا ہے: اٰمَنْتُ، تو کہا جاتا ہے: آٰلْئٰنَ (اب اس وقت)

It is too late.

بہت دیر ہو چکی ہے، تم اپنا وقت ضائع کر چکے ہو۔

……سیدنا یوسف علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ ایک نوجوان آیا۔ وہ ٹین ایجر تھا۔ کہنے لگا: جی! مجھے گندم چاہیے۔ گندم دینے والوں نے معمول کے مطابق اس کو بھی گندم دے دی۔ اس نے کہا: مجھے اور گندم چاہیے۔ انہوں نے کہا: جی! ہمیں جتنی گندم دینے کی اجازت تھی اتنی آپ کو دے دی ہے، البتہ آپ کو اور گندم چاہیے تو آپ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جائیں، ان کے اختیار میں ہے جس کو جتنی چاہیں دے دیں۔

وہ نوجوان حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس چلا گیا۔ کہنے لگے: حضرت! مجھے اور گندم چاہیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اچھا! اس کو اتنی بوریاں اور دے دو۔ وہ کہنے لگا: حضرت! نہیں، مجھے اور چاہیے۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: او خدا کے بندے! تجھے ورکرز نے بھی گندم دی اور میں نے بھی گندم دی، اب اور بھی مانگتا ہے؟ وہ کہنے لگا: حضرت! آپ کو میری پہچان نہیں ہے، اگر پہچان ہو جائے تو آپ مجھے بہت زیادہ گندم دیں۔ یہ سن کر حضرت یوسف علیہ السلام ذرا اور بھی متوجہ ہوئے اور پوچھا: تو کون ہے؟ وہ کہنے لگا: حضرت! جب زلیخا نے آپ پر بہتان لگایا تھا اس وقت جس چھوٹے بچے نے آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی تھی، وہ بچہ اب بڑا ہو کر میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ سنا تو ان کو اس پر اتنا پیار آیا کہ اس کے ماتھے کا بوسہ لیا اور اس کو عزت کے ساتھ بٹھا کر کھلایا پلایا اور ورکرز سے کہا کہ اتنی اتنی گندم اس کے گھر پہنچا کے آؤ۔ اتنا پروٹوکول دیا اس کو!

جب انہوں نے اس کو اتنے پروٹوکول سے رخصت کیا اور وہ چلا گیا تو اللہ رب العزت نے وحی نازل فرمائی: ''اے میرے پیارے یوسف! آپ نے تو اس کو بڑا پروٹوکول دیا ہے۔'' عرض کیا: یا اللہ! ''یہ وہ نوجوان ہے جس نے میری پاک دامنی کی گواہی دی تھی۔ آج یہ میرے سامنے آیا ہے، میرا جی چاہا کہ جتنا میں اس کو دے سکتا ہوں دے دوں۔'' یہ جواب سن کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''میرے پیارے یوسف! گواہ رہنا! جس بچے نے آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی، جب وہ آپ کے سامنے آیا تو آپ نے اس کو اتنا پروٹوکول دیا جو آپ کے اختیار میں تھا، اسی طرح میرا وہ بندہ جو دنیا میں میری الوہیت کی گواہی دے گا، توحید کی گواہی دے گا، جب قیامت کے دن آئے گا تو میں بھی اس کو وہ دوں گا جو میری شان کے مطابق ہوگا۔'' یہ ایمان بڑا قیمتی ہے۔ اس لیے کسی کے دھمکانے سے یا خوف دلانے سے کبھی بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ مار دیں گے، جینے نہیں دیں گے تو اس سے کہہ دیں کہ ہمارا مالک اللہ ہے۔

مسلمان لوہے کے چنے ہیں:

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک عجیب بات بتلاتے ہیں۔ سبحان اللہ! آیت کو پڑھتے ہیں تو مزہ آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ﴾

''آج کے دن یہ کفار تمہارے دین سے مایوس ہو چکے ہیں۔''

یہ مٹانا چاہتے تھے نا، اب ان کو مایوسی ہوگئی ہے کہ ہم تو مٹ سکتے ہیں، لیکن یہ دین نہیں مٹ سکتا۔ اگر اپنی زبان میں اس کا ترجمہ کریں تو کیا بنے گا؟

''آج کے دن ان کافروں کو یقین ہو گیا کہ یہ مسلمان لوہے کے چنے ہیں

ان کو چبانا آسان کام نہیں ہے۔‘‘

آگے فرمایا:

﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ﴾ (المائدۃ:۳)

’’ان بدبختوں سے مت ڈرنا، ایک مجھ سے ڈرنا۔‘‘

یہ ہے ایمان۔ اگر ہم اس ایمان کو اپنے دل میں بٹھا لیں گے تو ان شاء اللہ ! اللہ رب العزت کی طرف سے دنیا میں بھی مدد ملے گی اور آخرت میں بھی سرخروئی نصیب ہوگی۔

امت کے مددگار بدری فرشتے:

علما نے لکھا ہے کہ جو فرشتے بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدد کے لیے اترے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو واپس نہیں بلایا، دنیا میں ہی رکھا کہ قیامت تک جب بھی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو مدد کی ضرورت پڑے گی تو تم ان کی مدد کے لیے وہیں موجود رہنا۔ چنانچہ وہ آسمانی بیڑا ابھی تک موجود ہے۔ ایمان والوں کو کوئی میلی آنکھ سے دیکھے تو سہی، پھر دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ اس کا حشر کیا کرتے ہیں، مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم صحیح معنوں میں مومن بن جائیں۔ اگر ہمارے پاس فقط صورتِ ایمان ہوگی تو ہم جوتے کھائیں گے اور اگر حقیقتِ ایمان ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان کافروں کو جوتے لگائیں گے۔ اس لیے ایمان بنانے کی ضرورت ہے۔

عتقاء الرحمن:

اگر ایمان تھوڑا سا بھی ہوگا تو قیامت کے دن بندوں کو جنت میں پہنچانے کا

سبب بن جائے گا۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ

''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔''

وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ إِيْمَانٍ

''وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی ایمان ہوگا۔'' (ترمذی، حدیث:۱۹۹۹ باب ما جاء فی الکبر)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

إِنِّي لَأَوَّلُ النَّاسِ تَنْشَقُّ الْأَرْضُ عَنْ جُمْجُمَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ، وَأُعْطَى لِوَاءَ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ، وَأَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ، وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ وَلَا فَخْرَ، وَأَنَا آتِي بَابَ الْجَنَّةِ فَآخُذُ بِحَلْقَتِهَا، فَيَقُوْلُوْنَ مَنْ هٰذَا؟ فَأَقُوْلُ: أَنَا مُحَمَّدٌ فَيَفْتَحُوْنَ لِي فَأَدْخُلُ فَإِذَا الْجَبَّارُ مُسْتَقْبِلِي فَأَسْجُدُ لَهُ فَيَقُوْلُ: اِرْفَعْ رَأْسَكَ يَا مُحَمَّدُ!، وَتَكَلَّمْ يُسْمَعْ مِنْكَ وَقُلْ يُقْبَلْ مِنْكَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَقُوْلُ: أُمَّتِي أُمَّتِي يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ: اِذْهَبْ إِلٰى أُمَّتِكَ فَمَنْ وَّجَدْتَّ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ شَعِيْرٍ مِّنَ الْإِيْمَانِ فَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ فَأُقْبِلُ فَمَنْ وَّجَدْتُّ فِي قَلْبِهِ ذٰلِكَ فَأُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ، فَإِذَا الْجَبَّارُ مُسْتَقْبِلِي فَأَسْجُدُ لَهُ فَيَقُوْلُ: اِرْفَعْ رَأْسَكَ يَا مُحَمَّدُ وَتَكَلَّمْ يُسْمَعْ مِنْكَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَقُوْلُ: أُمَّتِي أُمَّتِي أَيْ رَبِّ، فَيَقُوْلُ: اِذْهَبْ إِلٰى أُمَّتِكَ فَمَنْ وَّجَدْتَّ فِي قَلْبِهِ نِصْفَ حَبَّةٍ مِّنْ

شَعِيْرٍ مِّنَ الْاِيْمَانِ فَاَدْخِلْهُمُ الْجَنَّةَ. فَاَذْهَبُ فَمَنْ وَّجَدْتُّ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذٰلِكَ اَدْخَلْتُهُمُ الْجَنَّةَ فَاِذَا الْجَبَّارُ مُسْتَقْبِلِيْ فَاَسْجُدُ لَهٗ فَيَقُوْلُ: اِرْفَعْ رَأْسَكَ يَا مُحَمَّدُ! وَتَكَلَّمْ يُسْمَعْ مِنْكَ وَ قُلْ يُقْبَلْ مِنْكَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَرْفَعُ رَأْسِيْ فَاَقُوْلُ: اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيَقُوْلُ: اِذْهَبْ اِلٰى اُمَّتِكَ فَمَنْ وَّجَدْتَّ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنَ الْاِيْمَانِ فَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ فَاَذْهَبُ فَمَنْ وَجَدْتُّ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذٰلِكَ اَدْخَلْتُهُمُ الْجَنَّةَ وَ فَرَغَ اللهُ مِنْ حِسَابِ النَّاسِ، وَاَدْخَلَ مَنْ بَقِيَ مِنْ اُمَّتِيَ النَّارَ مَعَ اَهْلِ النَّارِ فَيَقُوْلُ اَهْلُ النَّارِ: مَا اَغْنٰى عَنْكُمْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ اللهَ لَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ شَيْئًا فَيَقُوْلُ الْجَبَّارُ: فَبِعِزَّتِيْ لَاُعْتِقَنَّهُمْ مِّنَ النَّارِ فَيُرْسِلُ اِلَيْهِمْ فَيَخْرُجُوْنَ وَ قَدِ امْتَحَشُوْا فَيَدْخُلُوْنَ فِيْ نَهَرِ الْحَيَاةِ فَيَنْبُتُوْنَ فِيْهِ كَمَا تَنْبُتُ الْحَبَّةُ فِيْ غُثَاءِ السَّيْلِ، وَ يُكْتَبُ بَيْنَ اَعْيُنِهِمْ: هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ اللهِ فَيُذْهَبُ بِهِمْ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ لَهُمْ اَهْلُ الْجَنَّةِ هٰؤُلَاءِ الْجَهَنَّمِيُّوْنَ فَيَقُوْلُ الْجَبَّارُ: بَلْ هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ الْجَبَّارِ (مسند احمد، حدیث: ۱۲۴۶۹)

''میں قیامت کے دن سب سے پہلے اپنی قبر سے اٹھوں گا، مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ مجھے لِواء الحمد (حمد کا جھنڈا) ملے گا، مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ میں قیامت کے دن انسانوں کا سردار ہوں گا، مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ میں جنت کے دروازے پر آؤں گا اور جنت کے دروازے کی مٹھی پر ہاتھ رکھوں گا، فرشتے پوچھیں گے: یہ کون ہے؟ میں کہوں گا: میں محمد (ﷺ) ہوں۔ وہ میرے لیے دروازہ کھول دیں گے۔ (جنت کا دروازہ کھلتے ہی) میں اپنے سامنے اللہ رب

العزت کو پاؤں گا۔(یعنی دیدار نصیب ہوگا)۔ میں اللہ کے سامنے سجدے میں گر جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: اے میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اپنا سر اٹھایئے، آپ کہیے، آپ کی بات سنی جائے گی، آپ جو کہیں گے قبول کیا جائے گا اور جس کی شفاعت کریں گے اس کی شفاعت کو قبول کرلیا جائے گا۔ پس میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور کہوں گا: اے میرے اللہ! ''میری امت! میری امت!'' اللہ فرمائیں گے: آپ جائیں اپنی امت کی طرف، جس کے دل میں آپ کو جو کے دانے کے برابر ایمان نظر آئے اس کو بھی جنت میں لے آیئے (اللہ اکبر کبیرا)۔ میں جاؤں گا اور جس کے دل میں بھی جو کے دانے کے برابر ایمان پاؤں گا، اس کو جنت میں داخل کر دوں گا۔ اللہ رب العزت، جبار میرے سامنے ہوں گے (یعنی اس وقت دیدار پُرانوار ہورہا ہوگا) میں دوبارہ سجدے میں گر جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اپنا سر اٹھایئے اور کہیے! آپ کی بات سنی جائے گی، آپ جو شفاعت کریں گے قبول کی جائے گی۔ پس میں اپنا سر اٹھاؤں گا، میں کہوں گا: اے اللہ! ''میری امت! میری امت!'' اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: آپ جایئے اپنی امت کی طرف، جس کے دل میں آدھے جو کے برابر بھی ایمان نظر آئے اس کو بھی جنت میں داخل کرلیں۔ (رعایت ہوجائے گی)۔ میں جاؤں گا اور جس کے دل میں آدھے جو کے برابر ایمان نظر آئے گا اس کو بھی جنت میں داخل کر دوں گا۔ (جب پھر آؤں گا تو) اللہ رب العزت کا دیدار نصیب ہوگا۔ میں تیسری دفعہ اللہ رب العزت کے حضور سجدہ کروں گا۔ اللہ رب العزت ارشاد فرمائیں گے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اپنا سر اٹھایئے۔ آپ کہیے، آپ کی بات سنی جائے گی۔ آپ کہیے، آپ کی بات قبول کی جائے گی۔ آپ شفاعت کیجیے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ پھر میں اپنا سر اٹھاؤں گا۔ میں کہوں

گا: ”میری امت! میری امت!“ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: آپ اپنی امت کی طرف جایئے، اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان پائیں گے اس کو جنت میں داخل کر دیجیے۔ (اللہ اکبر کبیرا)۔ میں جاؤں گا اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان پاؤں گا اس کو جنت میں داخل کر دوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ بندوں کے حساب سے فارغ ہو جائیں گے اور جو کوئی میری امت میں سے باقی رہ جائے گا (جن کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان نہیں ہوگا) وہ بھی جہنم میں ڈال دیے جائیں گے، جیسے کافر، مشرک اور منافق ڈالے جائیں گے۔ جب میری امت کے یہ لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ جب تک چاہیں گے ان کو اس حال میں رکھیں گے اور جب اپنی رحمت فرمانا چاہیں گے تو جہنمیوں کی جو آگ کی دیواریں ان کو الگ الگ کریں گی، اللہ تعالیٰ ان کو شیشہ بنا دیں گے۔ اس شیشے سے کافر انہیں دیکھیں گے۔ جب وہ کافر ان کو دیکھیں گے تو وہ جہنمی ان کو کہیں گے: تم تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے تھے، اللہ کی عبادت کرتے تھے، تمہاری عبادت بھی تمہارے کام نہ آئی؟ (جب کافر یہ طعنہ دیں گے تو) اللہ رب العزت فرمائیں گے: مجھے اپنی عزت کی قسم! میں رائی کے دانے سے بھی کم ایمان رکھنے والے ان بندوں کو جہنم سے نکال لوں گا۔ پس ان کی طرف فرشتوں کو بھیجا جائے گا اور ان جہنمیوں کو نکالا جائے گا۔ ان کے جسم جل کر کوئلے کے مانند ہو چکے ہوں گے۔ پھر ان کو جنت کے اندر ”نہرِ حیات“ کے پانی میں داخل کیا جائے گا۔ جیسے طوفان کی جھاگ کے اندر دانے سے پودا نکل آتا ہے اسی طرح جب ان کو اس پانی میں ڈالیں گے تو یہ اندر سے بالکل صحت مند اور خوب صورت انسان بن کر نکل آئیں گے۔ اور ان کی آنکھوں کے

درمیان (یعنی ماتھے کے اوپر مہر لگادی جائے گی) لکھا جائے گا کہ یہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں۔ یہ جائیں گے اور جنت میں داخل کردیے جائیں گے۔ (اب جب جنت میں رہیں گے تو جنتی ان کے ماتھے پر مہر اور ٹھپہ لگا ہوا دیکھیں گے تو ان سے مذاق کریں گے کہ ہم تو نمبروں سے پاس ہو کر آئے ہیں اور تم رعایتی پاس ہو)۔ چنانچہ جنتی ان سے کہیں گے: یہ تو جہنمی تھے (اللہ نے اپنی رحمت سے ان کو جنت میں بھیج دیا)۔ اس وقت اللہ رب العزت فرمائیں گے: یہ اللہ عزوجل کے آزاد کردہ ہیں۔‘‘

اللہ رب العزت نے اتنے تھوڑے سے ایمان کی وجہ سے ان کو بھی بالآخر جنت عطا فرمادی۔ اگر اتنا تھوڑا سا بھی ایمان ہوگا تو وہ بھی کبھی نہ کبھی جنت میں جانے کا سبب بن جائے گا۔

ایمان کی سلامتی کی دعا کرتے رہیں:

اس لیے ایمان کے بارے میں ہر وقت خوف زدہ رہنا چاہیے۔ کیونکہ شیطان موت کے وقت پورا زور لگاتا ہے کہ بندے کو ایمان سے محروم کردے۔

......بدنظری سے ایمان سے محروم

......دین کے خلاف بات کرنے سے موت کے وقت ایمان سے محروم

......علما اور سنت کا استخفاف کرنے پر موت کے وقت ایمان سے محروم

اس لیے محتاط زندگی گزاریے۔ اپنے ایمان کو اللہ کے ذکر سے بڑھاتے رہیے اور یہ دعا مانگتے رہیے: اے اللہ! موت کے وقت ہمیں ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے رخصت فرمادینا۔ اللہ! تو اگر چاہے گا تو ہم ایمان کے ساتھ یہاں سے جائیں گے۔

یہاں سے جائیں گے۔

ہمارا حال تو اس بچی کی طرح ہے جو بارش کے موسم میں اپنے باپ کے ساتھ جا رہی تھی۔ پھسلنے کی جگہ سے گزرنے لگے تو باپ نے کہا: بیٹی! میرا ہاتھ پکڑ لو۔ بیٹی نے جواب دیا: ابو! اگر میں ہاتھ پکڑ بھی لوں گی تو جلدی چھوڑ بیٹھوں گی، آپ میرا ہاتھ پکڑ لیں، مجھے یقین ہے کہ آپ میرا ہاتھ نہیں چھوڑیں گے۔ اگر ہم اللہ کی رحمت کا ہاتھ پکڑ بھی لیں گے تو ہاتھ چھوڑ بیٹھیں گے، اے اللہ! آپ اپنی رحمت سے ہمارا ہاتھ پکڑ لیجیے، ہمیں یقین ہے کہ آپ جس کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں، اس کا ایمان دنیا سے سلامت چلا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے جانے کی توفیق عطا فرمائے اور جن کو ایمان کی دولت نصیب نہیں ہوئی، اللہ رب العزت ان کو ہدایت عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایمان کی عظمت

ازافادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

041-2618003

ایمان کی عظمت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ﴾ (النساء:۱۳۶)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (النساء:۱۳۶)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ۔“

یہ ایک عجیب آیت ہے، کیونکہ خطاب بھی ایمان والوں کو ہے۔ یہ تو نہیں کہا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ”اے کافرو!“

یہ بھی نہیں کہا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ نافقوا ”اے منافقو!“

یہ بھی نہیں کہا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا ”اے مشرکو!“

بلکہ فرما رہے ہیں:

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ''اے ایمان والو!'' اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ'' اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ''

دوسری دفعہ ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ مفسرین نے اس کی تفسیر لکھی ہے۔ اس کا مطلب ہے اتقوا یعنی تم تقویٰ اختیار کرو۔ ایک دوسرا مطلب یہ ہے کہ اے زبان سے اقرار کرنے والو! اپنے دل سے بھی اس کی تصدیق کرلو۔

اقرار لسانی اور تصدیق قلبی:

دل سے تصدیق کرنا ایک بڑا کام ہے۔ ؎

تو عرب ہے یا عجم ہے تیرا لا الہ الا

لغت غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

کلمہ پڑھ لینے سے کام مکمل نہیں ہوتا، بلکہ کام کی ابتدا ہوتی ہے۔ انسان کلمہ پڑھ کر اسلام کی حدود میں تو داخل ہو جاتا ہے، لیکن ایمان کامل پیدا کرنے کے لیے اعمالِ صالحہ کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس کو کہتے ہیں: اقرار باللسان و تصدیق بالقلب۔ اور ایمان لانے کے بعد انسان کو انہی دو باتوں کی تلقین کی جاتی ہے۔ اقرار باللسان کا درجہ تو انسان کو کلمہ پڑھتے ہی نصیب ہو جاتا ہے۔ ہم کلمہ پڑھنے والے جتنے بھی ہیں سب کے سب اقرار باللسان میں سو فیصد شامل ہیں، لیکن تصدیق بالقلب میں مراتب ہیں، جو جتنے نیک اعمال کرتا ہے وہ اس بات کی اتنی ہی تصدیق کرتا ہے، لہٰذا جو کامل مومن ہوگا وہ اعمال کے ذریعے اس کی سو فیصد تصدیق کرے گا، اس کا کوئی عمل بھی خلاف شرع نہ ہو

گا۔

کردار کے غازی بننے کی ضرورت:

قول اور فعل دونوں میں فرق ہوتا ہے۔قول سے فعل تک بات پہنچانے کے لیے کچھ کر کے دکھانا پڑتا ہے۔زبان سے بات کہہ دینا اور چیز ہے، اور عمل سے اس کو ثابت کر دینا اور چیز ہے۔آج یہی چیز تو زیادہ توجہ طلب ہے۔ہم قال کے تو غازی ہیں، مگر اعمال میں شکست کھانے والے ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے اپنے بارے میں کہا: ؎

اقبال بڑا اپدیشک ہے من، باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا، کردار کا غازی بن نہ سکا

بتانے کا مقصد یہ ہے کہ گفتار کا غازی اور چیز ہے اور کردار کا غازی اور چیز ہے، بلکہ علامہ اقبال اسی نظم کے مطلع میں مسلمانوں کی حالت زار پر یوں رقم طراز ہیں: ؎

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

ایمان کی نشاندہی:

دراصل ایمان کی نشاندہی انسان کے اعمال سے ہوتی ہے۔جس قدر اعمال میں پختگی ہوتی ہے اسی قدر ایمان مضبوط ہوتا ہے۔پھر انسان کا عمل ہی تبلیغ کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔اس لیے خاموش تبلیغ جتنی موثر ہے اتنی زبانی تبلیغ موثر نہیں ہے۔

معاملات ہوں تو ایسے:

آپ حیران ہوں گے کہ دنیا میں پورا ایک ملک دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے دکان بنا لینے سے مسلمان ہو گیا۔ وہ کیسے؟...... دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما انڈونیشیا میں گئے، وہاں جا کر انہوں نے اپنی دکان بنا لی، وہ دن میں پانچ مرتبہ دکان بند بھی کرتے اور جمعہ کے دن چھٹی بھی کرتے۔ جب وہ دکان سے چلے جاتے تو لوگ ان کے انتظار میں کھڑے رہتے اور قطاریں بھی لگی رہتیں۔ لوگ کہتے کہ ہم نے یہاں معاملات کی صفائی دیکھی ہے، لہٰذا ہم تو سودا انہی سے لیں گے۔ جب طبیعتیں مانوس ہو گئیں تو لوگوں نے ان سے پوچھا: بھئی! کیا بات ہے کہ آپ درمیان میں دکان بند کر کے چلے جاتے ہیں اور لوگ پھر بھی آپ سے سودا لینا پسند کرتے ہیں، آپ کو دکانداری کے یہ اصول کس نے بتائے ہیں؟

لوگوں کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے پیغمبر علیہ السلام نے ہمیں تجارت کے یہ اصول بتائے ہیں۔ جب ان لوگوں کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے کہا کہ ہم بھی مسلمان بننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ لوگ مسلمان ہونا شروع ہو گئے، حتیٰ کہ ان دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کی برکت سے پورے ملک کے لوگ مسلمان ہو گئے۔ سبحان اللہ!

غور کیجیے کہ آج کل تو لوگ تقریروں اور خطبوں سے مسلمان نہیں ہوتے، مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کی دکانداری سے لوگ مسلمان ہو جاتے تھے۔ یہ ہوتی ہے قول اور فعل میں مطابقت۔

لمحۂ فکریہ:

آج جو ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، ہم ذرا غور کریں کہ کیا ہماری

آنکھیں مسلمان بن گئیں؟ اگر یہ مسلمان بن چکی ہیں تو یہ پھر غیر محرم کی طرف نہیں اٹھیں گی۔ اگر غیر محرم کی طرف اٹھ جاتی ہیں تو ابھی مسلمان نہیں بنیں۔ کیا یہ زبان مسلمان بن چکی ہے؟ اگر بن گئی ہے تو اس سے جھوٹ اور غیبت نہیں نکل سکتی اور اگر نکلتی ہے تو پھر ابھی مسلمان نہیں بنی۔ کیا ہمارے کان مسلمان بن گئے؟ اگر یہ بن چکے ہیں تو پھر اب خلافِ شرع باتیں نہیں سن سکتے۔ اگر سنتے ہیں تو پھر ابھی نہیں بنے۔ کیا ہماری شرمگاہ مسلمان بن چکی ہے؟ اگر یہ مسلمان بن چکی ہے تو پھر اس سے خطا نہیں ہو سکتی۔ اگر خطا ہو جاتی ہے تو پھر ابھی مسلمان نہیں بنی۔ ہم اپنے ہر ہر عضو کے بارے میں سوچیں کہ ہم نے اپنے کس کس عضو کو مسلمان بنا لیا ہے، اگر ہر ہر عضو گناہوں میں لتھڑا ہوا نظر آتا ہے تو سوچیے کہ مسلمانی کس چیز کا نام ہے؟ جب یہ اعضا انفرادی طور پر ابھی مسلمان نہیں بنے تو ہم اپنے آپ کو حقیقی معنوں میں کیسے مسلمان کہہ سکتے ہیں؟

ے

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ایمان کا مقام:

دل ایمان کا محل ہے جو کہ ایمان سے بھرتا ہے۔ یہ بہت بڑی دولت ہے، حتیٰ کہ انسان کے پاس اس کی جان سے بھی زیادہ قیمتی دولت اس کا ایمان ہے۔ اللہ رب العزت کے ہاں ایمان کی اتنی قیمت ہے کہ اگر ساری دنیا کافروں سے بھر جائے تو وہ ایک مؤمن کے برابر نہیں ہو سکتے۔ قیامت کے دن ایک آدمی ننانوے دفتر گناہوں کے لے کر آئے گا اور اس کے مقابلے میں ایک فرشتے کے پاس ایک چھوٹی سی پرچی ہو گی۔ فرشتہ اس پرچی کو نیکیوں کے پلڑے میں رکھ

دے گا۔کاغذ کا وہ پرزہ اس کے گناہوں کے ننانوے دفتروں سے بھاری ہو جائے گا۔وہ پوچھے گا: یا اللہ! یہ کیا معاملہ ہے؟ اللہ رب العزت فرمائیں گے کہ یہ تیرا ایمان ہے، اس ایمان کے مقابلہ میں زمین وآسمان کو رکھ دیا جائے تو بھی ایمان بھاری ہوگا۔ (المعجم الاوسط: ج ۵ ص ۷۹، حدیث: ۴۷۲۵) ہمیں بھی یہ چیز اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ہمارا ایمان ہماری اصل دولت اور خزانہ ہے، کیونکہ جب انسان کو کسی چیز کی اہمیت کا پتہ نہیں ہوتا تو وہ اسے آسانی سے گنوا دیتا ہے۔مثلا: ڈاکو ڈاکہ ڈال لیتے ہیں اور بندے کو پتہ بھی نہیں چلتا۔

ایک دلچسپ حکایت:

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت لکھی۔وہ فرماتے ہیں کہ جب میں چھوٹا سا تھا تو میری والدہ نے مجھے سونے کی انگوٹھی بنوا کر دی۔میں انگوٹھی پہن کر باہر نکلا تو مجھے ایک ٹھگ مل گیا۔اس کے پاس گڑ کی ڈلی تھی۔اس نے مجھے بلایا اور کہا کہ یہ چکھو۔میں نے گڑ کو چکھا تو میٹھا لگا۔پھر وہ کہنے لگا کہ اب اپنی انگوٹھی کو چکھو۔جب میں نے اپنی انگوٹھی کو چکھا تو کچھ لذت محسوس نہ ہوئی۔وہ مجھے کہنے لگا کہ یہ بے لذت چیز دے دو اور لذت والی چیز لے لو۔میں نے اس کی باتوں میں آ کر اسے سونے کی انگوٹھی دے دی اور گڑ کی ڈلی لے لی۔

ایمان اور مشاہدہ میں فرق:

یہ عاجز اس بات کو سمجھانے کی خاطر آپ حضرات سے ایک سوال پوچھتا ہے، آپ اس کا جواب دیجیے گا۔کیا آپ حضرات کا ایمان ہے کہ میرے ہاتھ میں قلم ہے؟ (سامعین نے بیک زبان ہو کر کہا: جی ہاں!) سب حضرات فرما

رہے ہیں: جی ہاں، حالانکہ یہ جواب غلط ہے۔ سوال یہ تھا کہ کیا آپ کا ایمان ہے کہ میرے ہاتھ میں قلم ہے اور آپ دیکھ کر فرما رہے ہیں: جی ہاں۔ میرے بھائی! دیکھ کر کہنا تو ''مشاہدہ'' کہلاتا ہے، لہٰذا یہ ایمان نہیں ہے۔ اگر یہ عاجز یہ سوال کرتا کہ کیا آپ کا ایمان ہے کہ میری جیب میں قلم ہے؟ اور آپ مجھ پر یقین کرتے ہوئے کہ منبر پر بیٹھ کر کیوں جھوٹ بولیں گے، تصدیق کر دیتے تو پھر یہ ایمان ہوتا، لہٰذا اب تو یہ مشاہدہ ہے۔ ایمان اور مشاہدہ کے درمیان فرق کرنے کی ضرورت ہے۔ دیکھنا کچھ اور چیز ہے اور بن دیکھے کسی پر اعتماد کر کے کچھ مان لینا اور چیز ہے۔ ایمان یہ ہے کہ ہم نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر اعتماد کرتے ہوئے ہر اس چیز کو تسلیم کر لیا جو وہ اپنے رب کی طرف سے لے کر آئے۔ یہ بن دیکھا سودا ہے، جب دیکھ لیں گے تو پھر اس کی قیمت نہیں رہے گی۔

ایک سبق آموز حکایت:

کتابوں میں ایک حکایت لکھی ہے، اس سے آپ کو بات ذرا جلدی سمجھ آ جائے گی۔ ہارون الرشید کے زمانے میں بہلول دانا نامی ایک بزرگ گزرے ہیں، وہ مجذوب اور صاحب حال تھے۔ ہارون الرشید ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ خاتون بھی ایک نیک اور پارسا عورت تھی۔ اس نے اپنے محل میں ایک ہزار ایسی خادمائیں رکھی ہوئی تھیں جو قرآن کی حافظہ اور قاریہ تھیں۔ اب سب کی ڈیوٹیاں مختلف شفٹوں میں لگی ہوئی تھیں۔ چنانچہ اس کے محل میں چوبیس گھنٹے ان بچیوں کے قرآن پڑھنے کی آواز آ رہی ہوتی تھی۔ اس کا محل قرآن کا گلشن محسوس ہوتا تھا۔

ایک دن ہارون الرشید اپنی بیوی کے ساتھ دریا کے کنارے ٹہل رہا تھا کہ

ایک جگہ بہلول دانا کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔اس نے کہا: ''السلام علیکم'' بہلول دانا نے جواب میں کہا: ''وعلیکم السلام'' ہارون الرشید نے کہا: بہلول! کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں ریت کے گھر بنا رہا ہوں۔ پوچھا: کس لیے بنا رہے ہو؟ بہلولؒ نے جواب دیا کہ جو آدمی اس کو خریدے گا میں اس کے لیے دعا کروں گا کہ اللہ رب العزت اس کے بدلے اس کو جنت میں گھر عطا فرما دے۔ بادشاہ نے پوچھا: بہلول! اس گھر کی قیمت کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک دینار۔ ہارون الرشید سمجھا کہ یہ ایک دیوانے کی بات ہے، لہٰذا وہ آگے چلا گیا۔

اس کے پیچھے زبیدہ خاتون آئیں۔اس نے بہلولؒ کو سلام کیا۔ پھر پوچھا: بہلول! کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: میں گھر بنا رہا ہوں۔اس نے پوچھا: کس لیے گھر بنا رہے ہو؟ بہلول نے کہا کہ جو آدمی اس گھر کو خریدے گا میں اس کے لیے دعا کروں گا کہ یا اللہ! اس کے بدلے اس کو جنت میں گھر عطا فرما دے۔ اس نے پوچھا: بہلول! اس گھر کی کیا قیمت ہے؟ بہلول نے کہا: ایک دینار۔ زبیدہ خاتون نے ایک دینار نکال کر اس کو دے دیا اور کہا کہ میرے لیے دعا کر دینا۔ وہ دعا کروا کر چلی گئی۔

رات کو جب ہارون الرشید سویا تو اس نے خواب میں جنت کے مناظر دیکھے۔ آبشاریں، مرغزاریں اور پھل پھول دیکھنے کے علاوہ بڑے اونچے اونچے خوبصورت محلات بھی دیکھے۔ ایک سرخ یاقوت کے بنے ہوئے محل پر اس نے زبیدہ کا نام لکھا ہوا دیکھا۔ ہارون الرشید نے سوچا کہ میں دیکھوں تو سہی، کیونکہ یہ میری بیوی کا گھر ہے۔ وہ محل میں داخل ہونے کے لیے جیسے ہی دروازے پر پہنچا تو ایک دربان نے اسے روک لیا۔ ہارون الرشید کہنے لگا: اس

پر تو میری بیوی کا نام لکھا ہوا ہے، اس لیے میں نے اندر جانا ہے۔ اس نے کہا: نہیں، یہاں کا دستور الگ ہے، جس کا نام ہوتا ہے اسی کو اندر جانے کی اجازت ہوتی ہے، کسی اور کو اجازت نہیں ہوتی، لہٰذا آپ کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ جب دربان نے ہارون الرشید کو پیچھے ہٹایا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے بیدار ہونے پر فوراً خیال آیا کہ مجھے تو لگتا ہے کہ بہلول کی دعا زبیدہ کے حق میں اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہو گئی۔ پھر اسے اپنے آپ پر افسوس ہوا کہ میں بھی اپنے لیے ایک گھر خرید لیتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ وہ ساری رات اسی افسوس میں کروٹیں بدلتا رہا۔ صبح ہوئی تو اس نے دل میں سوچا کہ آج پھر میں ضرور دریا کے کنارے جاؤں گا۔ اگر آج مجھے بہلول ملے تو میں بھی ایک مکان ضرور خریدوں گا۔

چنانچہ شام کو پھر بیوی کو لے کر چل پڑا۔ وہ بہلول کو تلاش کرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک جگہ بہلول بیٹھا اسی طرح کے مکان بنا رہا تھا۔ اس نے کہا: ''السلام علیکم!'' بہلول نے جواب میں ''وعلیکم السلام'' کہا۔ ہارون الرشید نے پوچھا: کیا کر رہے ہو؟ بہلول نے کہا: میں گھر بنا رہا ہوں۔ اس نے پوچھا: کس لیے؟ بہلول نے کہا: جو آدمی یہ گھر خریدے گا میں اس کے لیے دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے بدلے جنت میں گھر عطا کر دے۔ ہارون الرشید نے پوچھا: بہلول! اس کی قیمت کیا ہے؟ بہلول نے کہا: اس کی قیمت پوری دنیا کی بادشاہی ہے۔ ہارون الرشید نے کہا: اتنی قیمت تو میں دے بھی نہیں سکتا۔ کل تو ایک دینار کے بدلے دے رہے تھے اور آج پوری دنیا کی بادشاہی مانگتے ہو۔ بہلول نے کہا: بادشاہ سلامت! کل بن دیکھے معاملہ تھا اور

آج دیکھا ہوا معاملہ ہے۔کل بن دیکھا سودا تھا اس لیے سستا مل رہا تھا اور آج چونکہ دیکھ کے آئے ہو، اس لیے اب اس کی قیمت زیادہ دینی پڑے گی۔

ہماری مثال ایسے ہی ہے کہ آج ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بن دیکھے مانا ہے، اس لیے جنت بڑی سستی ہے، لیکن جب موت کے وقت آخرت کی نشانیاں دیکھ لیں گے تو اس کے بعد پھر اس کی قیمت ادا نہیں کر سکیں گے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ ○ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيْهِ ○ وَ فَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْوِيْهِ ○ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ○﴾ (المعارج:۱۱ تا ۱۴)

روز محشر مجرم یہ تمنا کرے گا کہ کاش! میں اپنی سزا کے بدلے میں اپنا بیٹے دے دیتا، بیوی دے دیتا، خاندان والے دے دیتا، حتیٰ کہ جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب دے دیتا اور میں جہنم سے بچ جاتا۔فرمایا: کلا ''ہرگز نہیں، ہرگز نہیں''۔

سب سے زیادہ عجیب ایمان:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ جہاد سے واپس تشریف لاتے ہوئے دریا کے کنارے پر پڑاؤ ڈالا۔آپ اپنی ضرورت سے فارغ ہوئے اور آپ نے اسی وقت تیمم فرمالیا۔ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! وہ سامنے پانی ہے۔فرمایا: ہاں! کیا معلوم کہ یہاں سے وہاں جانے تک میری زندگی ساتھ دے گی یا نہیں دے گی۔اس لیے میں نے احتیاطاً تیمم کرلیا ہے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جا کر وضو فرمایا اور نماز ادا کی۔(مشکوۃ:۴۵۰)

ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے فرمایا: اے میرے صحابہ! یہ بتاؤ کہ سب سے زیادہ عجیب ایمان کن کا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے نبی! سب سے زیادہ عجیب ایمان فرشتوں کا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: نہیں! فرشتے کیسے ایمان نہیں لائیں گے، وہ تو نور سے بنے ہیں، عرش کے اوپر کے جہان کو دیکھتے ہیں اور وہ اللہ کی معصیت کر ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

﴿لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾

(التحریم: ٦)

''جو اللہ کے کسی حکم میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے''

لہٰذا ان کا ایمان تو اتنا عجیب نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! پھر انبیائے کرام علیہم السلام کا ایمان بڑا عجیب ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: نہیں، اس لیے کہ انبیائے کرامؑ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی اترتی ہے، انہیں معجزات ملتے ہیں۔ اگر انبیائے کرام ہی ایمان نہیں لائیں گے تو اور کون ایمان لائے گا؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حیران ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے نبی! اگر ان کا ایمان بھی اتنا عجیب نہیں ہے تو پھر کن کا ایمان عجیب ہے؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: تم نے تو میرا دیدار کیا ہے، تم نے جبرائیل علیہ السلام کو اترتے دیکھا ہے اور تمہارے سامنے قرآن آیا ہے، جب تم نے اتنی نشانیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت کا بھی مشاہدہ کر۔ میرے بعد میری امت کے کچھ لوگ آئیں گے، وہ میرے پردہ فرما جانے کے سینکڑوں سال بعد پیدا ہوں گے، وہ لوگ ایسے وقت میں آئیں گے جب نہ تو وہ میرا دیدار کریں گے، نہ وہ قرآن کو

اترتے دیکھیں گے اور نہ فرشتوں کو اترتے دیکھیں گے، مزید برآں ہر طرف فتنے ہوں گے شکوک وشبہات پیدا کیے جائیں گے، لیکن جب علما ان کے سامنے میری باتوں کو پیش کریں گے تو وہ میری محبت میں اس بات کو بن دیکھے مان لیں گے، ان لوگوں کا ایمان اللہ رب العزت کے ہاں بڑا ہی عجیب ہوگا۔

(المستدرک للحاکم: ج ۴ ص ۸۵، حدیث: ۶۹۹۳، جامع الاحادیث، حدیث: ۴۰۰)

استقامت کی اہمیت:

یقیناً یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہم نے اللہ اور رسول ﷺ کو بن دیکھے مانا ہے۔ اس مشکوٰۃ نبوت کو فروزاں ہوئے چودہ سو سال گزر چکے ہیں۔ آج چاروں طرف فتنے ہیں، ظلمت ہے، فساد ہے، ہر طرف لوگ ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے تیار ہیں اور آج سیدھے راستے سے ہٹانے کے لیے لوگ موجود ہیں۔ اس وقت جو ایمان کے اوپر جما رہے وہ اللہ رب العزت کے ہاں بڑا درجے والا ہے۔

زندگی گزارنے کے دو طریقے:

زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں: ایک طریقہ نظر کی زندگی گزارنا، یعنی جو کچھ آنکھ دیکھتی ہے اس کو مان لینا، مثلاً: آنکھ دیکھتی ہے کہ رشوت لینے میں فائدہ ہے، پیسہ آرہا ہے۔ آنکھ دیکھتی ہے کہ دھوکہ دے کر مال کماؤ، منافع زیادہ ہے۔ آنکھ دیکھتی ہے کہ ملاوٹ کرلیں تو زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ یعنی آنکھ دیکھتی ہے کہ ان کاموں میں زیادہ فائدہ ہے۔ اب جو بندہ اس پر عمل کرے گا وہ گویا مشاہدہ اور نظر کی زندگی گزارنے والا ہوگا اور دوسرا طریقہ ہے خبر کی زندگی گزارنا۔ مثلاً: ایک آدمی اللہ رب العزت کے حکموں کو دیکھتا ہے کہ ملاوٹ کرنے سے منع فرما

دیا گیا ہے، اس لیے نقصان کو دیکھ کر وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ رشوت لینا گناہ ہے، لہٰذا وہ پیچھے رک جاتا ہے۔ اسی طرح کسی کو دھوکہ دے کر مال حاصل کرنا گناہ ہے، لہٰذا وہ پھر بھی پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اس کو ایمان والی زندگی بھی کہتے ہیں۔

بالفاظ دیگر خبر کی زندگی سے مراد یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے جو دین ملا اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کر لیا جائے اور جو آدمی اپنی آنکھ سے دیکھتا پھرتا ہے، شرعی یا غیر شرعی ہر طریقے سے فائدے اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، وہ نظر کی زندگی گزارنے والا ہے۔ یاد رکھنا کہ ہماری کامیابی خبر کی زندگی گزارنے میں ہے، نظر کی زندگی گزارنے میں نہیں ہے۔ مثالوں سے بات واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پہلی مثال:

جادوگروں سے مقابلے کے دوران سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے چاروں طرف سانپ موجود ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں فقط عصا ہے۔ اگر ایسی حالت میں عقل سے پوچھیں کہ کیا کرنا چاہیے؟ تو عقل کہے گی کہ اپنی لاٹھی کو مضبوطی سے پکڑیں اور جو سانپ آپ کے قریب آئے یہ لاٹھی اس کے سر پہ ماریں اور اسے کچل کر رکھ دیں۔ اس طرح آپ بچ جائیں گے، مگر لاٹھی کو ہاتھ سے مت چھوڑنا، اگر چھوڑ بیٹھے تو امید کا آخری سہارا بھی ختم ہو جائے گا۔ اوپر پروردگار سے پوچھیں کہ اس حالت میں مجھے کیا کرنا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آتا ہے: اے میرے پیارے موسیٰ! اَلْقِ عَصَاكَ ''آپ اپنے عصا کو زمین پر ڈال دیجیے۔'' اب عقل چیختی ہے، چلاتی ہے، شور مچاتی ہے اور کہتی ہے کہ نہیں نہیں، لاٹھی کو زمین

یہ نہ ڈالنا، ورنہ تمہاری امید کی آخری کرن بھی ختم ہو جائے گی، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ رب العزت کے پیغمبر تھے، لہٰذا انہوں نے اس کے مطابق عمل کیا جو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔ جیسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو زمین پر ڈالا وہ عصا اژدھا بن گیا، اس نے سب سانپوں کو کھا لیا اور اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کامیاب فرما دیا۔

دوسری مثال:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے دریائے نیل ہے اور پیچھے فرعون کی فوج ظفر موج ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے دیکھا تو کہا:

اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (الشعراء:۶۱) ''اب تو ہم پکڑے گئے۔''

قَالَ: كَلَّا ''فرمایا: ہرگز نہیں۔''

ایک یقین بھری آواز اٹھی:

اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ''میرا رب میرے ساتھ ہے'' (وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا)۔

اب ایسے موقع پر عقل سے پوچھیں کہ بندے کو کیا کرنا چاہیے؟ عقل کہے گی کہ آگے پانی کا دریا ہے اور پیچھے انسانوں کا دریا ہے اور تم دونوں کے درمیان میں ہو۔ تمہارے ہاتھ میں صرف لاٹھی ہے تم اسے مضبوطی سے پکڑنا اور دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا، ہوسکتا ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ سے پوچھیے کہ رب کریم! ان حالات میں کیا کرنا چاہیے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اے میرے پیارے موسیٰ!

اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ

''آپ اس لاٹھی کو پانی پر ماریئے۔''

عقل چیختی ہے چلاتی ہے، شور مچاتی ہے اور کہتی ہے کہ پانی پر لاٹھی مارو گے تو کیا بنے گا؟ اگر لاٹھی مارنی ہی ہے تو فرعون کے سر پہ مارو، پانی پہ مارنے سے کیا ملے گا؟ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہی کام کیا جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب عصا کو پانی پر مارا تو بارہ راستے بن گئے۔ اللہ رب العزت نے ان کو کامیاب فرما دیا اور فرعون اور اس کی قوم کو دریا میں غرق فرما دیا۔

تیسری مثال:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر دریا سے آگے ''وادیٔ تیہ'' میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پانی نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے لوگ پانی نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہوئے اور کہنے لگے: حضرت! یہاں تو پانی بھی نہیں ہے، کیا کریں؟ اس موقع پر عقل سے پوچھیں تو عقل کہتی ہے کہ آپ کے پاس اس وقت اور تو کوئی ہتھیار نہیں ہے، صرف ایک لاٹھی ہے، لہٰذا آپ اس لاٹھی کی مدد سے ایک گڑھا کھودیں، ہوسکتا ہے کہ اس گڑھے میں سے پانی نکل آئے، لیکن ذرا آہستہ آہستہ احتیاط سے کھودنا، تا کہ کہیں لاٹھی ٹوٹ نہ جائے، اگر لاٹھی ٹوٹ گئی تو امید کا آخری سہارا بھی ختم ہو جائے گا۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے پوچھئے کہ یا اللہ! اب کیا کرنا چاہیے؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے پیارے نبی!

﴿اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ (الاعراف: ١٦٠)

''آپ پتھر پر لاٹھی ماریئے۔''

جب عقل سنتی ہے کہ پتھر پر لاٹھی ماریئے تو عقل پھر حیران ہو کر کہتی ہے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ پتھر پر ماریں گے تو لاٹھی بھی ٹوٹ جائے گی اور امید کا آخری سہارا بھی ختم ہو جائے گا، مگر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر علیہ السلام نے وہی کیا جو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ لہٰذا جب پتھر پر مارا تو پتھر میں سے چشمے جاری ہو گئے اور اللہ رب العزت نے ان کو کامیاب فرما دیا۔ ان مثالوں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نظر کے راستے پر چلنے والے ناکام ہوتے ہیں، جب کہ خبر کے راستے پر زندگی گزارنے والے کامیاب ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے حکموں کے ساتھ چمٹ جائیں!

کفار نظر کے راستے پر عمل کرنے والے ہیں اور مومن مسلمان خبر کے راستے پر عمل کرنے والے ہیں۔ اس لیے یہ بات ذہن میں اچھی طرح بٹھا لیجیے کہ ہم نے دنیا کے فائدوں کو نہیں دیکھنا، بلکہ ہم نے اللہ رب العزت کے حکموں کو دیکھنا ہے۔ ہمیں جو مرضی سامنے نظر آئے، حتیٰ کہ بہت سے فائدے بھی نظر آئیں تو ہم ان کو ٹھوکر لگا کر اللہ کے حکموں کے ساتھ چمٹ جائیں گے۔

انسان اور آزمائش:

اللہ رب العزت کی طرف سے اس دنیا میں ہر انسان پر آزمائشیں آتی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ خبر کے راستے پر زندگی گزارنے والوں کو ہمیشہ کامیاب فرما دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا کہ بس

وہ یہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے؟“

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

”حالانکہ ہم نے اُن سب کی آزمائش کی ہے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں“

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ﴾

(العنکبوت: ۲،۳)

”لہٰذا اللہ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ ہیں جنہوں نے سچائی سے کام لیا ہے، اور وہ یہ بھی معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ جھوٹے ہیں“

لہٰذا انسان یہ گمان نہ کرے کہ ہم ایمان لے آئے اور اب ہمیں آزمایا نہیں جائے گا اور بس اتنی ہی بات کافی ہو جائے گی۔ ناں ناں ناں، بلکہ اللہ تعالیٰ آزمائیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (البقرة:۱۵۵)

”اور دیکھو ہم تمہیں آزمائیں گے ضرور، (کبھی) خوف سے، اور (کبھی) بھوک سے، اور (کبھی) مال وجان اور پھلوں میں کمی کر کے۔ اور جو لوگ (ایسے حالات میں) صبر سے کام لیں ان کو خوشخبری سنا دو“

ثابت یہ ہوا کہ اللہ رب العزت بغیر آزمائے کسی کے ایمان کو قبول نہیں کریں گے۔

ہر حال آزمائش کا حال:

اللہ رب العزت ہر انسان کو آزماتے ہیں۔ جس کے پاس پیسہ وافر ہے، پیسہ اس کے لیے آزمائش ہے۔ جو غریب ہے اس کے لیے غربت آزمائش ہے، جس کو صحت ملی ہے اس کے لیے صحت آزمائش ہے، جو بیمار ہے اس کے لیے بیماری آزمائش ہے۔ اللہ رب العزت ہر آدمی کو مختلف حالات میں رکھتے ہیں اور جس حالت میں اس کو رکھا جاتا ہے وہ اس حال میں آزمایا جارہا ہوتا ہے، تاکہ پتہ چلے کہ وہ واقعی دل سے ایمان لانے والوں میں سے ہے یا نہیں۔ جو اچھے حال میں ہو اسے چاہیے کہ شکر ادا کرے، جو برے حال میں ہو اسے چاہیے کہ صبر کرے۔ شکر کرنے والا بھی جنتی اور صبر کرنے والا بھی جنتی ہوگا۔

ادلتے بدلتے دن:

اللہ تعالیٰ انسان کو ہمیشہ ایک ہی حال میں نہیں رکھتے، بلکہ

﴿ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ (آل عمران: ۱۴۰)

''یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں''

آج جس گھر میں خوشیاں منائی جارہی ہوتی ہیں کل اسی گھر میں رونا پیٹنا ہو رہا ہوتا ہے۔ جو آج جوانی کے نشے میں مخمور ہوتا ہے کل وہی بستر علالت پر صاحب فراش ہوتا ہے۔ ؎

خوشی کے ساتھ دنیا میں ہزاروں غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتی ہیں شہنائیاں وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

آزمائش میں ڈالنے کا مقصد:

یاد رکھنا! آج اگر ہم نے برتن خریدنے ہوں تو ان کو بھی ٹھونک بجا کر دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح ایمان کے معاملے میں بندے کو ٹھونک بجا کے دیکھتے ہیں اور بندے کے ایمان کا فوراً پتہ چل جاتا ہے۔ جو کچے یقین والے ہوتے ہیں وہ پیچھے بھاگ جاتے ہیں اور فقط وہی جمے رہتے ہیں جن کا ایمان بہت مضبوط ہوتا ہے۔

ایمان کا امتحان:

آزمائشیں اللہ والوں پر بھی آیا کرتی ہیں۔ پہلے زمانے میں بھی آزمائشیں تھیں اور آج کے زمانے میں بھی آزمائشیں ہیں۔ اوپر سے بارش بند ہے، نیچے سے چشمے بند ہیں اور درختوں پہ پھل نہیں ہیں۔ ایسے میں اللہ پہ یقین کیسے رکھنا۔ دوسری طرف سے امدادوں کی بھرمار لگی ہوئی ہے اور کہا جاتا ہے کہ جلدی آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کے دفتر سے نام کٹوا کر ہمارے دفتر میں لکھواؤ۔ ایمان کا یہاں پر مظاہرہ کرنا ہے اور کہنا ہے کہ نہیں، ہم نے اللہ کو اپنا پروردگار مانا ہے۔ اس لیے ہم اپنے ایمان سے ایک انچ بھی آگے پیچھے نہیں ہوسکتے۔ یہ ہے ایمان کا امتحان۔۔ ہر دور اور ہر زمانے میں امتحان کے مختلف طریقے ہوا کرتے ہیں۔ ایک طرف بھوک پیاس نظر آرہی ہے اور دوسری طرف مال دکھایا جارہا ہے اور کہا جارہا ہے کہ آؤ اور ہماری دعوت کو قبول کرلو۔ ہم خزانوں کے منہ کھول دیں گے۔ اب فیصلہ یہ ہونا ہے کہ یہاں پر اللہ کا بندہ کون ہے اور دنیا کا بندہ کون ہے؟ یاد رکھنا کہ ہمارا پروردگار اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کو چالیس سال تک بغیر کسی محنت کے من وسلویٰ عطا کرسکتا ہے تو وہ پروردگار ہمیں بھی رزق

عطا فرما سکتا ہے۔ اس لیے ہم اس کے خزانوں پر یقین رکھتے ہیں، اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے، بلکہ یہ ہماری بداعمالیاں ہیں جنہوں نے رزق کے دروازوں کو بند کیا ہوا ہے۔

رزق کے دروازے بند ہونے کی اصل وجہ:

انسانوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رزق کے دروازوں کو بند کر دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا﴾ (طٰهٰ : ١٢٤)

''اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا تو اس کو بڑی تنگ زندگی ملے گی''

جو اللہ کی یاد سے اعراض کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی معیشت کو تنگ کر دیتے ہیں۔ اگر ہم گناہ کرنا چھوڑ دیں تو پھر دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کی کتنی بہتات ہو گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (الاعراف: ٩٦)

اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین دونوں طرف سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔''

﴿لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ (المائدۃ:٦٦)

''وہ اپنے اوپر اور نیچے ہر طرف سے (اللہ کا رزق) کھاتے''

آزمائش کو خندہ پیشانی سے قبول کیجیے!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ہر بندے کو آزمائیں گے، تاکہ کھرے اور

کھوٹے کی پہچان ہو جائے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہیں۔ ہم کمزور ہیں، آزمائش کے قابل نہیں ہیں، لیکن اگر کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی آزمائش آ جائے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پروردگار جو بوجھ سر پر رکھتا ہے پھر اسے اٹھانے کی توفیق بھی عطا فرما دیتا ہے۔

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة:۲۸۶)

''اللہ تعالیٰ کسی کی ہمت سے زیادہ اس پر بوجھ نہیں ڈالتے۔''

کیا ہم ایک بچے کے اوپر ایک من کا بوجھ کبھی ڈالیں گے؟ نہیں ڈالیں گے ناں، بلکہ کسی بچے کو کچھ وزن اٹھوانا بھی ہو تو پہلے دیکھیں گے کہ یہ بچہ اتنا وزن اٹھا بھی سکے گا یا نہیں۔ جب ہم جیسے لوگ بھی اس بات کو دیکھتے ہیں کہ اتنا بوجھ بچے پر ڈالنا مناسب نہیں تو اللہ رب العزت بھی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ سر پر بوجھ بعد میں ڈالتے ہیں اور اسے اٹھانے کی ہمت پہلے دے دیتے ہیں۔ اس لیے اگر کوئی آزمائش آ بھی جائے تو اسے خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کیجیے اور دل میں کہیے: ؎

تیرا غم بھی مجھ کو عزیز ہے
کہ یہ تیری دی ہوئی چیز ہے

اس لیے آزمائش پہ ثابت قدم رہیے۔ یہ امتحان پہلے بھی ہوئے اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا ایمان افروز واقعہ:

آپ کو ایک ایمان افروز واقعہ سناتا ہوں، اسے توجہ سے سنیے گا!

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ
''اور ہم نے وحی کی موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو کہ تم اپنے بچے کو دودھ پلاؤ۔''
فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ
''اور اگر تمہیں اس کے بارے میں ڈر لگے کہ فرعون کے فوجی اس کو قتل نہ کر دیں''
فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ
''تو تم اسے پانی میں ڈال دینا''
اور آگے فرمایا:
يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ
''اس کو جو پکڑے گا وہ میرا بھی دشمن ہوگا اور اس کا بھی دشمن ہوگا۔''
اور ساتھ تسلی بھی دیتے ہیں کہ
وَلَا تَخَافِىْ ''ڈرنا بھی نہیں ہے۔''
وَلَا تَحْزَنِىْ ''اور غمزدہ بھی نہیں ہونا۔''
اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ
''ہم اسے تیرے پاس لوٹائیں گے۔''
وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (القصص: ۷)
''اور ہم نے تو اسے رسولوں میں سے بنایا ہے۔''
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں ایک عورت تھیں۔ وہ ذہن میں سوچ سکتی تھیں کہ اے اللہ! اگر آپ نے اس کو رسولوں میں سے بنایا ہے تو فرعون کا کوئی فوجی ادھر

آ ہی نہ سکے، یا اے اللہ! میں اسے کسی غار میں رکھ آتی ہوں اور ادھر کوئی جا ہی نہ سکے، یا میں اسے گھر کی چھت پر رکھ دیتی ہوں، تاکہ بچہ محفوظ رہے، مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بچے کو پانی میں ڈالنا۔ عقل کہتی ہے کہ پانی میں بچہ ڈوب جائے گا۔ اچھا! اس کو صندوق میں ڈالتی ہوں، صندوق میں ڈالے گی تو اس کے اندر پانی بھر جائے گا، اگر سارے سوراخ بند کریں تو ہوا کے اندر نہ جانے کی وجہ سے آکسیجن نہیں مل سکے گی۔ جس کی وجہ سے بچہ مر جائے گا۔ عقل یہ کہتی ہے کہ یا تو یہ پانی کی وجہ سے مرے گا یا ہوا نہ ہونے کی وجہ سے مرے گا۔ تیرا بچہ باقی نہیں بچے گا، لیکن اس عورت نے اللہ تعالیٰ کے وعدے پر بھروسہ کیا اور اپنے جگر گوشہ کو دریا کے اندر ڈال دیا اور واپس آ گئی۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیے کہ فرعون اپنی بیوی کے ساتھ دریا کے کنارے ٹہل رہا تھا۔ چار سو غلام اس کے آگے پیچھے اور ارد گرد تھے۔ انہوں نے جب صندوق کو دیکھا تو اٹھا لیا اور فرعون کے سامنے پیش کر دیا۔ جب صندوق کھولا گیا تو اس میں بچے کو پایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ﴾ (طه:٣٩)

''اے پیارے موسیٰ! ہم نے آپ کے چہرے پر محبت کی تجلی ڈال دی تھی،''

گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرۂ اقدس کو زیبائی عطا کر کے ایسا دلکش بنا دیا تھا کہ جو بھی دیکھتا وہ دل دے بیٹھتا۔ چنانچہ جیسے ہی فرعون کی بیوی نے دیکھا تو کہنے لگی:

﴿لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾

''تم نے اسے قتل نہیں کرنا، یا یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں گے۔''

بیوی کی بات سن کر فرعون نے سوچا کہ جب ہم اسے بیٹے کی طرح پالیں گے تو پھر یہ ہماری حکومت ہم سے نہیں چھینے گا، کیونکہ ہمارا ممنونِ احسان ہوگا۔ اس نے کہا: ''ہاں! ٹھیک ہے، اس کو قتل نہیں کرتے۔'' اس کی عقل نے اسے دھوکہ دے دیا۔ ہزاروں بچوں کو قتل کروانے والا کتنے آرام سے دھوکہ کھا رہا ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ فرعون کی بیوی نے جب یہ سنا تو وہ خوش ہوگئی اور کہنے لگی:

﴿قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ﴾

''کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔''

فرعون نے اس کے جواب میں کہا:

قُرَّتُ عَيْنٍ لَّكَ

''یہ تیری آنکھوں کی تو ٹھنڈک ہے'' (لیکن مجھے اس کی ضرورت نہیں)

''تفسیر روح المعانی'' میں لکھا ہے کہ جب فرعون کی بیوی نے ''قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ'' کہا تھا اس وقت اگر فرعون بد بخت صرف ہاں کر دیتا تو اس ہاں کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو بھی ایمان لانے کی توفیق نصیب فرما دیتا۔

چونکہ فرعون کی بیوی (حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا) خوش ہوئی تھیں، اس لیے فرعون نے اس خوشی کی وجہ سے پر وہاں پر موجود چار سو غلاموں کو آزاد کر دیا۔ تفسیر میں ایک عجیب نکتہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ابھی بچپن میں تھے، مگر جب وہاں پہنچے تو چار سو غلاموں کی آزادی کا سبب بن گئے۔ اسی طرح اللہ والے جس آبادی

میں چلے جاتے ہیں اس آبادی کے لیے نفس اور شیطان کی غلامی سے آزادی پانے کا سبب بن جایا کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو محل میں لے جایا گیا تو انہیں دودھ پلانے کے بارے میں فکر ہونے لگی۔ عورتوں نے انہیں دودھ پلانا چاہا، مگر انہوں نے دودھ نہ پیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾

''اور ہم نے ان پر دوسری عورتوں کا دودھ حرام کر دیا تھا۔''

فرعون بڑا پریشان ہوا کہ بچہ دودھ نہیں پیتا۔ اس نے کہا: کچھ اور عورتوں کو بلاؤ۔ چنانچہ کئی عورتوں کو بلایا گیا، لیکن بچے نے کسی کا بھی دودھ نہ پیا۔ فرعون اور زیادہ پریشان ہوا۔ اسی حال میں رات گزر گئی۔

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بہت ہی زیادہ پریشان حال تھیں۔ دکھ اور غم کے ساتھ صبح کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا﴾

''قریب تھا کہ دہ یہ سارا راز کھول دیتیں، اگر ہم نے ان کے دل کو سنبھالا نہ ہوتا۔''

یعنی وہ رو پڑتی اور لوگوں کو پتہ چل جاتا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کو ربط قلوب عطا فرما دیا۔ انہوں نے اپنی بیٹی سے کہا کہ جاؤ اور اپنے بھائی کا پتہ کر کے آؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن بھاگی گئی۔ اس نے فرعون کے محل میں جا کر دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام گود میں لیٹے ہوئے ہیں، عورتیں ان کو دودھ پلانے کی کوشش کر رہی ہیں اور وہ دودھ نہیں پی رہے اور فرعون بہت پریشان ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے فرعون سے کہا:

﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ﴾

''کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کے بارے میں نہ بتاؤں کہ جو اس بچے کو دودھ پلائیں گے، وہ اس کی اچھی پرورش کریں گے اور اس کے بڑے خیر خواہ ہوں گے؟''

جب اس نے یہ کہا کہ وہ اس کے بڑے خیر خواہ ہوں گے تو فرعون کو بات کھٹک گئی۔ چنانچہ وہ کہنے لگا: اچھا! کیوں خیر خواہ ہوں گے؟ وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھی، اس لیے نہایت سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگی کہ ہم آپ کی رعایا ہیں، اگر ہم ہی خیر خواہی نہیں کریں گے تو پھر آپ کی خیر خواہی کون کرے گا؟ فرعون کہنے لگا: ہاں! بات تو ٹھیک ہے، اچھا جاؤ! جس کو چاہو بلا کر لاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن دوڑتی ہوئی گھر آئی اور کہنے لگی: امی! چلیں، بھائی دودھ نہیں پی رہا۔ چنانچہ آپ کی والدہ آئیں، انہوں نے دودھ پلانا شروع کر دیا اور بچے نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون بہت خوش ہوا کہ چلو پریشانی ختم ہوگئی۔

دو تین دن تو اس نے محل ہی میں دودھ پلایا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ میں تو اپنے گھر میں جا کر رہوں گی۔ مجھ سے تو محل میں نہیں رہا جاتا۔ فرعون کہنے لگا: اچھا! پھر تم اس بچے کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ اپنے گھر جا کر تم اس کو دودھ پلاتی رہنا۔ میں نے خزانے سے تمہاری تنخواہ مقرر کر دی ہے، لہٰذا میں ہر مہینے تمہاری تنخواہ بھیج دیا کروں گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ ''ہم نے اسے لوٹا دیا اس کی ماں کے پاس''

كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا ''تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔''

وَلَا تَحْزَنَ ''اور وہ غمزدہ نہ ہو۔''

وَلِتَعْلَمَ ''اور وہ جان لے''

اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ''کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔''

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝﴾

''لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔''

دوگنا انعام:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

﴿مَثَلُ الَّذِیْ یَعْمَلُ وَ یَحْتَسِبُ فِیْ صُنْعَتِهِ الْخَیْرَ كَمَثَلِ اُمِّ مُوْسٰی تُرْضِعُ وَلَدَهَا وَ تَأْخُذُ اَجْرَهَا﴾

(تفسیر ابن کثیر: ۲۲۴۶ سورۃ القصص)

''جو بندہ عمل کرتا ہے اور اپنے اس عمل پر ثواب کی امید رکھتا ہے، اس کی مثال موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرح ہے کہ جو اپنے ہی بیٹے کو دودھ پلاتی تھیں اور اس کی اجرت بھی وصول کرتی تھیں''

ایمان کی حفاظت:

ہمیں اللہ رب العزت کی ذات پر مکمل بھروسہ ہونا چاہیے۔ ہم یوں ہو جائیں جیسے ہمارے پاؤں کے نیچے چٹان ہے، حتیٰ کہ کوئی ہمیں سولی پر چڑھا

دے یا کوئی زندہ حالت میں ہمارے جسم سے کھال اتارنے کی کوشش کرے، ہم پھر بھی دل میں ایمان کو مضبوط رکھیں۔ ہم یہ کہیں کہ تو ہمارے جسم سے جان تو نکال سکتا ہے، لیکن ہمارے دل سے ایمان کو نہیں نکال سکتا۔

اللہ والوں کی استقامت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کچھ مسلمان کافروں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ جب کافر لوگوں نے دیکھا تو انہوں نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ بجائے اس کے کہ آپ ان کو قتل کریں یا کوئی اور سزا دیں۔ آپ ان لوگوں کو اس طرح قائل کریں کہ یہ آپ کے دین کو اختیار کر لیں، کیونکہ ان کے چہروں سے ایسی بہادری ٹپکتی ہے کہ آپ کی فوج کے سپہ سالار بن سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کوشش کی کہ ہم کسی طرح ان کو اپنے دین کی طرف مائل کر لیں۔ پہلے انہوں نے ان کو لالچ دیا، لیکن جب دیکھا کہ دال نہیں گلتی تو پھر انہیں ڈرایا دھمکایا، حتیٰ کہ انہیں یہ کہا گیا کہ ہم تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے، بہتر یہ ہے کہ تم ہمارے دین کو قبول کر لو۔ لیکن ان کا جواب یہی تھا:

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا

تو جو کر سکتا ہے اپنا زور لگا لے، تو کیا کر لے گا، یہی ہوگا کہ تیرے اس تکلیف دینے سے ہمیں موت آ جائے گی۔

جب ان کی طرف سے یہ جواب سنا تو وہ سٹپٹا اٹھے اور پریشان ہوئے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ بالآخر زچ ہو کر انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ ہم ایک جگہ تیل گرم کرتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک کو اس میں ڈالتے ہیں، شاید اس کی وجہ سے دوسرا ڈر جائے اور ہمارے دین کو قبول کر لے۔ چلو سب

نہیں تو ان میں سے ایک تو ہاتھ آ ہی جائے گا۔ چنانچہ تیل گرم کیا گیا اوران کو اس کے پاس بٹھا کر ڈرایا گیا کہ اگر تم ہماری بات کو قبول نہیں کرتے تو تمہیں اس تیل کے اندر ڈال دیا جائے گا۔ جب دیکھا کہ وہ اپنی بات پر جمے ہوئے ہیں تو انہوں نے ان میں سے ایک کو اٹھا کر گرم گرم تیل میں ڈال دیا۔ ذرا تصور کیجیے کہ جب تیل گرم ہو اور اس میں گوشت ڈالا جائے تو پھر کس طرح کباب بنتا ہے اور کیا نقشہ سامنے آتا ہے۔ ان میں سے ایک جب اس طرح کباب بن گئے تو لوگوں نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے چہرے کے تاثرات دیکھے۔ جب ان کو دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو نظر آئے۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ کچھ ڈر گئے ہیں۔ چنانچہ وہ کہنے لگے کہ ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ اگر تم ہماری بات مان لو گے تو ہم تمہیں کچھ بھی نہیں کہیں گے۔ چلو پہلے کے ساتھ تو جو کچھ پیش آیا، وہ تو ہو گیا، اب اگر تم ہماری بات مان لو تو ہم تمہیں تیل میں نہیں ڈالیں گے۔ اس پر انہوں نے بادشاہ کو جواب دیا کہ شاید تو سمجھتا ہے کہ میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ جیسے تو نے اس کو تیل میں ڈالا ہے اسی طرح تو مجھے بھی تیل میں ڈال دے گا، ہرگز ایسا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے یہ خیال آرہا ہے کہ میری یہ ایک ہی جان ہے، جب تم مجھے ایک دفعہ تیل میں ڈالو گے تو یہ تو ختم ہو جائے گی، کاش! کہ میرے جسم کے بالوں کے برابر میری جانیں ہوتیں، تو مجھے اتنی دفعہ تیل میں ڈالتا اور میں اتنی جانوں کا نذرانہ اپنے رب کے حضور پیش کر دیتا۔ سبحان اللہ!

(مختصر تاریخ دمشق: ۱۵۸۴، کنز العمال، حدیث: ۳۷۲۸۳)

صنف نازک کی استقامت:

اس عاجز کو 1994ء میں سمرقند جانے کا موقع ملا تو جامع مسجد کلاں سمرقند

میں خطبہ جمعہ دیا۔ نماز جمعہ کے بعد چند نوجوان اس عاجز کے پاس آئے اور کہنے لگے: حضرت! آپ ہمارے گھر میں تشریف لے چلیں، ہماری والدہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ اس عاجز نے معذرت کر دی کہ اتنے لوگ یہاں موجود ہیں، میں ان کو چھوڑ کر وہاں کیسے جاؤں۔ مفتی اعظم سمرقند اس عاجز کے ساتھ ہی کھڑے تھے۔ وہ کہنے لگے: حضرت! آپ ان کو انکار نہ کریں، میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا، ان کے ہاں جانا ضروری ہے۔ میں نے کہا: بہت اچھا۔ چنانچہ ہم دوستوں سے ملاقات کر کے چل پڑے۔

راستے میں مفتی اعظم بتانے لگتے کہ ان نوجوان لڑکوں کی والدہ ایک مجاہدہ اور پکی مومنہ ہے۔ جب کیمونزم کا انقلاب آیا تو اس وقت وہ بیس سال کی نوجوان لڑکی تھی۔ اس کے بعد اب ستر سال گزر چکے ہیں، اس طرح اس کی عمر نوے سال ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کیمونزم کے دور میں اتنا مضبوط ایمان دیا تھا کہ ادھر دہریت کا سیلاب آیا اور ادھر یہ نوجوان لڑکیوں کو دین پر جمے رہنے کی تبلیغ کرتی تھی۔ ان سے گھنٹوں بحث کرتی اور ان کو کلمہ پڑھا کر ایمان پہ لے آتی۔ ہم پریشان ہوتے کہ اس نوجوان لڑکی کی جان بھی خطرے میں ہے اور یہ دہریے قسم کے فوجی اس کی عزت خراب کریں گے اور اسے سولی پر لٹکا دیں گے۔ لہٰذا ہم اسے سمجھاتے، بیٹی! تو جوان العمر ہے، تیری عزت و آبرو اور جان کا معاملہ ہے، تو اتنا کھل کر لوگوں کو اسلام کی تبلیغ نہ کیا کر، مگر وہ کہتی کہ میری عزت و آبرو اور جان، اسلام سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ میری جان اللہ کے راستے میں قبول ہو گئی تو کیا فرق پڑ جائے گا۔ لہٰذا یہ عورتوں کو کھلے عام تبلیغ کرتی رہتی، حتیٰ کہ سینکڑوں کی تعداد میں عورتیں دہریت سے توبہ کر کے دوبارہ مسلمان ہو گئیں۔

ہمیں اس کا ہر وقت خطرہ رہتا، سب علما پریشان تھے کہ پتہ نہیں اس لڑکی کا کیا بنے گا؟ پتہ نہیں کونسا دن ہوگا جب اسے سولی پر چڑھا دیا جائے گا اور اس کو سارے لوگوں کے سامنے بے لباس کر کے ذلیل ورسوا کر دیا جائے گا، مگر یہ نہ گھبراتی، یہ ان کو دین کی تبلیغ کرتی رہتی، حتیٰ کہ اس نے ستر سال تک دین کی تبلیغ کی اور یہ ہزاروں عورتوں کے ایمان لانے کا سبب بن گئی۔ اب وہ بیمار ہے، بوڑھی ہے اور چارپائی پر لگی ہوئی ہے۔ اس عورت کو آپ کے بارے میں کسی نے بتایا کہ پاکستان سے ایک عالم آئے ہیں۔ اس کا جی چاہا کہ وہ آپ سے گفتگو کرے، اس لیے میں نے کہا کہ آپ انکار نہ کریں۔

اس عاجز نے جب یہ سنا تو دل بہت خوش ہوا کہ جب وہ ایسی اللہ کی نیک بندی ہے تو ہم بھی ان سے دعا کروائیں گے۔

جب ہم ان کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ صحن میں ان کی چارپائی پڑی ہوئی تھی اور وہ اس پر لیٹی ہوئی تھی۔ لڑکوں نے اس کے اوپر ایک پتلی سی چادر ڈال دی۔ ہم چارپائی سے تقریباً ایک میٹر دور جا کر کھڑے ہو گئے۔ اس عاجز نے جاتے ہی سلام کیا۔ سلام کرنے کے بعد عاجز نے عرض کیا: اماں! ہمارے لیے دعا مانگیے۔ ہم آپ کی دعائیں لینے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ جب اس عاجز نے عرض کیا تو اس نے اس چادر کے اندر ہی اپنے ہاتھ اٹھائے اور بوڑھی آواز میں سب سے پہلے یہ دعا مانگی: ''خدایا! ایمان سلامت رکھنا'' یقین کیجیے کہ ہماری آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ اس دن احساس ہوا کہ ایمان کتنی بڑی نعمت ہے کہ ستر سال تک ایمان پر محنت کرنے والی عورت اب بھی جب دعا مانگتی ہے تو پہلی بات کہتی ہے: ''خدایا! ایمان سلامت رکھنا''۔

سب سے قیمتی دولت:

ایمان کوئی معمولی چیز نہیں ہے، بلکہ یہ بڑی دولت ہے، جو پروردگار نے ہمیں عطا کردی ہے۔ اس لیے ہمیں اس کی حفاظت کی ہر وقت فکر رہنی چاہیے۔ ہم اس ایمان کو قیمتی سمجھیں اور اس کے مقابلہ میں کوئی بھی چیز آئے تو اس کو ٹھوکر لگا دیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت سے اس نعمت کی حفاظت مانگا کریں کہ اے اللہ! ہمیں اس نعمت کی حفاظت کی توفیق نصیب فرما۔ جان اتنی قیمتی نہیں، عزت اتنی قیمتی نہیں، بلکہ ایمان سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس لیے ہم اللہ تعالیٰ پر پکا ایمان رکھیں۔ ہمیں اللہ کے محبوب ﷺ نے جو کچھ بتایا، ہم اس کے اوپر پکے رہیں۔ اس سے انسان اللہ رب العزت کے مقبول بندوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

ایک نوجوان کی استقامت:

سمرقند کے اسی سفر میں ایک عالم ایک نوجوان کو اس عاجز سے ملانے کے لیے لائے اور بتایا کہ یہ وہ خوش نصیب نوجوان ہے جو روسی انقلاب کے زمانے میں پانچ مرتبہ اذان دے کر کھلے عام نمازیں پڑھتا تھا۔ یہ سن کر اس عاجز کو حیرت ہوئی اور پوچھا: وہ کیسے؟ اس نوجوان نے اپنی پیٹھ پر سے کپڑا اٹھا دیا۔ ہم نے دیکھا تو اس کی پیٹھ کے ایک ایک انچ جگہ پر زخموں کے نشانات موجود تھے۔ اس عاجز نے پوچھا: یہ کیا معاملہ ہے؟

اس نے اپنی داستان بیان کرنا شروع کی۔ وہ کہنے لگا: جب میں نے پہلی مرتبہ اذان دی تو پولیس والے مجھے پکڑ کر لے گئے اور خوب مارا۔ میں جان بوجھ

کر اس طرح بن گیا جس طرح کوئی پاگل ہوتا ہے۔ وہ جتنا زیادہ مارتے میں اتنا ہی زیادہ ہنستا۔ ایک وقت میں کئی کئی پولیس والے مارتے مارتے تھک جاتے، مگر میں اللہ کے نام پر مار کھاتے کھاتے نہ تھکتا۔ مجھے بجلی کے جھٹکے بھی لگائے گئے، مگر میں نے برداشت کر لیے۔ مجھے کئی کئی گھنٹے برف پر لٹایا گیا، مجھے پوری پوری رات الٹا لٹکایا گیا، مجھے گرم چیزوں سے داغا گیا، میرے ناخن کھینچے گئے، مگر میں اس طرح محسوس کرواتا جیسے کوئی پاگل ہوتا ہے۔ میں جان بوجھ کر پاگلوں والی حرکتیں کرتا تھا۔ پولیس والوں نے ایک سال میری پٹائی کرنے کے بعد مجھے پاگل خانے بھجوا دیا۔ وہاں بھی میں نے ایک سال اسی طرح گزارا، حتیٰ کہ ڈاکٹر نے لکھ کر دے دیا کہ یہ شخص پاگل ہے، اس کا ذہنی توازن خراب ہے، یہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا، یہ اپنے آپ میں ہی مگن رہتا ہے۔ لہٰذا اب اس کو دوبارہ گرفتار نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس ڈاکٹر کی رپورٹ پر مجھے آزاد کر دیا گیا۔ جب میں باہر آیا تو میں نے ایک جگہ پر چھوٹی سی مسجد نما جگہ بنائی، میں وہیں دن میں پانچ مرتبہ اذانیں دیتا اور پانچ نمازیں کھلے عام پڑھا کرتا تھا۔ اس عاجز نے بڑھ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا: ؎

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں ہوتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد

یہ عاجز اس نوجوان کے چہرے کو بار بار دیکھتا اور اس کی ثابت قدمی پر رشک کرتا رہا۔ ؎

ازل سے رچ گئی ہے سربلندی اپنی فطرت میں
ہمیں کٹنا تو آتا ہے، مگر جھکنا نہیں آتا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک ایمان کی قدر:

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایمان کی نعمت نصیب فرمائی تو انہوں نے اس کی قدر کی اور اس کی حفاظت کے لیے ہر وقت متفکر رہتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے:

تَعَلَّمْنَا الْاِيْمَانَ قَبْلَ اَنْ نَتَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْاٰنَ

(ابن ماجہ، رقم: ٦٠)

''ہم نے پہلے ایمان سیکھا اس کے بعد پھر ہم نے قرآن سیکھا۔''

میرے دوستو! وہ ایمان جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بدر والے دن تلواروں کے سایہ کے نیچے پایا تھا، آج ہم اس ایمان کو پنکھوں کی ٹھنڈی ہوا کے نیچے ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ کیا اس طرح ایمان مل جائے گا؟ نہیں، بلکہ اس کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے۔ دین کی خاطر جان، مال اور سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے، تب انسان کو ایمان کی حرارت نصیب ہوتی ہے۔

وقت کی ایک اہم ضرورت:

یاد رکھیے کہ آج کے دور میں اتنے فتنے موجود ہیں کہ جن لوگوں کے دلوں میں احد پہاڑ جیسا ایمان ہے وہ بھی ایسے لرزاں اور ترساں نظر آتے ہیں جیسے انہیں ہر لمحے اپنے مرتد ہو جانے کا خوف ہو۔ اور عجیب بات ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں ذرہ برابر ایمان ہے وہ اس کی حفاظت سے بھی غافل ہیں اور انہیں اس بات کا احساس ہی نہیں کہ ہمارے پاس کتنی بڑی دولت موجود ہے۔ اس لیے ایمان کی اہمیت کا دل میں ہونا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔

شک سے بچنے کی ضرورت:

کفار کی طرف سے اسلامی ملکوں میں جو تنظیمیں آتی ہیں وہ سب سے پہلے مسلمانوں کے دلوں میں شک پیدا کر دیتی ہیں۔ اور شک ایک ایسی خطرناک اور بری چیز ہے جو ایمان کی بنیاد کو ہلا کے رکھ دیتی ہے۔

اس لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾

''یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔''

اب یہاں غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے لَا رَیْبَ فِیْهِ پہلے کہا اور هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ بعد میں کہا۔ اس لیے کہ اگر شک رہ گیا تو ہدایت نہیں پا سکو گے۔ یہی وجہ ہے کہ جو کفر کی تحریکیں چل رہی ہیں وہ ایمان والوں کے دلوں میں شک پیدا کر دیتی ہیں اور شک پیدا کرنے سے ایمان ختم ہو جاتا ہے۔

ایمان کا اظہار کرنے کا طریقہ:

اگر آپ سے کوئی یہ پوچھے کہ کیا آپ مؤمن ہیں؟ تو اسے جواب دیجیے: اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا ''میں پکا مؤمن ہوں۔'' اس لیے کہ یہ اللہ رب العزت کی رحمت ہے کہ اس نے ہمیں کلمہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس میں شک والی کیا بات ہے؟ کوئی ڈھل مل بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تو انہوں نے اپنے انجام اور خاتمے پر نظر رکھ کر بات کی ہے۔ یہ علما کا مقام ہے، جب کہ ہم عوام الناس ہیں، ہمیں ایک ہی بات کرنی چاہیے کہ اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا۔ اور یہ بات کرتے ہوئے پاؤں کے نیچے چٹان

ہونی چاہیے۔

مضبوط ایمان کی نشانی:

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے وجود باری تعالیٰ پر سو دلائل جمع کیے۔ایک مرتبہ ان کی شیطان سے ملاقات ہوگئی۔ وہ شیطان سے کافی دیر مناظرہ کرتے رہے۔اس دوران انہوں نے فرمایا کہ اے ابلیس! میرا اللہ تعالیٰ پر ایمان بڑا پکا ہے، تو مجھے بہکا نہیں سکتا۔ ابلیس نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ یہ سامنے دیہاتی کھیت میں ہل چلا رہا ہے، اس کا ایمان آپ سے زیادہ پکا ہے۔آپ نے پوچھا: وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ ابھی تماشا دیکھیں۔ چنانچہ شیطان ایک اجنبی شخص کی صورت میں اس دیہاتی کے سامنے پہنچا اور کہنے لگا کہ خدا موجود نہیں ہے۔اس نے دو بڑی بڑی گالیاں دیں اور پاؤں سے جوتی نکالی کہ اس کی پٹائی کرے۔ابلیس وہاں سے بھاگا اور امام رازی سے کہنے لگا: دیکھا۔اس کا ایمان اتنا قوی ہے کہ وہ سننا گوارا ہی نہیں کرتا کہ کوئی خدا کے وجود کا انکار کرے۔مرنے مارنے پر تل گیا۔آپ سے میں نے بحث شروع کی، آپ نے دلائل دینے شروع کیے۔گویا یہ بات سن لی کہ خدا موجود نہیں۔اب رہی دلائل کی بات تو میں قوی دلائل دے دوں گا تو آپ پھسل جائیں گے۔آپ کے دل میں ذرا شک پیدا ہوگیا تو آپ ایمان سے محروم ہو جائیں گے۔

ایمان جیسے چٹان:

یاد رکھنا! کہ جو چیزیں ہلکی ہوتی ہیں وہ پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہیں۔ جیسے لکڑی، گھاس، تنکے، کاغذ وغیرہ۔کیا چٹانیں بھی پانی کے ساتھ بہتی ہیں؟ نہیں،

بلکہ وہ پانی کے رخ کو موڑ دیا کرتی ہیں۔ میرے دوستو! آج بے راہ روی، فحاشی اور عریانی کا دریا بہہ رہا ہے، آپ چٹان بن جایئے، اس کے ساتھ بہنے کے بجائے اس کے رخ کو موڑ دیجیے۔

یاد کرتا ہے زمانہ ان انسانوں کو
روک دیتے ہیں جو بڑھتے ہوئے طوفانوں کو

الحمدللہ! ہم مؤمن ہیں، اس میں ہمارا کمال نہیں ہے، بلکہ یہ اس کمال والے پروردگار کا کمال ہے کہ اس نے ہمیں یہ نعمت عطا کر دی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس نعمت پر پکے ہو جائیں اور پوری زندگی اسی ایمان کی محنت پر لگا دیں، پھر دیکھنا کہ اللہ رب العزت کی طرف سے کیسی مدد اور رحمت نصیب ہوتی ہے۔

قلت اور کثرت کا چکر:

ایمان قلت اور کثرت کو نہیں دیکھتا۔ ابھی ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ ہم بہت تھوڑے ہیں، ارے تھوڑے لوگوں کا کیا؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (البقرۃ:۲۴۰)

جب اللہ رب العزت کی مدد شامل حال ہوتی ہے تو اللہ رب العزت چڑیوں سے باز مروا دیا کرتے ہیں۔ اس لیے تعداد اور وسائل کو نہ دیکھیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد کو دیکھیں، جب مدد اترآئے گی تو ان شاء اللہ کامیابی حاصل ہو جائے گی۔

اسلام اور ایمان کی کیفیت میں فرق:

اسلام لانے کا مطلب فرمانبرداری کے لیے تیار ہو جانا ہے۔ ایک منافق

آدمی اگر ظاہراً کلمہ پڑھتا ہے تو اس کو مسلمان کہا جاتا ہے، لیکن درحقیقت وہ ایمان سے خالی ہوتا ہے۔ اسلام اور ایمان میں فقط کیفیت کا فرق ہے۔ اسلام کا تعلق ظاہر سے ہے اور ایمان کا تعلق باطن سے ہے۔ جو کوئی آدمی ریاکاری یا دھوکہ دینے کی نیت سے کلمہ پڑھے تو شرع شریف میں اس کو مسلمان سمجھا جائے گا، مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مومن نہیں ہوگا۔ جیسے کہ منافقین کہتے تھے کہ ہم ایمان لے آئے، لیکن

﴿وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ﴾ (البقرہ: ۱۴)

''جب وہ اپنے شیطان دوستوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم مسلمانوں سے مذاق کرتے تھے۔''

منافقین کا احسان جتلانے کا واقعہ:

بنو اسد نامی ایک قبیلہ تھا۔ اس قبیلے کے لوگوں نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں آ کر کلمہ پڑھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنے ایمان لانے کا احسان جتلانے لگے۔ درحقیقت وہ دل سے مسلمان ہوئے ہی نہیں تھے۔ مال دنیوی کی منفعت حاصل کرنا ان کا مقصد تھا۔ لہٰذا وہ کہنے لگے کہ یہ دوسرے قبیلے والے آپ سے لڑائیاں لڑتے رہے اور بعد میں مسلمان ہوئے، لیکن ہم لوگ بغیر لڑائی کے مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا

''آپ کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے، بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہوئے

ہیں۔''

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

''اور ابھی تمہارے دلوں میں ایمان کامل پیدا نہیں ہوا''

وَإِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

''اور اگر تم اطاعت کرو گے اللہ اور اس کے رسول کی''

لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا

''وہ کمی نہ کرے گا تمہارے کاموں میں کچھ بھی''

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾ (الحجرات: ۱۴)

''بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

(تفسیر در منثور: ۵۹۰۱۳ سورۃ الحجرات)

ان آیات پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ چیز بہت ضروری ہے کہ ہم اپنے زبانی دعووں کے ساتھ ساتھ اپنے اعمال سے اپنے آپ کو کیا ظاہر کرتے ہیں۔ زبان سے تو ہم دوسروں کو بھی نصیحت کر رہے ہوتے ہیں، لیکن ہمارے عمل سے کتنے لوگ نصیحت پاتے ہیں؟

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایمانی زندگی کے تقاضے

از افادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

041-2618003

ایمانی زندگی کے تقاضے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (النساء: ١٣٦)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

مومنوں کو ایمان لانے کا حکم:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (النساء: ١٣٦)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔''

اس آیتِ مبارکہ میں ایمان والوں سے خطاب ہو رہا ہے اور ان کو حکم مل رہا ہے کہ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ''تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔''

تو یہ بات کتنی عجیب ہے کہ کافروں سے خطاب نہیں، مشرکوں سے خطاب نہیں، منافقوں سے خطاب نہیں، یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا... یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ... یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ نَافَقُوْا... نہیں کہا۔ خطاب کن کو ہے؟ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا! اے

ایمان والو! اور حکم کیا دیا جارہا ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ۔

مفسرین نے اس کا معنی لکھا: اتقوا کہ تقوی اختیار کرو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اے زبان سے ایمان لانے والو! اپنے دل سے بھی اس کا اقرار کرلو۔

چونکہ ایمان کے دو درجے ہیں: اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ زبان سے اقرار کرنا اور دل سے اس کی تصدیق کرنا، تو مقصود یہ تھا کہ اے زبان سے اقرار کرنے والو! تم دل سے بھی اس کی تصدیق کرلو۔

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (النساء: ۱۳۶)

تصدیق بالقلب کا مطلب:

اس اقرار باللسان میں تو ہم سب شامل ہیں، لیکن تصدیق بالقلب کا درجہ ذرا مشکل ہے کہ دل بھی تصدیق کردے۔ آج زبان تو کہہ دیتی ہے کہ میں نے مان لیا مگر دل کی حالت وہ نہیں ہوتی۔ کسی شاعر نے کہا: ؎

تو عرب ہے یا عجم ہے تیرا لا الہ الا
لغت غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

جب تک دل گواہی نہ دے، زبان سے نکلے الفاظ لغت غریب کے مانند ہیں۔ ؎

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (النساء: ۱۳۶)

تو دل کا گواہی دینا زیادہ اہم ہے۔ اس لیے کہ انسان سر کے بالوں سے

لے کر پاؤں کے ناخنوں تک مومن بن جائے، مسلمان بن جائے، اس درجہ کو پانے کے لیے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔

چند دیہاتی لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کلمہ پڑھا اور انہوں نے احسان جتلایا کہ اب تو ہم مومن بن گئے۔ تو اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں بات کو صاف کر دیا۔ فرمایا:

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا﴾

''اعرابیوں نے یہ کہا کہ ہم ایمان لے آئے، آپ فرما دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے''

﴿وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾

(حجرات: ۱۴)

(بلکہ تم یوں کہو کہ ہم نے اسلام قبول کیا، ابھی تو ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا) (تفسیر درمنثور سورۃ الحجرات)

تو معلوم ہوا کہ زبان سے ان کلمات کو پڑھ لینے سے، کلمہ پڑھ لینے سے انسان اسلام کی حدود میں تو داخل ہو جاتا ہے، لیکن ایمان کامل دل میں آ جائے، اس کے لیے کوئی اور درجہ بھی ہے اور وہ کیا ہے؟ کہ انسان کے دل میں اس کلمہ کی محبت بیٹھ جائے اور دل تسلیم کر لے کہ میں نے اللہ رب العزت کے حکموں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اب جو حکمِ خدا ہوگا وہ میرے اس جسم کے اوپر لاگو ہو جائے گا، یہ تصدیق بالقلب ہے۔ اس کا رتبہ پانے کے لیے کچھ محنت کرنی پڑتی ہے۔ ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

بلکہ فارسی میں کسی نے کہا:

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الہ الا

’’جب میں کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو میں کانپ جاتا ہوں کہ میں لا الہ الا اللہ کہنے کی مشکلات کو جانتا ہوں‘‘

چنانچہ زبان سے اقرار پہلا قدم ہے اور دل سے تصدیق کرنا یہ دوسرا قدم ہے۔

عمل دل کی حالت کا آئینہ دار ہے:

اب کیسے پتہ چلے کہ زبان سے لا الہ الا اللہ کہنے والا اپنے قول میں سچا بھی ہے یا نہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایمان کی تعریف یوں منقول ہے:

اَلْاِیْمَانُ بِاللہِ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ وَعَمَلٌ بِالْاَرْکَانِ

’’زبان سے اقرار کرنا، دل سے اس کی تصدیق کرنا اور اپنے اعضا سے اس پر عمل کرنا، یہ ایمان کہلاتا ہے‘‘ (جمع الجوامع، رقم: ۱۷۲)

جو اعضا سے اس پر عمل کرنا ہے، اس سے فوراً انسان کا اندر کھل جاتا ہے، ڈھول کا پول کھل جاتا ہے، دو رنگی سامنے آجاتی ہے، انسان کا عمل تصدیق کر دیتا ہے کہ دل کی حالت کیا ہے۔

بناوٹی خوف:

چنانچہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک شخص بڑا صوفی صافی بنتا تھا، ایک مرتبہ امام مسجد آنہ سکے، کوئی عذر تھا، تو لوگوں نے اسے کہا کہ جی! آپ نماز

پڑھا دیجیے۔ وہ کہنے لگا کہ بھئی! میں تو نماز نہیں پڑھاتا، پوچھا: کیوں؟ کہنے لگا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ میں نماز شروع کروں اور میری موت آجائے اور میں نماز مکمل ہی نہ کرسکوں۔ لوگوں نے کہا: کیا بات ہے! ایسی کیفیت کہ نماز شروع کریں تو یہ خوف ہے کہ موت نہ آجائے اور نماز مکمل نہ ہوسکے۔ تو لوگوں نے کہا کہ نہیں، آپ پڑھا دیجیے۔ وہ راضی ہوگیا اور کہنے لگا: اچھا! میں یہ نماز تو پڑھا دیتا ہوں، اگلی نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ تو بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے گریبان سے پکڑ کر پیچھے کیا، فرمایا کہ تو بناوٹی بندہ ہے۔ ابھی کہہ رہا تھا کہ میرے اوپر اتنا خوف غالب ہے کہ نماز شروع کروں تو پتہ نہیں مکمل بھی کرسکوں گا یا نہیں اور ابھی کہہ رہا ہے کہ اگلی نماز نہیں پڑھاؤں گا، کیا اگلی نماز تک زندہ رہنے کا یقین ہے؟ تو انسان کا عمل دل کی حالت کھول دیتا ہے۔ یہ بناوٹ چل نہیں سکتی۔ اسی لیے جسم کے اعمال گواہی دیتے ہیں کہ دل کی حالت کیا ہے؟

مومن اور غیر مومن میں فرق

مؤمن اور غیر مؤمن میں چند بنیادی فرق ہیں:

مومن بن دیکھے مانتا ہے، کافر دیکھ کر مانتا ہے:

پہلا فرق تو یہ ہے کہ مومن بن دیکھے مانتا ہے اور غیر مومن یعنی کافر، وہ دیکھ کر مانتا ہے۔ چنانچہ مومن اپنی زندگی میں سب کو مان لیتا ہے۔ کیوں؟ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ بن دیکھے مان لیا اور جب موت کے وقت غیر مومن کی آنکھوں کا پردہ کھلتا ہے

﴿فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآئَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ (ق:۲۲)

''پس ہم نے تجھ سے تیرا پردہ دور کردیا، پس آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے''

تو جب وہ سامنے دیکھتا ہے پھر مان لیتا ہے۔

چنانچہ فرعون نے کیا کیا؟ اپنی موت کے وقت کہنے لگا:

﴿آمَنْتُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْ آمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآئِیْلَ﴾

جو ساری زندگی خود خدائی کا دعویٰ کرتا پھرا، اب موت کے وقت وہ خود ایمان لانے کی کوشش کرتا ہے، مگر اس کو فرمایا گیا: اٰلْآنَ... اب ایمان لائے؟ اب تو بہت دیر ہوگئی، اب تو چونکہ تم نے آنکھوں سے دیکھ لیا، اب ایمان والا معاملہ ختم ہوگیا۔ اب مشاہدہ شروع ہوگیا۔ تو ایمان اور مشاہدہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایمان بن دیکھے ماننے کو کہتے ہیں اور مشاہدہ دیکھ کر ماننے کو کہتے ہیں۔ تو مومن جس چیز کو بن دیکھے مانتا ہے، غیر مومن اسی چیز کو دیکھ کر مان لیا کرتا ہے۔

<u>مومن بخوشی مانتا ہے، غیر مومن مجبوراً مانے گا:</u>

چنانچہ مومن جس چیز کو اس دنیا میں بخوشی مانتا ہے، غیر مومن اسی چیز کو ایک وقت آئے گا کہ مانے گا، مگر مجبور ہوکر۔ چنانچہ قیامت کے دن کافر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو ان کے سر شرم سے جھکے ہوں گے۔ اور کیا کہیں گے؟

﴿رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾

(السجدہ: ۱۲)

''اے ہمارے رب! آج ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور سن لیا، اب ہمیں واپس لوٹا دیجیے، اب ہم نیک عمل کریں گے، ہمیں اس بات پر پکا یقین آگیا ہے''

تو مومن نے زندگی میں بخوشی مانا اور کافر نے قیامت کے دن مجبور ہو کر مانا۔

بروز قیامت کافر کو حسرت ہوگی، مومن مسرور ہوگا:

تیسرا فرق یہ ہے کہ قیامت کے دن جب ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا تو وہ کہیں گے:

﴿رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ﴾ (مؤمنون: ١٠٦)

''اے ہمارے پروردگار! ہم پر بدبختی غالب آ گئی اور ہم گمراہ ہو گئے''

﴿رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ﴾ (مؤمنون: ١٠٧)

''اے اللہ! ہمیں اس سے نکال دیجیے، اگر ہم لوٹ کر پھر برے عمل کریں تو پھر واقعی ہم ظالم ہیں''

تو قیامت کے دن کافر لوگ مجبور ہو کر ہر اس چیز کو تسلیم کریں گے، جس کو مومن اسی دنیا کے اندر بخوشی تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ مومن یہ کہتا ہے: اے پروردگار!

﴿اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا﴾ (آل عمران: ١٩٣)

''اے اللہ! ہم نے آپ کے منادی کو سنا جو آواز لگا رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ، پس ہم ایمان لے آئے''

تو مومن کا درجہ اللہ رب العزت کے ہاں اسی لیے بڑا ہے کہ وہ بن دیکھے، بخوشی ہر اس حقیقت کو تسلیم کر لیتا ہے جس کو قیامت کے دن کافر مجبور ہو کر اور دیکھ

کر تسلیم کریں گے۔

انسان کی قیمت:

اسی لیے اللہ رب العزت کے ہاں ایمان کی بہت بڑی قیمت ہے، بلکہ انسان کا مرتبہ ہی اس کے ایمان کی وجہ سے ہے۔ اگر ایمان نہ ہوتو انسان کی کوئی اوقات ہی نہیں۔ دیکھیں! انسان چند عناصر سے مل کر بنا: آگ، پانی، ہوا اور مٹی۔ انسان جن اجزا سے مل کر بنا، اگر آپ ان کا اندازہ لگائیں تو وہ پانی ہے، کاربن ہے، آکسیجن ہے اور نائٹروجن ہے۔ سائنس پڑھنے والے جانتے ہیں کہ انسان امائنو ایسڈ سے بنا، اگر ان تمام عناصر کی قیمت مارکیٹ کے حساب سے لگائی جائے تو ایک انگریز سائنسدان رابرٹ پیٹرسن نے کہا کہ ''انسان کے تمام عناصر کی کل قیمت ساڑھے چھ ڈالر ہے'' یعنی انسان جن عناصر سے مل کر بنا ان عناصر کی کل قیمت ساڑھے چھ ڈالر ہے۔ اگر ایمان الگ ہو جائے تو انسان کی کیا قیمت بنی؟ ساڑھے چھ ڈالر!! کتنا عظیم ہے وہ پروردگار جس نے اتنی بے قیمت چیزوں سے اتنا قیمتی انسان پیدا فرما دیا!! تو انسان کی قیمت ہی اس کے ایمان کی وجہ سے ہے۔

پروردگار کی عظمت:

آپ گائے کو دیکھیں! چارہ کھاتی ہے، پانی پیتی ہے اور دودھ دیتی ہے۔ کیا انسان کوئی ایسی مشین بنا سکتا ہے جس کے اندر چارہ ڈال دیا جائے اور پانی ڈال دیا جائے، پھر اس میں سے دودھ نکل آئے؟ شہد کی مکھی کو دیکھو! وہ بھی پھولوں کا رس چوستی ہے اور اس میں سے شہد نکلتا ہے، کیا انسان کوئی ایسی مشین

بنا سکتا ہے کہ جس میں ایک طرف سے پھول ڈال دیے جائیں اور دوسری طرف سے شہد نکل رہا ہو؟ انسان ایسا نہیں کرسکتا۔ ریشم کا کیڑا بھی شہتوت کا پتہ کھاتا ہے، پانی پیتا ہے اور اس میں سے ریشم نکلتا ہے۔ بکری بھی شہتوت کا پتہ کھاتی ہے، پانی پیتی ہے اور اس میں سے دودھ نکلتا ہے۔ آپ سوچیں! کیا انسان ایسی مشینیں بنا سکتا ہے کہ شہتوت کے پتے ڈالیں، پانی ڈالیں، ایک طرف سے ریشم بن کر نکل رہا ہو اور دوسری طرف سے دودھ بن کر نکل رہا ہو؟ نہیں! انسان کے بس میں یہ نہیں ہے۔ پروردگار کی عظمت دیکھیے کہ اس نے کیسے جاندار بنا دیے! جو کتنی کم قیمت چیزوں کو استعمال کرتے ہیں اور کتنی قیمتی چیزوں کو وہ اپنے جسم سے نکالتے ہیں۔

انسان کی اوقات:

اب اس کے مقابلے میں انسان کو دیکھیں کہ اگر اس کے اندر ایمان نہیں، فقط جسم موجود ہے، تو یہ کھاتا کیا ہے؟ پھل کھاتا ہے، کتنی خوشگوار غذائیں کھاتا ہے اور پھر اپنے جسم سے نکالتا کیا ہے؟ ایسی بدبودار چیز کہ انسان اس کو پاس کھڑا ہو کر سونگھ نہیں سکتا، نجاست، گندگی۔

ایک اللہ والے گزر رہے تھے، گندگی کا ڈھیر قریب آیا تو وہ رونے لگ گئے، کسی نے کہا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کہنے لگے کہ اس گندگی کے ڈھیر نے مجھ سے مخاطب ہو کر کلام کیا اور یہ کہا کہ اے انسان! ذرا اپنی اوقات کو پہچان، میں کتنی خوشبودار غذائیں تھی، پھل تھی، اعلیٰ اعلیٰ نعمتیں تھی، خوش ذائقہ کھانے تھی، تو نے مجھے استعمال کیا، جب میں تیرے جسم سے خارج ہوئی تو اتنی بدبودار بن گئی، تیرے تھوڑی دیر کے ساتھ نے مجھے کیا سے کیا بنا کر رکھ دیا! تو اگر ایمان

کا معاملہ نہ ہو تو انسان کی اوقات ہی کیا؟ اتنی اعلی چیزوں کو اتنی گندی چیزوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

ایمان والا انسان اللہ کا دوست ہے:

معلوم ہوا کہ انسان کی قیمت ہی اس کے ایمان کی وجہ سے ہے، اسی سے یہ اشرف المخلوقات بنا، اسی سے یہ اللہ رب العزت کا پیارا بنا، اسی سے اللہ نے اس کو فضیلت عطا فرمائی۔ چنانچہ جو ایمان والا انسان ہو وہ اللہ رب العزت کا دوست ہے۔

﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ (البقرۃ:۲۵۷)

''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے''

انسان صفاتِ الٰہیہ کا مظہر ہے:

اچھا دیکھیں! انسان میں جو صفات ظاہر میں نظر آتی ہیں، وہی صفات ہم اللہ رب العزت کے ساتھ غیب کے ساتھ مانتے ہیں، مثلاً: انسان کے اندر ہمیں سماعت ملتی ہے، بصارت ملتی ہے، دل ملتا ہے، ارادہ ملتا ہے، وجود ملتا ہے، ان تمام صفات کو ہم بن دیکھے اللہ میں تسلیم کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت میں یہی صفات موجود ہیں، مگر فرق اتنا ہے کہ انسان کے اندر یہ صفات ناقص ہیں، اللہ تعالیٰ کے اندر یہ صفات کامل ہیں، انسان مخلوق ہے، اللہ رب لعزت خالق ہیں۔ انسان میں یہ صفات محدود ہیں، اللہ تعالیٰ کی صفات لامحدود ہیں۔ انسان بے اختیار ہے، اللہ تعالیٰ اختیار والی ذات ہے۔ انسان کے اندر یہ صفات فانی ہیں، اللہ رب العزت کے اندر یہ صفات باقی رہنے والی ہیں۔ انسان کے اندر یہ

صفات عطائی ہیں، اللہ کی دی ہوئی ہیں، جب کہ اللہ کے اندر یہ صفات اس کی ذاتی ہیں۔تو انسان اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل ہے۔جس نے انسان کو دیکھا وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار نہیں کر سکتا، ہم انہی صفات کے ساتھ جو انسان میں موجود ہیں اور ناقص حالت میں ہیں، اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں، مگر کامل صفات کے ساتھ۔

انسان ایک نوخیز کلی کے مانند ہے:

انسان جب اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو اس کی حالت ایسے ہوتی ہے جیسے پودے کی کلی کھلتی ہے۔تو بچہ اس دنیا میں ایک کلی کے مانند کھلتا ہے، لیکن جب بڑا ہوتا ہے تو اس کا سینہ آرزؤں کا قبرستان بن جاتا ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ جب بھی کوئی فصل اگائی جاتی ہے، اس کے ساتھ کچھ خودرو فصلیں بھی اگ آتی ہیں، ایسی فصلیں جو انسان نہیں چاہتا وہ خودبخود اگ آتی ہیں، چنانچہ ان فصلوں کو ختم کرنا پڑتا ہے۔کسان لوگ جانتے ہیں کہ بعض موسموں میں جب کھیت میں کوئی کھیتی کی جائے تو ایک خودرو پودا اگ آتا ہے اس کو ''اِٹ سِٹ'' کہتے ہیں، ایک اور پودا ہم اس کو اپنی زبان میں ''باتھو'' کہتے ہیں، وہ بھی اگ آتا ہے، انگلش میں ان خودرو پودوں کو weed کہتے ہیں۔کسان نہیں چاہتا کہ یہ اگیں، مگر وہ خودبخود اگ آتے ہیں، ان کا بیج زمین میں پہلے سے موجود ہوتا ہے، جب پانی ملا، کھاد ملی تو جہاں فصل اگی وہاں یہ بھی اگ آئے۔یہ خودرو پودے غیر مطلوب ہوتے ہیں، کسان ان کو نہیں چاہتا، اس لیے کہ وہ کھیت کی ۴۰ فیصد سے ۶۰ فیصد تک کی خوراک حاصل کر لیتے ہیں۔اگر ان کو نہ نکالا جائے تو اصل فصل کمزور ہو جاتی ہے، لہٰذا ان کو نکالنا ضروری ہوتا ہے۔

انسان کے نامطلوب اوصاف:

جب یہ بات سمجھ لی تو ایک اور بات سمجھ میں آ گئی کہ انسان کے اندر کچھ صفات مطلوبہ ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ کچھ چیزیں غیر مطلوبہ آ جاتی ہیں۔ جس طرح کھیتی کے اندر خودرو پودوں کو کوئی کیمیکل چھڑک کر ختم کر دیا جاتا ہے، ان کو ختم کرنے کے لیے ویڈوسائیڈ استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو ان رذائل کو خود ختم کرنا پڑتا ہے۔ اگر ان رذائل کو ختم نہ کیا تو اس کی صفات پھر ان رذائل کے اندر چھپ جاتی ہیں۔

اقتدار کے ساتھ تکبر:

مثال کے طور پر: آپ ذرا غور کیجیے کہ جس انسان کو اقتدار ملے تو تکبر اس کے ساتھ خود بخود آ جاتا ہے، کرسی ملی اور تکبر آ گیا۔ تو اس تکبر کی مثال بھی خودرو اگنے والے پودے کے مانند ہے۔ اس لیے فرعون کو اللہ رب العزت نے اقتدار دیا تھا، ایسا تکبر اس کے اندر آیا کہ کہنے لگا: اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (النازعات: ۲۴) خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا۔ اتنا تکبر کہ اپنی فوج، اپنے ملک کے لوگوں کو اس نے خطاب کیا، تقریر کی اور ان کو کہنے لگا: ﴿اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ﴾ کیا یہ ملک مصر میرا نہیں؟ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ (الزخرف: ۵۱) اور دیکھو! یہ نہریں میرے تحت بہہ رہی ہیں۔ یہ میرا آبپاشی کا نظام دیکھو! دریاؤں کا نظام دیکھو! تو یہ تکبر انسان میں خود بخود آ جاتا ہے۔

دولت کے ساتھ بخل:

اسی طرح انسان کو جب اللہ تعالیٰ دولت عطا کر دے تو بخل کی فصل خو

دبخو داگ آتی ہے، ہر انسان جس کے پاس دولت ہو، اس کے پاس سخاوت نہیں ہوتی۔جس کے پاس زیادہ مال آتا ہے اکثر و بیشتر اس میں بخل پیدا ہوجاتا ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو روزانہ اپنے بینک بیلنس کو دیکھتے ہیں۔تو یاد رکھیں! کچھ لوگ مالدار ہوتے ہیں اور کچھ لوگ مال کے چوکیدار ہوتے ہیں، دونوں میں فرق ہے۔ مالدار کی مثال عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔اللہ نے خوب دیا اور انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اللہ کے دین کے لیے خرچ کیا، یہ مالدار ہوئے۔کچھ مال کے چوکیدار ہوتے ہیں، اس کا استعمال کرنا ان کے اپنے نصیب میں نہیں ہوتا، جمع یہ کرتے ہیں پھر مزے ان کی اولادیں اڑاتی ہیں۔ قیامت کے دن حساب یہ دیں گے اور مزے ان کے بعد آنے والے اڑائیں گے۔تو اس مال کا کیا فائدہ کہ انسان دنیا کا مالدار ہو اور قیامت کے دن کا فقیر ہو؟

قارون کو دیکھو! اللہ تعالیٰ نے کتنا مال دیا تھا، مگر اس کو زکوٰۃ دینی بوجھ نظر آئی، چنانچہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام تراشی کا ایک بہانہ بنالیا، بالآخر اللہ نے اس کو اس کے مال اور خزانوں سمیت زمین کے اندر غرق کر دیا۔

علم کے ساتھ حسد:

اسی طرح جس شخص میں علم آتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس میں فخر اور حسد کی خودرو فصل بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ علم بھی عجیب ہے کہ بندے کے اندر آیا تو اس کے اندر فخر اور حسد خود بخود آجاتا ہے۔قوم یہود کو دیکھو! ان کے پاس علم تھا، مگر اس علم کے ساتھ ان کے اندر حسد بھی پیدا ہوگیا۔ نبی علیہ السلام سے حسد کن لوگوں نے کیا؟ انہی لوگوں نے کیا۔اسی لیے علما نے لکھا ہے:

لَوْ لَا الْحَسَدُ فِي الْعُلَمَآءِ لَكَانُوْا بِمَنْزِلَةِ الْاَنْبِيَآءِ

''اگر علما میں حسد نہ ہوتا تو یہ انبیا کے مقام تک بھی جا پہنچتے''

علم انسان کو اتنا اوپر اٹھا دیتا ہے، مگر حسد بندے کو گرا دیتا ہے۔ اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ جہاں علم آیا وہاں حسد کی خودرو فصل بھی پیدا ہو گئی۔ ایک دوسرے کے ساتھ نہیں بنتی، سینگ نہیں سماتے اور یہی چیز انسان کی تنزلی اور اس کی گراوٹ کا سبب بن جاتی ہے۔

شہرت کے ساتھ ریاکاری:

اسی طرح جس بندے میں شہرت آئی اس میں بناوٹ اور ریاکاری کی فصل خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ ذرا ٹی وی کے قراء کی شکلیں دیکھا کریں، آپ کو ساری بات خود بخود سمجھ میں آ جائے گی۔ اب چونکہ ریڈیو کے قاری بن گئے، ٹی وی کے قاری بن گئے اس لیے بناوٹ آ جاتی ہے، سج دھج کے رہنا، بن سنور کے رہنا ان کا شعار بن جاتا ہے۔ کیا فائدہ اس سکرین کے مولوی بننے کا کہ سنت ہی چھوٹی ہوتی چلی جائے؟ کہنے کو علامہ اور چہرے پر سنت ہی پوری نظر نہیں آتی۔ تو معلوم ہوا کہ جہاں شہرت آئی بناوٹ اور ریاکاری کی فصل خود بخود پیدا ہو گئی۔

حسن و جمال کے ساتھ نمائش:

اسی طرح جہاں حسن و جمال آتا ہے وہاں نمائش کی فصل خود بخود اگ آتی ہے۔ اس لیے آپ دیکھیں کہ عورتیں بے پردہ ہو کر کیوں باہر پھرتی ہیں؟ کبھی میلے منہ سے نکلیں گی؟ کبھی نہیں، کیسے نکلتی ہیں؟ نکلنے سے پہلے آدھا گھنٹہ تیار ہوتی ہیں اور پھر سمجھتی ہیں کہ اب ہم اتنی خوبصورت ہیں کہ کوئی ہمیں دیکھے گا تو پھر وہ ہمیں پیار کیے بغیر رہ نہیں سکے گا۔ تو جہاں حسن و جمال آیا اس کے ساتھ بناوٹ

اور نمائش خود بخود آ گئی۔ اس لیے بے پردہ عورتوں کو باہر نکلنے سے روکنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ان کو کہو کہ سادہ کپڑے پہنو! سادہ کپڑے پہن کر کبھی باہر نہیں نکل سکتیں۔ یہ رنگ برنگے کپڑے، بہترین کپڑے جہاں آئے، وہاں بے پردگی آ گئی۔

انسان کی ذمہ داری:

معلوم ہوا کہ جہاں اچھی چیزیں آتی ہیں وہاں غیر مطلوب قسم کی بہت سی فصلیں خود بخود اگ آتی ہیں۔ تو جیسے کسان اپنے کھیت میں خودرو فصلوں کو تلف کر دیتا ہے تب اس کی صحیح فصل اچھی ہوتی ہے، انسان کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اندر پیدا ہونے والے ان رذائل کو ختم کر دے تو اس کے اخلاق کی فصل اچھی ہوگی اور اللہ کے ہاں یہ انسان کامیاب ہوگا۔

انسانی زندگی کے دو رخ:

انسان کی زندگی کے دو رخ ہوتے ہیں، دو زاویے ہوتے ہیں: ایک ہوتی ہے خود رخی زندگی اور ایک ہوتی ہے خدا رخی زندگی۔ خود رخی زندگی کا کیا مطلب ؟ خود رخی زندگی کا مطلب یہ کہ میری منشا پوری ہوگی، میری مرضی پوری ہوگی اور خدا رخی زندگی کا کیا مطلب؟ کہ اللہ رب العزت کی منشا پوری ہو۔ چنانچہ ایک ہوتی ہے من چاہی زندگی اور ایک ہوتی ہے رب چاہی زندگی۔ زندگی کے ہمیشہ یہ دو مختلف انداز ہوتے ہیں۔ ایک کو کہتے ہیں :Self oriented life (اپنی ذات پر مبنی زندگی) اور دوسری کو کہتے ہیں :God oriented life (خدا کی رضا پر مبنی زندگی) یہ دو الگ الگ زندگیاں ہیں۔ اب دونوں کے نتائج بھی مختلف

ہیں۔

مثلاً: جو من چاہی زندگی ہو، اس میں خودغرضی آتی ہے، خواہش پرستی آتی ہے، مفاد پرستی، زن پرستی، زر پرستی، نفس پرستی، شہوت پرستی یہ تمام من چاہی زندگی کے نتائج ہوتے ہیں اور جو رب چاہی زندگی ہوتی ہے، اس میں اصول پرستی، حقیقت پرستی اور خدا پرستی انسان کی زندگی میں آجاتی ہے۔

دنیا میں بالآخر کھونا ہی ہے:

اب دیکھیے! آج دنیا کے اندر کچھوے کی زندگی ڈیڑھ سو سال، مگر مچھ کی زندگی دو سو سال، درختوں کی زندگی ایک ہزار سال، (ایسے درخت دنیا میں موجود ہیں) پہاڑوں کی زندگی لاکھوں سال، جب کہ انسان کی زندگی صرف ۶۰ سال اور وہ بھی آرزوؤں بھری زندگی، حسرتوں بھری زندگی۔ عقل مند انسان وہ ہے جو دنیا کی آرزوؤں اور حسرتوں سے جان چھڑا کر اپنی من چاہی زندگی کو چھوڑ دے اور رب چاہی زندگی کو اختیار کرلے۔ کتنا عجیب ہے وہ پانا کہ جس کا انجام کھونے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ذرا توجہ فرمائیے کہ ''کتنا عجیب ہے وہ پانا کہ جس کا انجام کھونے کے سوا کچھ نہیں ہوتا''۔ زندگی میں انسان اپنی آرزوئیں پا بھی لے تو بھی بالآخر اس کا انجام کھونا ہے، جو بھی زندگی میں خواہش پوری کرلے، اس کا انجام بالآخر ان چیزوں کو کھو دینا ہے۔ تو کتنا عجیب ہے وہ پانا کہ جس کا انجام کھونے کے سوا کچھ نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ عقل مند انسان وہی ہے جو دنیا میں آرزوئیں پوری کرنے کے بجائے اپنے مولیٰ کی منشا کو پورا کرے، تاکہ اللہ قیامت کے دن اس کو اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل فرمائیں۔

جب تک انسان مٹے گا نہیں کامل نہیں ہوسکتا:

ایک نکتے کی بات ذرا سمجھیے! ہر بیج کے اندر درخت چھپا ہوتا ہے اگر اس بیج کو سازگار ماحول مل جائے۔ اگر سازگار ماحول نہ ملے تو بیج درخت نہیں بن سکتا۔ اسی لیے ہر بیج کے اندر درخت بننے کی صلاحیت تو موجود ہوتی ہے، مگر ہر بیج درخت نہیں بنا کرتا، درخت وہی بنتا ہے جس کو سازگار ماحول مل جائے۔ اور جس کو کلر والی زمین مل جائے تو وہ بیج ویسے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جس انسان کو غلط ماحول مل جائے اس کے اندر انسان کامل کا بیج موجود ہوتا ہے، مگر وہ بیج تلف ہو جاتا ہے۔ انسان کامل وہی بنتا ہے جس کو اچھا ماحول مل جائے۔ دیکھیے! جب تک بیج مٹتا نہیں تب تک وہ درخت نہیں بنتا، اسی طرح جب تک انسان مٹے گا نہیں، تب تک وہ انسان کامل نہیں بن سکتا۔

آج دنیا جانتی ہے کہ ایک ذرہ جو سب سے چھوٹا ہوتا ہے، اس کو ''ایٹم'' کہتے ہیں۔ جب وہ ایٹم مٹتا ہے تو مادی قوت کا اظہار ہوتا ہے، اتنی قوت کہ انسان اس کی طاقت سے ڈرتا ہے۔ جب ایٹم ٹوٹتا ہے تو جو اس کی طاقت ہوتی ہے وہ شہروں کو ختم کر کے رکھ دیتی ہے، مٹا کر رکھ دیتی ہے۔ یاد رکھیے! جب ذرے کا نیوکلیس ٹوٹتا ہے تو مادی طاقت ظاہر ہوتی ہے، جب انسان کا شاکلہ ٹوٹتا ہے تو اس سے روحانی طاقت باہر آ جاتی ہے۔ جیسے ایٹم کا نیوکلیس ہوتا ہے ایسے ہی انسان کا بھی ایک شاکلہ ہوتا ہے، اس شاکلہ کو توڑنے کی ضرورت ہے، اس ''انا'' کو، اس ''مَیں'' کو توڑنے کی ضرورت ہے۔ جس نے اس شاکلہ کو توڑ لیا اس ''میں'' کو توڑ لیا، اس بندے کی پھر روحانی طاقت ظاہر ہو گئی۔ پھر انسان وہ کام کر دکھاتا ہے جو جن بھی نہیں کرتا۔

انسان کی روحانی قوت جنوں سے بڑھ کر:

دیکھیے! حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی محفل میں جنوں کو کہا تھا کہ تم میں سے کون ہے جو تخت کو میرے پاس لے آئے؟ جنوں نے جواب دیا کہ ہم اس کو اتنی دیر میں لا سکتے ہیں کہ جتنی دیر میں مجلس ختم ہو۔ قرآن گواہی دے رہا ہے:

﴿ قَالَ عِفۡرِيۡتٌ مِّنَ الۡجِنِّ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ مِنۡ مَّقَامِكَ ﴾ (النمل:۳۹)

''ایک قوی ہیکل جن نے کہا: ''آپ اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ ہونگے کہ میں اس سے پہلے ہی اسے آپ کے پاس لے آؤں گا''

آپ نے کہا: بڑی دیر ہے، اس سے بھی جلدی چاہیے۔ اس وقت ایک عالم وہاں دربار میں بیٹھا ہوا تھا، اس نے کہا:

﴿اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ يَّرۡتَدَّ اِلَيۡكَ طَرۡفُكَ﴾

''میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی اسے آپ کے پاس لے آتا ہوں''

﴿ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّىۡ ﴾

''چنانچہ جب سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرے پروردگار کا فضل ہے''

معلوم ہوا کہ جب انسان کی میں ٹوٹتی ہے، انا ٹوٹتی ہے، اس کا شاکلہ ٹوٹتا ہے پھر اللہ تعالیٰ انسان کو ایسی روحانی طاقت دیتے ہیں، وہ ایسے کام کر دکھاتا ہے جو کام پھر جنوں کے لیے بھی کرنے ناممکن ہوتے ہیں۔ یہ روحانی

طاقت ہر بندے کے اختیار میں نہیں ہوتی، اس کے لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی ''میں'' کو توڑے۔

جرأت ہے تو افکار کی دنیا سے گزر جا
ہیں تیری خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزمِ خاموش کے اسرار
جب تک تو اسے ضربِ کلیمی سے نہ چیرے

انسان کی بڑی غلطی:

آج کے انسان نے اپنے آپ کو بھی سمجھنے میں غلطی کی اور اپنے رب کو بھی سمجھنے میں غلطی کی، کیا غلطی ہوئی؟ اپنے کو خدا جیسا سمجھ بیٹھا اور خدا کو اپنے جیسا سمجھ بیٹھا۔ اپنے کو خدا جیسا کیسے سمجھ بیٹھا؟ ایسے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ میری ہر منشا پوری ہو، اب ہر مرضی تو اللہ تعالیٰ کی ہی پوری ہوتی ہے۔ جیسے بعض اپنے گھر میں یہ کہتے ہیں کہ او جی! یہاں وہ ہوگا جو میں چاہوں گا، میری مرضی کے مطابق تمہیں رہنا پڑے گا۔ دیکھا! اپنے کو خدا جیسا سمجھ بیٹھا کہ ہر حال میں میری مرضی پوری ہو، دیکھ لینا میری مانو گے تو تب تمہیں کامیابی ہوگی، یہ ہے اپنے آپ کو سمجھنے میں غلطی۔ اور اللہ کو سمجھنے میں کیسے غلطی کی؟ اللہ کو اپنے پر قیاس کر بیٹھا، یہ سمجھ بیٹھا کہ بس اب میں نے کلمہ پڑھ لیا، اب میں جو بھی عمل کروں، اللہ کے ذمہ ہے کہ وہ میری پشت پناہی کرے۔

اس لیے آج کا مسلمان کہتا ہے: ''او جی! اللہ کی مدد کیوں نہیں آتی؟'' بھئی! اللہ کی مدد انسانوں کی سانس کے ساتھ اور جسم کے ساتھ وابستہ نہیں، ہاں! البتہ ان کے اعمال اور ان کے ایمان کے ساتھ وابستہ ہے۔ جب وہ ایمان

والے اعمال ظاہر ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی مدد ان پر آئے گی۔ ہم کہتے ہیں: ''جی! چونکہ ہم مسلمان کہلاتے ہیں اب اللہ کے ذمے ہے کہ ہماری مدد کرے۔'' وہ کوئی رشتہ دار تھوڑا ہے؟ کہ رشتہ دار ایک دوسرے کی جائز بھی مدد کرتے ہیں، ناجائز بھی مدد کرتے ہیں۔ کہتے ہیں: ''جو مرضی ہو ہم نے تو اپنے رشتہ دار کا ساتھ دینا ہے۔'' اللہ تعالیٰ کا ساتھ ایسا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ساتھ اعمال کے ساتھ ہے، وہ اعمال دنیا میں جس بندے کے بھی ہوں، رنگ کا گورا ہو، کالا ہو، عربی ہو، عجمی ہو، مرد ہو، عورت ہو، جس کے اندر وہ اعمال ہوں گے اللہ تعالیٰ اس بندے کے ساتھ ہیں۔ تو ہم نے اپنے آپ کو سمجھنے میں بھی غلطی کر لی، اپنے پروردگار کو سمجھنے میں بھی غلطی کر لی۔

اب دیکھیں! قومِ یہود نے کیا کہا تھا؟

﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ﴾(المائدۃ:۱۸)

''ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پسندیدہ ہیں''

لہٰذا ہم جو مرضی کریں:

﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً﴾(البقرۃ:۸۰)

''ہمیں آگ ہرگز نہیں چھوئے گی، مگر چند دن''

تو دلیل قرآن سے مل گئی کہ اپنے کو بھی سمجھنے میں غلطی کی، اور اپنے رب کو بھی سمجھنے میں غلطی کی۔

دوزخی اعمال سے جنت کی تلاش:

عجیب بات تو یہ ہے کہ ایک جنت اللہ نے بنائی ہے اور آج دنیا میں بھی ہر انسان اپنی جنت بنانے میں مصروف ہے۔ ہر انسان کس لیے محنت کر رہا

ہے؟ میری بیوی ایسی ہو، میرا گھر ایسا ہو، میری گاڑی ایسی ہو، میرا لباس ایسا ہو، ہر چیز اپنی پسند کی چاہتا ہے۔ یعنی ایک جنت تو خدا نے بنائی، ایک جنت اب انسان دنیا میں بناتا پھرتا ہے۔ اسی لیے رشوتیں لیتا ہے، اسی لیے حرام کھاتا ہے۔ کیوں؟ من پسند کی ہر چیز پالینا، اسی کا نام تو جنت ہے، مگر عجیب بات کہ ہر انسان جنت کو تلاش کرتا پھرتا ہے، مگر دوزخی اعمال کے ذریعے سے، یہ کیسے ممکن ہے؟ بھلا یہ ممکن ہے کہ ہم دوزخی اعمال کے ذریعے سے جنت کو پالیں؟ کچھ اعمال جنت میں لے جانے والے ہیں اور کچھ اعمال دوزخ میں لے جانے والے ہیں۔ آج لوٹ مار کے ذریعے من پسند کی زندگی گزارنے والا، حقیقت میں دوزخی اعمال کے ذریعے سے جنت کو ڈھونڈنے والوں میں شامل ہے۔

اسی لیے انسان کو چاہیے کہ اپنی اوقات کو یاد رکھے کہ بالآخر میں نے دنیا سے چلے جانا ہے، اگر یہاں میں نے من پسند کی چیزیں اکٹھی بھی کرلیں، حرام کا مال جمع بھی کرلیا، خوبصورت بیوی بھی لے لی، گھر بھی لے لیا، ہر چیز لے بھی لی، ہے تو یہ پھر بھی چار دن کی چاندنی، آگے پھر اندھیری رات ہی تو آنی ہے۔

موت کو یاد رکھو!

اسی لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم فرمایا:

((اَكْثِرُوْا مِنْ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ يَعْنِي الْمَوْتَ)) (ترمذی، حدیث: ۲۲۲۹)

''لذتوں کو توڑنے والی اپنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو''

وہ تمھیں اپنی حقیقت یاد دلائے گی۔ اسی لیے ہمارے اکابر پہلے وقت میں قبرستان میں جایا کرتے تھے کہ قبرستان میں جا کر انسان کو عبرت ملتی ہے اور اس

عاجز کا خیال یہ ہے کہ آج کے دور میں قبرستان میں جانے کے بجائے ہسپتال میں جا کر دیکھ لیا کریں، آج کا ہسپتال عبرت کا زیادہ بڑا نمونہ ہے۔ پہلے زمانے میں اتنے بڑے ہسپتال تو ہوتے نہیں تھے، آج ذرا جا کر دیکھیں! انسان کی اوقات کیا ہے؟ سمجھ لگ جاتی ہے۔ کبھی دل والے سیکشن میں جا کر دیکھیں، کبھی پیشاب والے سیکشن میں جا کر دیکھیں، پتہ چل جائے گا کہ انسان کے ساتھ کیا گزر رہی ہے۔

مگر انسان کے دل کی غفلت ایسی کہ ہسپتالوں میں جا کر بھی کئی مرتبہ یہ دور نہیں ہوتی۔ خود مریضوں کو روزانہ ڈیل کرنے والے لوگ، مریضوں کو ایسے برے امراض میں مبتلا دیکھنے والے ڈاکٹر اور ڈاکٹرنیاں، ان کے اپنے دل نرم نہیں ہوتے، انسان کے دل کی غفلت کا یہ حال ہے۔

اعمال کی کنجیاں

انسان اگر یہ چاہے کہ میں اپنے رب کو پالوں، رب کی رضا کو پالوں تو اس کو چاہیے کہ اپنے رب کو خوش کرنے والے اعمال کو کرنا شروع کر دے، یقیناً اس کو اپنے رب کی رضا مل جائے گی۔ اسی لیے ہر چیز کی کنجی ہوتی ہے، جس سے اس کے تالے کھلتے ہیں۔ حدیث پاک میں مختلف اعمال کی کنجیاں بتا دی گئیں۔

جنت کی کنجی:

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتا دیا کہ
جنت کی کنجی ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ“ کہنا ہے۔ (کنز العمال، حدیث: ۱۸۲۵)

نماز کی کنجی:

اسی طرح فرمادیا کہ نماز کی کنجی ''طہارت'' ہے، جو انسان ہمیشہ باوضو رہے، اس کے لیے نماز پڑھنی بڑی آسان ہے۔ جو عورتیں کہتی ہیں کہ جی! ہم سے نماز میں سستی ہو جاتی ہے، اگر کبھی اپنے آپ کو باوضو رکھنے کی کوشش کریں، نماز پڑھنی بڑی آسان ہو جائے گی۔ اور ایک معنی اس کا یہ بھی ہے کہ جو بندہ چاہے کہ نماز کی حقیقت نصیب ہو جائے، اس کو چاہیے کہ وضو اہتمام کے ساتھ کرلے، نماز کی حقیقت بھی نصیب ہو جائے گی۔

آپ نوٹ کرلیں کہ غفلت کی نماز پڑھنے والے ہمیشہ وہی لوگ ہوں گے جو وضو بھی غفلت کے ساتھ کرتے ہیں۔ آپ ذرا وضو کو حضورِ دل کے ساتھ کرنے کی عادت ڈالیں اللہ تعالیٰ نماز کے اسرار بھی عطا فرمادیں گے۔

نیکی کی کنجی سچ بولنا:

اسی طرح نیکی کی کنجی ''سچ بولنا'' ہے۔ جو انسان چاہے کہ میں نیک بن جاؤں وہ سچ بولنے کی عادت ڈالے، یہ نیک بننے کی کنجی ہے۔ اصل میں جھوٹ ہی ہے جو تمام برائیوں کی بنیاد ہے اور آج کے دور میں شیطان نے اس کا ایک خوبصورت نام ''بہانہ'' رکھ دیا، تاکہ بندے کو برا نہ لگے۔ او جی! میں نے بس بہانہ بنالیا اور یہ بہانہ جھوٹ ہی ہے، سیدھا سیدھا کہو کہ میں نے جھوٹ بولا۔ بیوی سمجھتی ہے کہ میں نے خاوند کے سامنے بہانہ بنالیا، خاوند سمجھتا ہے میں نے بیوی کے سامنے بہانہ بنالیا۔ کیا مطلب؟ آپ سیدھے الفاظ کہیں کہ میں نے جھوٹ بولا۔ جو انسان چاہے کہ میں نیک بنوں، اس کے نیک بننے کی کنجی ہے

سچ بولنا، سچ بولنے کی عادت ڈال لے۔اس لیے ہمارے مشائخ نے کہا کہ بچے کو جو چند موٹی موٹی چیزیں سکھائی جائیں ان میں سے ایک چیز ہمیشہ سچ بولنا ہے۔ اس میں بچے کے ساتھ کوئی کمپرومائز نہیں، بچے کی ہر غلطی برداشت ہوسکتی ہے، اس کا جھوٹ برداشت نہیں ہوسکتا، آپ اس کو ایسا بنالیں، خود بخود بچے میں نیکی آجائے گی۔اس لیے کہ جھوٹ سے ہی وہ اپنے گناہوں پر پردے ڈالتا ہے، جب سچ بولے گا تو گناہ پر پردہ ہی نہیں ڈول سکتا۔آج تو انسان ایک گناہ کرتا ہے، اس کو چھپانے کے لیے ایک جھوٹ بولتا ہے، پھر اس جھوٹ کو چھپانے کے لیے دس جھوٹ اور بولنے پڑتے ہیں اور پھر دس جھوٹوں کو چھپانے کے لیے سو جھوٹ اور بولنے پڑتے ہیں اور یہ ایک نیا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔اور بسا اوقات اپنی زندگی میں ایک روگ پالتا ہے، اس کے بدلے اس کو ہزاروں جگہ پر جھوٹ بولنا پڑتا ہے، حتیٰ کہ اللہ رب العزت کے ہاں جھوٹوں کے دفتر میں اس کا نام لکھ دیا جاتا ہے۔

علم کی کنجی ''حسنِ سوال'':

علم کی کنجی حسنِ سوال۔جس طالبعلم کے اندر حسنِ سوال کی صفت پیدا ہوگئی آپ یوں سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم کے باب عطا فرمادیے۔

اللہ کی مدد کی کنجی ''صبر'':

اللہ رب العزت کی مدد کی کنجی انسان کا صبر ہے۔آج ہم ہر چیز کا بدلہ لینا چاہتے ہیں، بھئی! جب بدلہ ہم لیں گے تو اللہ کی مدد کیسے اترے گی؟
ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک شخص صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے سخت بات

کرر ہا تھا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس کو برداشت کر رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی سن رہے تھے، حتیٰ کہ جب اس نے بہت ہی بے جا باتیں کی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور وہاں سے جانے لگے۔ فرمایا کہ ابو بکر! جب تک تم خاموش تھے، ایک فرشتہ تمہاری طرف سے اس کو جواب دے رہا تھا، جب تم نے خود جواب دیا، اللہ کا وہ فرشتہ چلا گیا اور اب میں بھی اس محفل سے اٹھ کر جا رہا ہوں۔ (شعب الایمان : ج ۱۰ص ۲۱۲، حدیث : ۷۷۱۶) تو معلوم ہوا کہ جو بندہ صبر کرتا ہے، اللہ رب العزت اس بندے کا مددگار ہوتا ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (البقرۃ: ۱۵۳)

''اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے''

ایک نکتے کی بات ہی کہ آپ کا مخالف دو طرح کا بندہ ہوسکتا ہے: یا نیک ہوگا یا بد ہوگا۔ اگر تو بد ہے تو آپ کو بدلہ لینے کی ضرورت نہیں، اس سے بدلہ لینے کے لیے اللہ ہی کافی ہے، اس نے کہہ رکھا ہے:

﴿إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ﴾ (الم السجدۃ: ۲۲)

''بے شک ہم مجرموں سے انتقام لیں گے''

اگر تو آپ کا دشمن بد ہے، برا ہے تو آپ کو بدلہ لینے کی ضرورت نہیں، اللہ ہی بدلہ لینے کے لیے کافی ہے اور اگر آپ کا دشمن نیک ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ خود برے ہیں، جو نیکوں کے ساتھ آپ نے دشمنی کر لی ہے۔ تو اپنے آپ کو سنوار لیجیے، نیکوں کے ساتھ دشمنی نہ کیجیے!

نعمتِ خدا کی کنجی ''شکر'':

نعمتِ خدا کی جو کنجی ہے وہ شکر ادا کرنا ہے۔ جو انسان بھی اللہ تعالیٰ کی

نعمتوں کا شکر ادا کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی اپنی نعمتوں کے دروازے اس پر کھول دیں گے۔ یہ شکر زبان سے بھی کرے اور یہ شکر اپنے عمل سے بھی کرے۔ آج اللہ تعالیٰ کا زبان سے شکر ادا کرنا بہت کم ہوتا جا رہا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ بیٹے کی تعریف کرنا آسان، شوہر کی تعریف کرنا آسان، مگر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا بڑا مشکل کام، یہ زبان سے ادا نہیں ہوتی۔ کوئی پوچھے کہ سناؤ! کاروبار کیسا ہے؟ ''بس جی گزارہ ہے'' حالانکہ کاروبار ایسا کہ یہ اپنے ساتھ دس گھروں کا اور بھی خرچ چلا سکتا ہے، اتنا رب نے دیا، اس کی ضرورتوں سے بڑھ کر دیا، اس کی اوقات سے بڑھ کر پروردگار نے اسے دیا، مگر جواب کیا ملے گا؟ ''بس جی گزارہ ہے''۔ اس سے زیادہ ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے؟ کیوں نہیں آگے سے زبان کھلتی؟ او بندے! یوں کیوں نہیں کہتا کہ اللہ نے میری اوقات سے بڑھ کر دیا؟ میں تو ساری زندگی سجدے میں پڑا رہوں، اپنے مولیٰ کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف زبان سے جلدی نہیں نکلتی، اللہ کی خوب تعریفیں کرنی چاہییں، اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریفیں کریں کہ سننے والے کا دل خوش ہو جائے، پھر اللہ تعالیٰ کو بھی پیار آئے گا کہ بندے نے ایسی تعریف کی۔

ولایت کی کنجی ''ذکر'':

ولایت کی کنجی ''ذکر''۔ جب بندہ چاہے کہ مجھے ولایت کا مقام مل جائے اس کو چاہیے کہ وہ پابندی کے ساتھ ذکر کرے، ذکر کی پابندی سے اللہ تعالیٰ ولایت کا درجہ آسانی سے عطا فرما دیتے ہیں۔ آج ہم سے ذکر ہی نہیں ہوتا۔ پوچھیں نا کہ کیا معمولات کرتے ہو؟ جی! ہم سے مراقبہ نہیں ہوتا، تو پھر ولایت کے انوار کیسے ملیں گے؟ بھئی! ہم کنجی کے بغیر تالا کھولنا چاہتے

ہیں، کیا بات ہے!!! کیا شان ہے!!! پانچ منٹ مراقبہ نہیں ہوتا، پھر ہم کہتے ہیں کہ ہمارے اندر سے غصہ نہیں نکلتا، ہماری نگاہ پاک نہیں ہوتی، بھئی! یہ تمام نعمتیں اس ذکر کی کثرت سے ملتی تھیں، یہ کام ہم کرتے نہیں، ہمیں یہ صفات کیسے مل جائیں؟ اولیا کی صفات تب ملیں گی جب ہم ذکر کو دوام کے ساتھ کریں گے۔ ہمارے مشائخ نے تو یہاں تک فرمایا: ''جو دم غافل سو دم کافر'' جو لمحہ بھی ذکر کے بغیر گزر اتم یوں سمجھو کہ وہ لمحہ گویا کفر کی حالت میں گزرا۔

فلاح کی کنجی ''تقوی'':

فلاح کی کنجی ''تقوی'' ہے۔ ہر انسان چاہتا ہے کہ میں نجات پا جاؤں، مجھے کامیابی مل جائے، فلاح مل جائے۔ فلاح کیا ہوتی ہے؟ ذرا سمجھیں! فلاح ایسی کامیابی کو کہتے ہیں جس کے بعد ناکامی نہ ہو، اللہ کا ایسا قرب جس کے بعد دوری نہ ہو، ایسی خوشی ملے انسان کو کہ جس کے بعد غم نہ ہو، اس کو ''فلاح'' کہتے ہیں۔ اور یہ انسان کو تقوی کے ساتھ ملتی ہے۔ اور اسی تقوی کی وجہ سے انسان کو جنت ملے گی۔

﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ (مریم: ٦٣)

''یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو متقی ہو''

دیکھیے! یہاں ''نورث'' کا لفظ استعمال کیا۔ بھئی! وارث تو ہوتا ہے اپنے باپ دادا کی جائیداد کا، تو معلوم ہوا کہ جنت ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی جائیداد ہے۔ اگر ہم ان کے صحیح معنوں میں وارث بنیں گے تو بالآخر ہمیں یہ وراثت مل کر رہے گی۔ مَنْ كَانَ تَقِيًّا جو متقی ہوگا اسے یہ وراثت ملے گی۔

رزق کی کنجی ''اخلاص'':

اور رزق کی کنجی ''اخلاص'' ہے، اخلاص اور صلہ رحمی۔ چونکہ آج کل یہ مسئلہ بہت عام ہے، حدیث پاک میں آتا ہے: ''صلہ رحمی رزق کی کنجی ہے''، جس بندے کے اندر صلہ رحمی ہو وہ رشتے ناتوں کو جوڑے، جن کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا، اللہ تعالیٰ اس کا رزق بڑھا دیتے ہیں۔ آج ہم ان کو توڑتے پھرتے ہیں۔

﴿ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ ﴾ (البقرۃ:۲۷)

''اور توڑتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا''

دیکھیے! اخلاص انسان کے لیے رزق کے دروازوں کے کھلنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی لیے تو میں اب کہا کرتا ہوں کہ جب خلوص کی کمی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ فلوس کی کمی نہیں آنے دیتے۔ رزق کے دروازے کھول دیتے ہیں، ایسی طرف سے رزق دیتے ہیں جس کا بندے کو گمان ہی نہیں ہوتا۔

خیر و برکت والے اعمال

وضو سے عمر میں برکت:

ایک حدیث پاک میں نبی ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کچھ نصیحتیں کیں۔ فرمایا:

''کامل وضو کرو عمر بڑھادی جائے گی''

جو انسان چاہے کہ میری عمر لمبی ہو، برکت والی ہو، اس کو چاہیے کہ کامل وضو

کرے، باوضو رہنے کی کوشش کرے، عمر میں برکت عطا کر دی جائے گی۔

سلام سے گھر میں برکت:

دوسری نصیحت فرمائی:

''جب تم گھر میں داخل ہوتو اپنے اہلِ خانہ کو سلام کرو، اس سے گھر میں خیر بڑھے گی''۔

آج کتنے بھائی ہیں جو گھر میں مسکراتے چہرے کے ساتھ داخل ہوتے ہیں اور اہل خانہ کو سلام کرتے ہیں؟ آج تو کمرے میں باپ بیٹھا ہوتو بیٹا آ کر سلام نہیں کرتا، یہ تو پوچھ لے گا کہ ابو! آپ کیسے ہیں؟ سلام نہیں کرے گا۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہ اتنا سلام کرتے تھے، فرماتے ہیں کہ ہم اکٹھے بیٹھے ہوتے اور اٹھ کر کسی کام سے دیوار کی اوٹ میں چلے جاتے اور واپس آتے تو پھر ایک دوسرے کو سلام کرتے۔ (شعب الایمان، رقم: ۲۱۰۷، شرح مشکل الآثار: ۱۵۵۱۳)

اسی لیے نبی علیہ السلام نے ایک حدیث پاک میں فرمایا:

''جاننے والے اور انجان سب کو سلام کیا کرو'' (بخاری، حدیث: ۶۲۳۶)

تیسری نصیحت فرمائی:

''سلام کو عام کرو، نیکیوں کی کثرت عطا کر دی جائے گی''

یہ اَفۡشُوا السَّلَامَ بَیۡنَکُمۡ والی سنت آج نکلتی چلی جا رہی ہے۔

اہل اللہ سے نسبت:

چوتھی نصیحت:

''تم چاشت کی نماز پڑھو، تمہاری اہل اللہ کے ساتھ نسبت بڑھ جائے گی،

نیک بندوں میں شمار کرلیا جائے گا۔"

نبی علیہ السلام کا ساتھ:

پانچویں نصیحت:

وَوَقِّرِ الْكَبِيْرَ وَارْحَمِ الصَّغِيْرَ تَلْقَنِيْ غَدًا

''چھوٹوں پر رحم کرو، اور بڑوں کی عزت کرو، تو قیامت کے دن تمہیں میرا ساتھ نصیب کردیا جائے گا''۔ سبحان اللہ!

(کنزالعمال: ۹۰۹۱۵، حدیث: ۴۳۵۱۷)

اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم بڑوں کا اکرام کریں اور چھوٹوں کے اوپر شفقت کریں۔

پانچ بندوں کی ذمہ داری

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ پانچ بندے اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں ہوتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ جیسے بچے کا ذمہ دار اس کا باپ ہوتا ہے، پانچ بندے ایسے ہیں کہ ان کا ذمہ دار ان کا پروردگار بن جاتا ہے۔ تو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم وہ اعمال کریں کہ جس میں اللہ ہمارا ذمہ دار بن جائے۔ وہ پانچ بندے یہ ہیں:

(۱) اللہ کے راستے میں نکلنے والا:

سنیے! ایک وہ بندہ جو اللہ کے راستے میں نکلنے والا ہو، جو اللہ کے راستے میں اقامت دین کے لیے نکلے، مجاھد فی سبیل اللہ، جو دین کی دعوت دینے کے لیے

نکلے وہ بھی فی سبیل اللہ، اور جو علم حاصل کرنے کے لیے نکلے وہ بھی فی سبیل اللہ، یہ تمام کام کرنے والے لوگ اللہ کے راستے میں نکلنے والے ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کا اللہ ذمہ دار ہوتا ہے۔ آپ لوگ اپنے گھروں سے چل کر یہاں آئے، اپنی اصلاح کی نیت سے، اللہ کا قرب پانے کی نیت سے، آپ بھی اللہ کے راستے میں ہیں۔ یہ کوئی شیطان کا راستہ نہیں ہے، یہ بھی اللہ کا راستہ ہے، اللہ کے راستے کو کسی ایک عمل کے ساتھ مخصوص نہیں کردینا چاہیے۔ احادیث میں جتنے اعمال ہیں ان اعمال کو کرنے والا، اللہ کے راستے میں نکلنے والا ہے۔

(۲) مریض کی عیادت کرنے والا:

دوسرا: مریض کی عیادت کرنے والا، حدیث پاک میں آتا ہے کہ وہ بھی اللہ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے۔ اور حالت تو یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے گھر کے مریضوں کو بھی نہیں پوچھتے، بیوی بیمار ہے، خاوند نہیں پوچھتا۔ بیٹا اور بیٹی بیمار ہے ان کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کی فرصت نہیں ہوتی، گھر میں موجود لوگوں کا حال نہیں پوچھتے۔ بیوی کو ایسے رکھتے ہیں جیسے کوئی بے سہارا ہوتی ہے۔ ہمارے اکابر بے سہاروں کا سہارا بنا کرتے تھے۔ یاد رکھنا! توجہ کیجیے گا! دنیا میں کسی بے سہارا کا سہارا بننے کا مطلب ہوتا ہے کہ اے اللہ! تو اس دن میرا سہارا بن جانا جب میرا کوئی سہارا نہیں ہوگا۔

(۳) صبح وشام مسجد میں گزارنے والا:

اور نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص صبح وشام مسجد میں گزارے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے''

ایک وقت تھا، جب صبح کی نماز مسجد میں پڑھا کرتے تھے اور پھر اشراق

تک بیٹھ کر اللہ کو یاد کرتے تھے۔ ہمارے اکابر تہجد بین النومین (دو نیندوں کے درمیان) پڑھا کرتے تھے اور آج کل کے صوفی حضرات فجر کی نماز بین النومین پڑھتے ہیں۔ مشکل سے اٹھ کر فجر پڑھی اور سلام پھیر کر پھر بستر پر لیٹ گئے۔ حالانکہ یہ صبح کا وقت ہوتا ہے، یہ تو برکت والا وقت ہوتا ہے۔ ہماری پنجابی زبان میں اس کو کہتے ہیں: ''نور پیر دا ویلہ''۔ کیا مطلب؟ کہ اس وقت میں پیر کے بتائے ہوئے اوراد و وظائف کرتے ہیں، جس پر اللہ تعالیٰ نور برساتے ہیں، لہٰذا یہ نور پیر دا ویلہ ہوتا تھا، اس وقت میں اتنا زیادہ تلاوتِ قرآن اور ذکر و اذکار کیا کرتے تھے کہ اس کا نام ہی ''نور پیر دا ویلہ'' پڑ گیا۔

(۴) امام کا معاون:

چوتھا فرمایا: امام کا مددگار، یعنی جو عالم کسی مسجد کا امام ہو یا بیشک اپنے وقت کا امام ہو، اس کی اقامتِ دین کے کام میں مدد کرنے والا ہو، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی علما کا قدردان بنادے۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے علما سے ایسی محبت ہے کہ اگر میں لیٹا ہوا ہوں اور کوئی عالم میرے سینے پر پاؤں رکھ کے گزر جائے، مجھے اس سے بھی تکلیف نہیں ہوا کرتی۔ اور آج تو کچھ لوگوں کو علما سے خدا واسطے کا بیر ہوتا ہے، یعنی محاورے میں یہ بات کی جاتی ہے، ورنہ میں تو کہوں گا: شیطان کی وجہ سے بیر ہوتا ہے، نفس کی وجہ سے بیر ہوتا ہے، نہ ان کو علما اچھے لگتے ہیں اور جہاں علما بنتے ہیں نہ وہ جگہیں اچھی لگتی ہیں۔

(۵) کسی کا برا نہ چاہنے والا:

اور پانچواں: حدیث پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص گھر بیٹھے کسی

کا برا نہ چاہے وہ بھی اللہ کی حفاظت میں ہے، اللہ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے۔‘‘

(صحیح ابن حبان، حدیث: ۲۷۳، کنز العمال، حدیث: ۴۳۵۱۸)

آج ہم گھر بیٹھ کے لوگوں کی غیبتیں کرتے ہیں، جو غیبت کرتا ہے وہ اصل میں دوسرے کا برا چاہتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جو لوگ غیبت سے بچیں گے وہ گویا اللہ کی ذمہ داری میں آجائیں گے۔

غیبت سے بچنے کا آسان طریقہ: یا تو اس محفل سے اٹھ جائیں یا اس بندے کی اچھائی بیان کر دیں، مثال کے طور پر: ایک آدمی نے دوسرے کے بارے میں کہا کہ ’’فلاں تو بڑا ہی بے وقوف ہے‘‘ سننے والے نے کہا کہ مجھ سے تو کم ہی ہوگا، بات ہی ختم۔ تو ہمیں بھی آگے سے ایسی ہی بات کرنی چاہیے، مثلاً: ہم یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ اگر اس میں اتنی برائیاں ہیں تو اللہ نے اس میں اچھائیاں بھی رکھی ہوں گی اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہر انسان کے اندر کمزوریاں بھی ہوتی ہیں اور اچھائیاں بھی ہوتی ہیں۔ ہم تو آگے سے زبان بھی نہیں کھول پاتے، تو اگر زبان بھی نہیں کھول سکتے تو اٹھ کر وہاں سے چلے جائیں، کوئی نہ کوئی بہانہ بنالیں۔ تو جو انسان گھر بیٹھے کسی کا برا نہ چاہے وہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے۔

چند آنکھوں پر جہنم حرام

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ آنکھوں پر جہنم کی آگ حرام فرما دیتے ہیں:

اللہ کی راہ میں جاگنے والی آنکھ:

سب سے پہلی آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جاگی ہو۔ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلے اور جاگے، مجاھد ہو، داعی ہو، طالبعلم ہو، جو اللہ کے راستے میں نکل کر جاگے تو اللہ کے راستے میں جاگنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام فرما دیتے ہیں۔ کچھ لوگ اللہ کی عبادت میں رات کو جاگتے ہیں ؎

اس شب کی تلخیوں کا کوئی میرے دل سے پوچھے
تیری راہ تکتے تکتے مجھے صبح ہوگئی ہے

تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں ساری رات گزار دیا کرتے ہیں۔

اللہ کی راہ میں ضائع ہونے والی آنکھ:

اور وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں ضائع ہو جائے تو ایسی آنکھ پر اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کو حرام فرما دیتے ہیں۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں اللہ کے دین کے لیے زندگی گزارنے والے۔

ایک تیری ہی دوستی کے لیے
ساری دنیا سے دشمنی کر لی

ساری دنیا ان کی دشمن بن جایا کرتی ہے، ایسے بندے کی آنکھ ضائع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ایسی آنکھ پر جہنم کی آگ کو حرام فرما دیتے ہیں۔

خوف خدا سے رونے والی آنکھ:

اور تیسرا: نبی علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص خوفِ خدا کی وجہ سے روئے، اللہ کی محبت میں روئے، ایسی آنکھ پر بھی اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کو حرام فرما دیتے ہیں۔

اللہ کی محبت میں روتے ہیں، اللہ کے خوف سے روتے ہیں، یہ آنسو بھی بڑی نعمت ہیں۔ کسی نے کیا عجیب شعر کہا:

اشک بہہ کر بھی کم نہیں ہوتے
آنکھ کتنی امیر ہوتی ہے

اللہ اکبر!

غیر محرم سے رکنے والی آنکھ:

اور چوتھی بات نبی علیہ السلام نے فرمائی: ''جو آنکھ غیر محرم کو دیکھنے سے رک جائے اللہ تعالیٰ اس پر بھی جہنم کی آگ کو حرام فرما دیتے ہیں۔ (جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۱۱۵۶۷، سنن دارمی، حدیث: ۲۴۰۰) آج کی محفل میں ہم اپنے دلوں میں یہ عہد کریں کہ ہماری آنکھ کبھی بھی کسی غیر محرم کی طرف نہیں اٹھے گی، تاکہ اللہ تعالیٰ ہماری بھی آنکھوں کو جہنم کی آگ سے محفوظ فرمالیں۔

پانچ کاموں میں جلدی کرو!

ہمارے اکابر نے فرمایا کہ عام طور پر تو جلدی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، مگر پانچ کام ایسے ہیں کہ ان کاموں کو جلدی کرنا زیادہ اچھا ہے۔

① ......نماز جلدی پڑھنا۔ اکثر عورتیں یہ شکایت کرتی ہیں کہ نماز میں سستی ہو جاتی ہے، اس کی وجہ کیا ہوتی ہے؟ شیطان ان کے دلوں میں یہ ڈالتا ہے کہ بس یہ کام کر کے پڑھ لیتی ہوں۔ یہ اصل میں بری عادت ہے، جب بھی نماز کا وقت ہو جائے تو کوشش کریں کہ نماز پہلے پڑھیں، باقی کام بعد میں کریں۔

② ......توبہ میں جلدی کرنا، توبہ میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ جب بھی کوئی اچھی

محفل دیکھیں، نیک لوگ دیکھیں، ایسا وقت دیکھیں، جو اللہ کی رحمتوں کا ہو، توبہ کرنے میں جلدی کرنی چاہیے۔

③ ...... مہمان کو کھانا کھلانے میں جلدی کرنا، ہمارے اکابر نے فرمایا: اگر کسی کے ہاں مہمان آئے اور وہ پانی کا گلاس ہی بھر کر پیش کر دے گا، مہمان نوازی کا حق ادا کر دے گا، اتنا تو ہر بندہ ہی کر سکتا ہے۔

④ ...... اور فرمایا کہ کنواری بچی کی شادی کرنا، اس میں بھی جلدی کرے اور آج اس عمل میں سستی کی وجہ سے ماحول اور معاشرے کے اندر فحاشی اور عریانی پھیل رہی ہے، بے حیائی پھیل رہی ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب جوڑ کا خاوند مل جائے تو تم بیٹی کی شادی کرنے میں ہمیشہ جلدی کرو۔

(کنز العمال، حدیث: ۷۶۶۸)

⑤ ...... اور پانچواں فرمایا کہ جنازہ جب تیار ہو جائے تو اس کو دفنانے میں جلدی کی جائے۔

پرندوں کا پنجرہ یا جانوروں کا اصطبل ......

انسان جب یہ اعمال اپناتا ہے تو پھر اچھا انسان بن جاتا ہے۔ اور اگر ان اعمال سے انسان محروم ہو جائے تو پھر انسان بگڑا ہوا انسان ہوتا ہے۔ اسی لیے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

هٰذِهِ الْاَجْسَادُ حَبْسٌ لِّطُيُوْرٍ اَوْ اِصْطَبْلُ الدَّوَابِّ

''یہ ہمارے جو جسم ہیں یا تو یہ پرندوں کے پنجرے ہیں یا پھر یہ جانوروں کے اصطبل ہیں''

ان کے اندر رہنے والا اگر نیک ہے تو وہ جنتی پرندہ ہے، یہ اس کے لیے پنجرہ

ہے، جیسے ہی موت کا وقت آئے گا تو وہ اڑ کر اس پنجرے سے نکل جائے گا اور جنت کا پرندہ بنا دیا جائے گا اور اگر یہ بگڑا ہوا ہے تو یہ بگڑے ہوئے انسان کا جسم اس کے لیے جانوروں کا اصطبل ہے۔

تو ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت سے اس کی مدد مانگیں اور ان اعمال کو اپنائیں، تاکہ نیک بن کر زندگی گزارنے والوں میں ہم بھی شامل ہو جائیں۔

تصوف وسلوک کی محنت کا مقصد:

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان کو اپنی اصلاح کی فکر لگ جائے۔ جس محنت سے بندے کو یہ غم لگ جائے، یہ درد نصیب ہو جائے، اس محنت کو آج کے زمانے میں ''تصوف'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ہمارے مشائخ نے تصوف کے بارے میں مختلف الفاظ میں تعریفیں بیان کیں۔ جو یاد ہیں تو ان کو بیان کر دیتا ہوں، اب اتنا وقت تو نہیں کہ ان تمام کی تفصیل بتائیں، اپنے اپنے علاقوں میں جا کر علما سے تفصیل پوچھ لینا۔ چونکہ تصوف کی تعریف کرنے کے حقدار تو وہی ہیں جو اس پر عمل کرنے والے ہیں، کیونکہ صَاحِبُ الْبَیْتِ اَدْرٰی بِمَا فِیْھَا گھر والا جانتا ہے گھر کے اندر کیا ہے؟

تصوف، اکابر کے اقوال کی روشنی میں

تو ہمارے اکابر نے تصوف کی جو تعلیمات دیں وہ ذرا سنتے جایئے اور پھر جو علما ہیں وہ تو ان کو سمجھ ہی لیں گے۔ طلبا بھی ان کو سمجھ لیں، آسان عربی ہے اور جو ہمارے جیسے عوام الناس ہیں وہ اپنے گھروں میں جا کے علما سے سمجھ لیں۔

✿...... چنانچہ امام ابورحیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اِنَّ التَّصَوُّفَ اَحْوَالٌ قَاهِرَةٌ وَاَخْلَاقٌ طَاهِرَةٌ (حلیۃ الاولیاء:۱/ ۲۷)

''تصوف نام ہے غلبہ احوال اور پاکیزہ اخلاق کا''

......جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اَلْخُرُوْجُ عَنْ كُلِّ خُلُقٍ دَنِيٍّ وَالدُّخُوْلُ فِيْ كُلِّ خُلُقٍ سَنِيٍّ

''ہر برے خلق سے نکل جانا اور ہر اچھے خلق کو اختیار کر لینا، اس کا نام تصوف ہے۔'' (حلیۃ الاولیاء:۱/ ۲۲)

بعض نے فرمایا:

تَفَرُّدُ الْعَبْدِ بِالصَّمَدِ الْفَرْدِ (حلیۃ الاولیاء:۱۰۳)

کہ بندے کا ایک اللہ کے لیے اپنے آپ کو ہر چیز سے الگ کر لینا یعنی توکل اختیار کر لینا، اس کا نام تصوف ہے۔

......بعض نے فرمایا:

تَطْلِيْقُ الدُّنْيَا بَتَاتًا وَالْاِعْرَاضُ عَنْ مَنَالِهَا ثَبَاتًا

(حلیۃ الاولیاء:۱۰۳)

یعنی اللہ کی رضا کے لیے دنیا کو طلاق دے دینا، خواہشات دنیا کو طلاق دے دینا۔

......بعض مشائخ نے تصوف کے بارے میں کہا:

اَلسُّكُوْنُ اِلَى اللَّهِيْبِ فِي الْحَنِيْنِ اِلَى الْحَبِيْبِ (حلیۃ الاولیاء:۱/ ۳۱)

کہ اپنے محبوب کی طرف سے جو حالات آجائیں ان میں پرسکون رہنا، اس کا نام تصوف ہے:

......بعض نے کہا:

اِنَّ التَّصَوُّفَ مُوَافَقَةُ الْحَقِّ وَمُضَاحَكَةُ الْخَلْقِ (حلیۃ الاولیاء:۵/۴۶)

''حق کے ساتھ موافقت کرنا اور مخلوق کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا، اس کو تصوف کہتے ہیں۔''

✪......بعض حضرات نے کہا:

اَلْعُلُوُّ اِلٰی کُلِّ خَلْقٍ شَرِیْفٍ وَالْعُدُوْلُ عَنْ کُلِّ خَلْقٍ دَنِیْءٍ

(طبقات الصوفیۃ للسلمی:۱۱۸۱)

✪......بعض حضرات نے کہا:

اَلْاِعْتِصَامُ بِالْحَقَائِقِ عِنْدَ اخْتِلَافِ الطَّرَائِقِ (حلیۃ الاولیاء:۱/۲۹)

✪......بعض حضرات نے کہا:

حَمْلُ النَّفْسِ عَلَی الشَّدَائِدِ (حلیۃ الاولیاء:۱/۴۸)

✪......بعض حضرات نے کہا:

اِسْلَامُ الْغُیُوْبِ اِلٰی مُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ (حلیۃ الاولیاء:۱/۶۸)

✪......بعض حضرات نے کہا:

اَلرَّغْبَةُ اِلَی الْمَحْبُوْبِ فِیْ دَرْكِ الْمَطْلُوْبِ (حلیۃ الاولیاء:۱/۶۸)

✪......اور امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تصوف یہ ہے کہ بندے کی کیفیت ایسی ہو جائے:

﴿حَتّٰٓی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَیْهِ﴾ (التوبۃ:۱۱۸)

اس کو یہ محسوس ہو کہ اللہ کے سوا میرا کوئی ملجا اور ماوی نہیں، اس کیفیت کو تصوف کہتے ہیں۔

اب بتائیے! یہ تصوف کا اختیار کرنا عین شریعت ہے یا نہیں؟ تو بعض ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو کسی کی نہیں مانتے، وہ اپنے آپ میں کہتے بھی ہیں کہ ہم نہیں کسی کی مانتے۔ ان کو جو بھی نام دیں آپ سمجھ گئے ہوں گے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں کسی کی مان کر چلتے، ہم اپنی مرضی کرنے والے لوگ ہیں۔ تو وہ کہتے ہیں: کہ یہ شریعت میں نئی چیز ہے۔ نئی چیز نہیں ہے، ''شریعت پر استقامت کے ساتھ عمل کرنا''، اسی کا نام تصوف ہے، اور اسی سے انسان کو ولایت کا نور نصیب ہوتا ہے۔

نورِ ولایت کی نشانیاں

ولایت کے نور کی کچھ نشانیاں ہوتی ہیں۔ کچھ نشانیاں تو وہ جو ظاہر میں نظر آتی ہیں، مثلاً: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ اولیا کون ہوتے ہیں؟ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلَّذِیْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ (کنز العمال، حدیث: ۷۱۸۳)

''وہ بندے کہ جن کو دیکھو تو اللہ یاد آئے''

یہ اولیا کی نشانی ہوتی ہے۔

اور عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''میرے بندے اور دوست وہ ہیں جو مجھے یاد کرنے کی وجہ سے یاد کیے جاتے ہیں اور ان کو میرے یاد کرنے کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے، وہ میرے دوست ہوتے ہیں۔'' (کنز العمال، حدیث: ۹۸)

تاہم کچھ ان کی ظاہری نشانیاں بھی ہوتی ہیں جو علما نے لکھی ہیں، وہ ظاہری نشانیاں ذرا سن لیجیے!

پہلی نشانی:

تمام دن ذکر کیا کرتے ہیں، ہر وقت اللہ کی یاد میں رہتے ہیں۔ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ تشریف لے جا رہے تھے اور حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ان دنوں دورۂ حدیث کر کے حضرت کی خدمت میں حاضر تھے، یہ بھی ایک خادم اور مرید ہونے کے ناطے ساتھ تھے، تو حضرت راستے میں ایک جگہ رکے، جیب سے کاغذ نکالا، اس کے اوپر کچھ لکھا اور جیب میں ڈال لیا اور پھر فرمایا کہ محمد شفیع ! آپ سمجھے کہ یہ کیا ہوا؟ تو میں نے عرض کیا کہ حضرت ! آپ ہی بتا دیجیے۔ تو فرمایا کہ راستے میں چلتے ہوئے ایک علمی نکتہ میرے دل پر وارد ہوا تھا، میں نے کاغذ پر لکھ کر محفوظ کر لیا، تاکہ جب میں تصنیف کا کام کرنے بیٹھوں گا اس وقت اس پر غور و خوض کروں گا، کاغذ پر لکھ کر میں نے اس کو محفوظ کر لیا اور میں نے اپنے دل کو اللہ کی یاد کے لیے فارغ کر لیا۔ ہمارے اکابر اتنا اللہ کی یاد کے لیے اپنے دلوں کو فارغ کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ چند دوستوں کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے لطیفے سنانے شروع کر دیے۔ کم و بیش ایک گھنٹہ خوب سب کو ہنسایا اور ہنسانے کے بعد اچانک فرمایا: اچھا بھئی ! بتاؤ کہ تم میں سے کون ہے جو ایک گھنٹہ ہنسنے کے بعد بھی اپنے رب سے غافل نہیں ہوا؟ سب حیران رہ گئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی یاد کہاں سے آ گئی؟ پھر فرمایا کہ میری یہ حالت تھی کہ میں اگر چہ ایک گھنٹہ تمہیں ہنسنے والی باتیں سناتا رہا، مگر میرا دل ایک لمحہ بھی اپنے

رب سے غافل نہیں ہوا، ایسا دوام ذکر ہمیں بھی نصیب ہو جائے۔

دوسری نشانی:

اولیا کی دوسری نشانی یہ ہے کہ یہ فتنوں سے پرہیز کرتے ہیں، بچتے ہیں، اپنے آپ کو فتنوں سے بچا کر رکھتے ہیں۔ لہٰذا کسی بندے کے ساتھ الجھتے نہیں ہیں۔

﴿ وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴾ (الفرقان: ٦٣)

جاہل اگر ان سے مخاطب ہوں تو سلام کر کے ایک طرف ہو جاتے ہیں، الجھتے نہیں ہیں، خواہ کوئی الجھانے کی کوشش بھی کرے۔

تیسری نشانی:

اللہ تعالیٰ ان کو قناعت عطا فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے ان کے لیے کھلے ہوتے ہیں، مگر ان کی ذاتی زندگی کو دیکھو تو قناعت والی زندگی ہوتی ہے۔ ابو عبیدہ بن جراح رحمۃ اللہ علیہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وقت کے سپہ سالار تھے اور اپنی روٹی، پانی میں بھگو کر تناول فرما رہے ہیں۔

چوتھی نشانی:

علم پر عمل کرنے والے ہوتے ہیں۔ یاد رکھیں! عمل بغیر علم کے سقیم ہوتا ہے، بیمار ہوتا ہے اور علم بغیر عمل کے عقیم کہلاتا ہے۔ عقیم کہتے ہیں بانجھ کو۔ عمل بغیر علم کے سقیم کہلاتا ہے اور علم بغیر عمل کے عقیم کہلاتا ہے اور علم پر عمل صراط مستقیم کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے علم پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

پانچویں نشانی:

یہ لوگ مخلوق کے اوپر شفیق اور مہربان ہوتے ہیں۔

سارے جہان کا درد ہمارے جگر میں ہے

ایسے رحیم وکریم ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دل میں ایسی رحمت اور معرفت عطا فرماتے ہیں، وہ ساری مخلوق پر شفیق اور مہربان ہوتے ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا! چنانچہ اللہ کے بندوں پر بھی شفیق اور مہربان اور اللہ کی باقی مخلوق پر بھی شفیق اور مہربان۔

خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سمرقند کے رہنے والے تھے، ایک مرتبہ تہجد کی نماز پڑھی تو بہت سخت سردی تھی، ٹھٹھرتے ہوئے اپنے بستر کی طرف واپس آئے تو کیا دیکھا کہ ایک بلی ان کی رضائی میں گھس کر سوگئی تھی، تو انہوں نے بلی کو بستر سے نکالنا مناسب نہ سمجھا، بستر کے بجائے مصلے کے اوپر ٹھٹھرتے ہوئے بیٹھ کر انہوں نے رات گزار دی اور بلی کے آرام کا خیال کیا۔ ان کے اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے مریدین میں ایک وہ ہستی عطا فرمائی کہ جس کو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کہا گیا۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کو ایک کتا ملا جو زخمی تھا، انہوں نے اس کتے کے زخم پر پٹی باندھی اور روزانہ کچھ مزدوری کرتے اور جو ملتا وہ گھر والوں کو دیتے اور کچھ حصے سے اس کے لیے غذا لے جاتے۔ انہوں نے اٹھارہ یا بیس دن اس کتے کی خدمت کی، اس پر اللہ رب العزت نے ان کو یہ مقام عطا فرمایا کہ ان کو سلسلے کا امام بنا دیا۔ ان کے

حالات زندگی میں لکھا ہے کہ ایک کتے کی خدمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا بلند مقام عطا فرما دیا۔ تو اگر جانور کی خدمت پر یہ مقام عطا فرمایا تو ہم اگر انسانوں کی خدمت کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں کتنا بلند مقام عطا فرمائیں گے؟!

چھٹی نشانی:

حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کرنے میں ہر وقت فکرمند رہتے ہیں۔ حقوق اللہ کو بھی پورا کرتے ہیں اور حقوق العباد کو بھی پورا کرتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: اگر کوئی آدمی مجھے کہے کہ میں پورے قرآن کا نچوڑ ایک فقرے میں بیان کر دوں تو میں اس کو بیان کر سکتا ہوں۔ کسی نے کہا کہ حضرت! بتا دیجیے، تو فرمایا کہ پورے قرآن پاک کا نچوڑ ایک فقرے میں یوں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کو عبادت سے راضی کرو، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطاعت سے راضی کرو اور مخلوق خدا کو خدمت سے راضی کر لو'' یہ پورے قرآن پاک کا ایک فقرے میں نچوڑ ہے۔

ساتویں نشانی:

ان کی ساتویں نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ ظاہری طور پر متواضع بھی ہوتے ہیں اور پرسکون بھی ہوتے ہیں۔ آپ ان کو کبھی بے چین نہیں دیکھیں گے، متکبر نہیں دیکھیں گے، متواضع ہوتے ہیں اور پرسکون بھی ہوتے ہیں، ان کے اندر بے چینی نہیں ہوتی۔ یاد رکھیے کہ جس کا خدا سے تعلق ہو جاتا ہے پھر اس کا بے چینی سے تعلق نہیں ہوتا اور ایسے بندے میں تواضع بھی ہوتی ہے۔ ان کے دل جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ آج لوگ جسم جھکاتے ہیں، دل نہیں جھکے ہوتے۔ اور

جس کا دل دنیا میں اللہ کے سامنے نہ جھکا جب قیامت کے دن سجدے کا حکم ہوگا تو اسے سجدے کی توفیق نہیں ہوگی، اس لیے کہ دنیا میں اس کا دل اللہ کے سامنے نہیں جھکا تھا۔

آٹھویں نشانی:

اوران کی آٹھویں نشانی یہ ہے کہ یہ مخلوق کی طرف اللہ کے سفیر ہوتے ہیں، یہ لوگ اللہ کے بندوں کی طرف اللہ کے سفیر ہوتے ہیں، اللہ کا پیغام پہنچانے والے ہوتے ہیں، یہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ع

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل!

چنانچہ شاہ ایران اور رستم کی موجودگی میں ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی آمد کا مقصد بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ ''اللہ نے ہمیں بھیجا ہے''، ذرا الفاظ پر غور کیجیے گا! ایک صحابی بیان کررہے ہیں، کیسا فقرہ کہہ دیا! ارشاد فرمایا کہ اللہ نے ہمیں بھیجا ہے۔ ان کو یقین تھا کہ ہم اس دنیا میں اللہ کے بندوں کی طرف اللہ کے سفیر بن کر آئے ہیں۔ تو فرمایا: ''اللہ نے ہمیں بھیجا ہے، تاکہ جس کو وہ چاہے اس کو ہم بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کردیں'' عِبَادَۃُ الْعِبَادِ سے نکال کر عِبَادَۃُ رَبِّ الْعِبَادِ میں داخل کردیں۔ اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں پہنچائیں اور مذاہب وادیان کے ظلم وستم سے نجات دلا کر اسلام کے عدل وانصاف کے سائے میں لائیں۔

(البدایہ والنہایہ: ۴۶۷، الکامل فی التاریخ: ۳۱۰۲)

نویں نشانی:

نویں نشانی یہ ہوتی ہے کہ ان میں توکل ہوتا ہے اور اپنے معاملات کو اللہ کے

سپرد کر دیتے ہیں۔جس طرح بچہ اپنی پریشانی اپنی ماں کو یا باپ کو بتا کر پرسکون ہو جاتا ہے، اس طرح اللہ والے اپنے معاملات اپنے رب کے سامنے پیش کر کے پرسکون ہو جاتے ہیں۔

دسویں نشانی:

اور دسویں نشانی یہ ہے کہ اللہ کی محبت میں ہی یہ زندہ رہتے ہیں اور اللہ کی محبت میں ہی دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔جن کو اللہ کی محبت نصیب ہو جائے پھر وہ اللہ کی یاد میں، اللہ کے کام میں اپنا وقت گزارتے ہیں۔آج تو ایک پارہ روزانہ پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی، قرآن مجید کے ساتھ وقت گزارنے کی توفیق نہیں ہوتی۔توجہ فرمائیے گا! کہ کیا یہ ہمارے قلب کی ظلمت کی دلیل تو نہیں؟ زیادہ وقت قرآن مجید کے ساتھ گزاریے۔اور ویسے بھی اب تو رمضان المبارک آرہا ہے خوب قرآن مجید کے ساتھ اپنا وقت گزاریے۔

ایک بات عرض کرتا ہوں، ذرا توجہ فرمائیے گا، ذرا سمجھنے کی کوشش کیجیے گا! نبی علیہ السلام کے ساتھ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تعلق تھا ایسا تعلق کہ وہ ''ثانی اثنین'' بن گئے تھے۔یعنی دو میں سے دوسرے بن گئے تھے، اس لیے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام کا ثنی کہا جاتا تھا، وہ ہمارے سلسلہ کے امام ہیں۔اگر وہ صاحب قرآن یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ثنی بنے تھے تو ہمیں چاہیے کہ ہم قرآن کے ثنی بن جائیں۔قرآن کے ساتھ اتنا وقت گزاریں کہ لوگ کہیں کہ یہ قرآن کا دوسرا ہے۔تو جب ہم تلاوت قرآن اور ذکر کی کثرت کریں گے تو ہمیں اللہ رب العزت کی محبت والی زندگی نصیب ہو جائے گی۔

منصور حلاج اور فرعون میں فرق:

اچھا! طلبا کے لیے ایک اشکال اور اس کا پیارا جواب۔ فرعون نے کہا تھا کہ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی اور مردود بنا اور دوسری طرف منصور حلاج کی زبان سے بھی نکل گیا تھا کہ اَنَا الْحَقُّ۔ مگر ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ وہ بڑے اولیا میں سے تھے، کیونکہ ان کی زبان سے کسی کیفیت میں یہ الفاظ نکل گئے تھے، مگر تھے اللہ کے مقبول بندے۔ تو یہ کیا وجہ بھئی؟ کہ ادھر سے بھی ''اَنَا'' کا لفظ نکلا اور ادھر سے بھی ''اَنَا'' کا لفظ نکلا، لیکن ایک مردود بنا اور ایک مقبول بنا، تو فرق کیا ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا۔ ہمارے مشائخ نے بات کو کھولا، انہوں نے فرمایا: ایک مردود بنا کہ اس نے ''اَنَا'' کہا تھا اللہ کو مٹانے کے لیے اور دوسرا مقبول بنا کہ اس نے ''اَنَا'' کہا تھا اپنے آپ کو مٹانے کے لیے۔ تو چونکہ اپنے آپ کو مٹانے کے لیے انا کہا تھا، اس لیے اللہ کے ہاں مقبول ہو گیا۔

زندگی کی ترتیب سیدھی کریں!

ایک بات ذرا توجہ سے سنیے! ایک ٹرین میں دو تین دوست بیٹھے تھے اور سب کی ایسی ہی غافلانہ زندگی تھی، بالکل صاف ستھرے (کلین شیو) تھے، چہرے پر سنت کا نشان ہی نہیں تھا۔ ان کے پاس ایک مولانا صاحب تشریف لے آئے، چہرے پر سنت ہے اور ان کے ہاتھ میں انگریزی اخبار ہے اور انہوں نے انگریزی اخبار کو پڑھنا شروع کیا، مگر اس کو الٹا پکڑا ہوا تھا۔ اب جب تینوں نے دیکھا کہ مولانا صاحب انگریزی کا اخبار پڑھنا چاہتے ہیں، مگر الٹا پکڑا ہوا ہے، تو وہ ہنسنے لگے، قہقہے لگانے لگے۔ تو مولانا تھوڑی دیر تو سنتے

رہے، پھرانہوں نے پوچھا کہ بھئی! خیریت تو ہے آپ لوگ کیوں اتنا ہنس رہے ہیں اور ہنسی اڑا رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: مولانا! لگتا ہے کہ آپ کو انگریزی تو آتی نہیں اور آپ لوگوں کو دکھانے کے لیے انگریزی اخبار لے کر بیٹھ گئے ہیں اور آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ آپ نے اخبار الٹا پکڑا ہوا ہے! تو مولانا نے کہا: اچھا! میں نے اخبار کو الٹا پکڑا ہوا ہے، تو وہ کہنے لگے کہ ہاں! آپ نے تو اخبار الٹا پکڑا ہوا ہے۔

مولانا صاحب نے کہا: دیکھو! میں نے آپ لوگوں کو سمجھانے کے لیے ایسا کیا، ویسے میں نے ایل ایل بی کیا ہوا ہے اور میں ایک وکیل ہوں، انگریزی بولتا ہوں اور انگریزی پڑھتا ہوں، مجھے پتہ ہے کہ انگریزی کا اخبار کیسے پڑھا جاتا ہے؟ مگر میں نے آپ لوگوں کی نصیحت کے لیے اخبار الٹا پکڑ لیا۔ مجھے الٹا اخبار پکڑے دیکھ کر آپ ہنسنے لگے کہ میں نے کیسے اخبار پکڑا ہوا ہے؟ دیکھیں! میں نے اخبار کا سرا الٹا پکڑا آپ مجھ پر ہنسنے لگے، جب کہ عزیزو! آپ نے زندگی کی ترتیب کا سرا الٹا پکڑا ہوا ہے، زندگی کی ترتیب تو یہ ہونی چاہیے کہ انسان کی آخرت بن جائے اور آپ اسی دنیا میں مرضی پوری کرنے میں لگے ہوئے ہیں، تو آپ نے بھی تو زندگی کی ترتیب کا سرا الٹا پکڑا ہوا ہے، تو پھر آپ پر بھی تو ہنسنا چاہیے۔ میں نے تو چھوٹا سا نقصان کیا، اخبار الٹا پکڑا تم نے پوری زندگی کا الٹا سرا پکڑا ہوا ہے۔ پھر نوجوانوں کو احساس ہوا کہ یہ تو بڑے پڑھے لکھے بندے تھے، انہوں نے ہمیں بات سمجھانے کے لیے ایسا کیا۔

اگر ہم اپنے اوپر غور کریں تو آج ہم نے بھی زندگی کے الٹے سرے کو پکڑا ہوا ہے۔ سیدھا سرا تو یہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ کی مرضی والی زندگی گزار لیں اور الٹا سرا یہ ہے کہ ہمارے نفس کی خواہشات پوری ہو جائیں، ہم من مرضی کی

زندگی گزارلیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارا حال بھی ٹرین کے ان تین مسافروں کی طرح ہو اور ہم نے بھی زندگی کی ترتیب کو الٹا پکڑا ہوا ہو۔ اگر الٹا پکڑا ہوا ہے تو آج کی اس محفل میں ہم سچی توبہ کر کے زندگی کی ترتیب کو ٹھیک کرنے کی کوشش کریں اور من چاہی زندگی کو چھوڑ کر رب چاہی زندگی گزارنے کی کوشش کریں او راس کی نیت کرلیں۔

اجتماع کے لیے ہدایات

آپ اس اجتماع میں اپنا کچھ وقت لے کر آئے، اب آپ کو چاہیے کہ اس وقت کو قیمتی بنالیں۔ اس سلسلے میں کچھ باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

❁ ذکر وفکر میں وقت گزاریں!

ایک تو اپنا وقت ذکر وفکر میں گزاریے۔ غفلت میں، ایک دوسرے کے ساتھ حقیقت احوال گزارنے میں، کارگزاریاں سنانے میں وقت ضائع نہ کریں۔ پورا وقت ذکر وفکر میں گزارنے کی کوشش کریں، ایک لمحہ بھی دل اللہ سے غافل نہ ہو۔

❁ پرسکون نمازوں کی کوشش کریں!

دوسرا جتنا وقت یہاں لے کر آئے ہیں، اس میں تسلی کی نمازیں پڑھنے کی کوشش کریں، ہر نماز کے وقت میں یہ نیت کریں کہ اے اللہ! مجھے آپ نے یہاں پہنچادیا، اب میں تسلی کی چند رکعت آپ کے سامنے پڑھتا ہوں۔ یہ جو بھاگی دوڑی کی نمازیں ہیں، یہ نہ پڑھنا۔ ہر نماز کے وقت، وقت سے پہلے وضو کر کے آئیں، نماز کی سنتیں پڑھیں، فرض ادا کریں اور باقی نوافل وغیرہ پرسکون

انداز میں پڑھیں۔ دل میں یہ نیت رکھیں کہ ہم نے یہاں پرسکون نمازیں پڑھنے کی کوشش کرنی ہے۔ اسی طرح عورتیں بھی کوشش کریں، گھر میں تو بچوں کے مسئلے ہوتے ہیں، گھر کے مسئلے ہوتے ہیں تو انسان بھاگی دوڑی کی نماز پڑھتا ہے، نہیں! یہاں عورتیں بھی پرسکون نمازیں پڑھنے کی کوشش کریں اور مرد حضرات بھی پرسکون نمازیں پڑھیں۔ وقت کی قید نہیں کہ مجھے ایک منٹ میں ختم کرنی ہے یا دو منٹ میں، آپ بے شک اپنی نماز میں پندرہ منٹ لگائیں یا آدھا گھنٹہ لگائیں۔

❁ تہجد کی پابندی کریں!

دوسرا کام یہ کریں کہ تہجد کی پابندی کرنے کی کوشش کریں۔ اگر گھر میں تہجد کی پابندی نصیب نہیں تو کم از کم جو چند دن یہاں آئے ہیں، یہاں تو تہجد کی پابندی کرلیں۔ شیطان یہ کوشش کرے گا کہ آپ عشاء کے بعد دیر تک جاگتے رہیں اور جب سوئیں گے ہی ایک بجے تو پھر تین بجے اٹھ کر تہجد کون پڑھے گا؟ الا ماشاء اللہ۔ تو آپ ان دنوں میں یہ پابندی کیجیے، سونے کے وقت میں سوئیں اور جاگنے کے وقت میں جاگیں، عشاء کے بعد جلدی سوئیں تو ان شاء اللہ تہجد میں اٹھنے کی توفیق نصیب ہو جائے گی۔

❁ سچی توبہ کریں!

اور ایک عمل یہ کریں کہ محفلوں میں جب دعائیں مانگی جائیں گی تو ان میں سچی توبہ کی نیت کر کے دعا مانگا کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیں اور آئندہ پرہیزگاری، نیکوکاری کی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرما دیں۔ اگر ایک دوسرے سے بات کرنے کو جی چاہے تو حالات کی بات

نہ کریں، بلکہ جو بیانات ہوں ان کا ایک دوسرے کے ساتھ مذاکرہ کرلیا کریں کہ بیان میں مجھے یہ بات یوں سمجھ میں آئی، یہ بات ایسے یاد آئی، یہ مجھے اتنی اچھی لگی، میں نے اس پر عمل کرنا ہے۔ تو بیان کے مذاکرے کو اپنی گفتگو بنالیجیے!

ممنوعہ چیزیں:

چند چیزوں سے بچنے کی کوشش کریں:

کھانے کے وقت میں بدنظمی، ہلڑ بازی ہمیں قطعاً پسند نہیں ہے۔ آپ حضرات اگر یہاں طلب لے کر آئے ہیں، اصلاح کی نیت سے آئے ہیں تو کھانے کے پیچھے بدنظمی مت پھیلایئے، ہلڑ بازی کیسی؟ تھوڑے وقت کی بات ہے، اگر جگہ کی تنگی کی وجہ سے سب ایک صف میں بیٹھ کر نہیں کھا سکتے تو آپ دوسری نشست میں کھالیں، تو انتظار کر لیجیے، اپنے علاقے کے علما کو ترجیح دیجیے، اپنے بھائیوں کو ترجیح دیجیے، ان کو پہلے کھانے کا موقع دے دیجیے اور بدنظمی سے پرہیز کیجیے۔

دوسرا: بیان کے وقت سونے سے پرہیز کریں یا بیان کے وقت آپ بازاروں میں دکانوں پر جانے سے پرہیز کریں۔ ہر کام اپنے وقت پر اچھا لگتا ہے۔ مسجد کے اعمال ختم ہو گئے، ریسٹ مل گیا، اس وقت میں آپ سوئیں یا اس وقت میں آپ بازار میں جائیں یا اس وقت میں آپ اپنے انفرادی اعمال میں مشغول ہو جائیں، اس کی آپ کو اجازت ہوگی، مگر یہ نہیں ہوگا کہ ادھر بیان ہو رہا ہو اور اس وقت میں آپ بازار میں بیٹھ کر بریانیاں کھا رہے ہوں۔ اپنے

وقت پر کام کیجیے، چونکہ آپ ایک مقصد دل میں لے کر آئے ہیں تو پھر آپ کو یقینا اس محفل کے انوارات نصیب ہوں گے۔

اللہ کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں کرتے:

اصول وضوابط کے ساتھ وقت گزاریں گے تو ان شاء اللہ خالی نہیں لوٹیں گے۔ آج کی بھی کیفیت نوٹ کر لیجیے اور جب دعا کے بعد یہاں سے رخصت ہونے لگیں گے تو اس وقت کی کیفیت بھی دیکھ لیجیے، آپ کا دل گواہی دے گا کہ گناہوں کا بوجھ یہاں چھوڑ کر، نیکیوں کا نور دل میں لے کر یہاں سے واپس جا رہے ہیں۔

اللہ رب العزت کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں فرماتے، بلکہ صاف فرمادیا:

﴿اِنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی﴾

(آل عمران)

''مرد ہو یا عورت ہو میں کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتا''

قبولیت بڑی نعمت ہے:

تہجد میں چند ایک دعائیں ضرور مانگیں! ایک دعا تو یہ مانگیں کہ اے اللہ! ہمارے اعمال قبول کر لیجیے، ہمارا آنا قبول کر لیجیے۔ یہ قبولیت بڑی نعمت ہے۔

ایک بندے کا ایک حبشی نوکر تھا، اسے اس سے بڑی محبت تھی، اس لیے اس کا اصل نام تو عبید تھا، لیکن اس نے اس کا نام یوسف رکھا ہوا تھا۔ اب بتائیں محبت ہے نا! غلام حبشی ہے، کالا ہے، اور نام اس نے اس کا رکھا ہوا ہے یوسف، اس پر کسی نے شعر بنایا:

قبولیت اس کو کہتے ہیں اور مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبیدِ سود کا لقب ہے یوسف ثانی

''سود'' کالے کو کہتے ہیں، انہوں نے عبید سود کو یوسف ثانی کہا ہوا تھا۔ تو بھئی! جب محبت ہو جائے تو پھر بندہ کالے کو ترجیح دیتا ہے، کہہ بھی دیتا ہے کہ ''گوریاں نوں پراں کرو'' تو اللہ رب العزت بھی اگر ہمیں قبول فرمالیں تو ہمارا کالا پن جو ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہے، پھر ان شاء اللہ وہ بھی دھل جائے گا اور اللہ کی نظر میں ہم بھی یوسف بن جائیں گے۔ اگرچہ اپنے عملوں کی وجہ سے تو سود ہیں، اندر بھی سیاہی ہے اور چہروں پر بھی دیکھنے میں اعمال کی سیاہی نظر آتی ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ قبول کرلیں تو یقیناً یہ سیاہی دھل جائے گی اور اللہ کی نظر میں ہم یوسف بن جائیں گے۔

قبولیت کے لیے دعا مانگیں!

قبولیت مانگیں، دعا یہ مانگیں کہ اے اللہ! ہمیں ایسا بنا دے کہ ہم آپ کو پسند آجائیں۔ اللہ اکبر! جب تہجد میں یہ دعائیں گے، رو رو کر مانگیں گے تو پھر دیکھیے کہ اللہ رب العزت کی رحمت کیسے ڈھانپے گی۔

میں نور کے تڑکے میں جس وقت اٹھا سو کر
اللہ کی رحمت کے دروازے کھلے پائے
عاصی کی صدا پہ جو مانگنے والا ہو
ہاتھ اپنی حقیقت کے، آگے میرے پھیلائے
جو رزق کا طالب ہو، میں رزق اسے دوں گا
جو طالب جنت ہو، جنت کی طلب لائے

جس جس کو گناہوں سے ، بخشش کی تمنا ہو
وہ اپنے گناہوں کی کثرت سے نہ گھبرائے
وہ مائل توبہ ہو ، میں مائل بخشش ہوں
میں رحم سے بخشوں گا ، وہ شرم سے پچھتائے
یہ سن کر ہوئے جاری ، آنکھوں سے میرے آنسو
قسمت ہے محبت میں رونا جسے آجائے
آقائے گدا پرور ، سائل ہوں تیرے در کا
میں اور تو کیا مانگوں ، تو ہی مجھے مل جائے

کاش! کہ ان دنوں میں ہم اللہ سے ایسے دعائیں مانگیں کہ اللہ رب العزت ہمیں قبول فرمالیں اور اپنا تعلق نصیب فرمادیں۔ چنانچہ دل میں یہ نیت کر لیجیے کہ اے اللہ! ہم یہاں پر اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری اصلاح ہو جائے ، ہم نیک نہ بن سکے، اللہ! تیرے نیک بندوں کی مجلس میں آئے ہیں، تاکہ تو ہمیں بھی نیکوں میں شامل فرمادے۔ قرآن مجید کی آیت ہماری اس نیت کو یوں بیان کرتی ہے، صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا کہ وہ دعائیں کرتے تھے،

﴿وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (المائدہ: ۸۴)

ہم بھی دلوں میں یہ نیت کرلیں، پروردگار عالم! ہم حاضر تو یہاں چل کر ہو گئے، مگر دل کی تمنا یہ ہے:

﴿وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ﴾

اللہ! نیک بن تو نہیں سکے، مگر تیرے نیک بندوں کے مجمع میں آکر بیٹھ گئے

ہیں، دل میں یہ تمنا رکھتے ہوئے کہ اللہ! ہمیں بھی آپ نیکوں میں شامل فرما لیجیے۔ ہم جینا بھی انہی میں چاہتے ہیں، مرنا بھی انہی میں چاہتے ہیں اور قیامت کے دن کھڑا ہونا بھی انہی میں چاہتے ہیں۔ پروردگار! ہماری اس دعا کو قبول فرما لیجیے اور نیکوں میں ہمارا شمار فرما لیجیے۔

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَ لَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

امید ہے کہ اللہ رب العزت ہماری اس حاضری کو قبول فرما کر یقیناً ہمیں نیکوں میں شامل فرمالیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائیں گے۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یقین کامل کی اہمیت

از افادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

041-2618003

یقینِ کامل کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا﴾ (الاحزاب:۴۱۔۴۲)

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ آخَرَ

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ (الاحزاب:۴۸)

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ آخَرَ

﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (الطلاق:۳)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

سنتِ الٰہی اور قدرتِ الٰہی:

اللہ رب العزت نے اس کائنات کو اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا فرمایا اور اس کے چلنے کے کچھ اصول متعین فرما دیے۔ جن اصولوں کے مطابق یہ کائنات چل رہی ہے ہم ان کو ''قوانینِ فطرت'' کہتے ہیں، Physical Laws کہتے ہیں۔ عربی زبان میں اس کو اللہ رب العزت کی سنت کہتے ہیں۔ یہ کائنات ان

اصولوں کے تحت چلتی رہتی ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو ان اصولوں سے ہٹ کر اپنی مرضی اور منشا کے مطابق چیزوں کو استعمال فرماتے ہیں، اس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کہتے ہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک آدمی نے فیکٹری لگائی اور اس کو چلانے کا ایک نظام ترتیب دے دیا، فیکٹری چل رہی ہے، روٹین کے مطابق نظام کام کر رہا ہے، اب وہ نظام بنا کر مجبور نہیں ہو گیا کہ کچھ کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتا۔ وہ مالک ہے جب چاہے نظام کو اپنی مرضی اور منشا کے مطابق بدل سکتا ہے۔ تو گویا ایک اللہ رب العزت کی سنت ہوئی، یہ وہ قانون ہے جس میں عام دستور کے مطابق دنیا چل رہی ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ (الفتح: ۲۳)

عام حالات میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت بدلتی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر آگ جلاتی ہے، پانی سطح کو برابر کرتا ہے۔ یہ اللہ رب العزت کے اصول ہیں، لیکن اگر اللہ رب العزت چاہیں تو ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اور آگ نے انہیں جلایا نہیں اور ایسا بھی ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم دریا کے کنارے پہنچ گئی اور پانی نے اپنی سطح برابر کرنے کے بجائے ان کو راستہ دے دیا۔ تو یہ اللہ رب العزت کی قدرت ہے، وہ مالک الملک ہے، اس نے اس کائنات کو پیدا کیا۔ اس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز ہے، وہ جیسے چاہے چیزوں کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ یہ اللہ کی قدر ہے۔

اسباب اور مسبب الاسباب پر نظر رکھنے والے:

اب یہاں سے مومن کی زندگی اور کافر کی زندگی میں فرق ہے۔ کافر کائنات

کو ان کے اصولوں کے مطابق چلتا ہوا دیکھ کر یہی سمجھتا ہے کہ بس انہی اصولوں کے مطابق ہی کائنات نے چلنا ہے، جبکہ مومن کی نظر اللہ رب العزت کی ذات پر ہوتی ہے تو وہ جانتا ہے کہ اللہ رب العزت قادرِ مطلق ہیں، ہوگا وہی جو میرے اللہ رب العزت کی مرضی اور منشا ہوگی۔ تو مومن کی نظر مسبب الاسباب پر ہوتی ہے اور کافر کی نظر فقط اسباب پر ہوتی ہے۔ اس لیے کافر دنیا میں دھوکہ کھا جاتا ہے اور مومن ہمیشہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت اللہ رب العزت نے اپنے انبیا پر کھولی اور انہوں نے آ کر لوگوں کو یہ بات سمجھائی کہ لوگو! جو تمہاری ظاہر کی نظر دیکھ رہی ہے ہمیشہ ایسا نہیں ہوسکتا، جب اللہ رب العزت چاہیں گے تمہاری نظر تمہیں دھوکہ دے جائے گی۔ تمہارے سینکڑوں سالوں کے تجربات دھرے کے دھرے رہ جائیں گے، اللہ کی منشا پوری ہو جائے گی۔ اب اس کی ایک مثال سمجھیے!

جب کوئی آدمی ایمرجنسی کی حالت میں ہسپتال لایا جاتا ہے تو ڈاکٹر اس کو ایک نظر دیکھ لیتے ہیں اور اس کی بیماری کی چند وجوہات لکھ دیتے ہیں، اس کو Differntial Reasons (امکانی وجوہات) کہتے ہیں۔ اس مریض کی یہ حالت ہے تو یہ بھی ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے، تو جتنے امکان ہو سکتے ہیں ان کو Differential Reasons کہتے ہیں۔ پھر اس کے بعد اس کے ٹیسٹ لیے جاتے ہیں، اس کا بلڈ ٹیسٹ لیا جاتا ہے اور بھی ٹیسٹ لیے جاتے ہیں تو ٹیسٹ کے بعد متعین ہو جاتا ہے کہ بیماری کی یہ وجہ تھی۔ اس کو Definite Reason کہتے ہیں۔ جو اسباب پر نظر رکھ کر زندگی گزارنے والے ہیں وہ Differential Reasons پر زندگی گزارتے پھر رہے ہیں اور مومن چونکہ

اللہ رب العزت کے حکموں کو سامنے رکھ کر چلتا ہے، اس کے سامنے ہمیشہ Definite Reason ہوتی ہے۔

مثال سے بات سمجھ لیجیے کہ عام دستور کے مطابق جب آسمان پر بادل آجائیں تو یہ بارش کی علامت ہوتی ہے کہ پہلے بادل آئے اور پھر بارش ہوئی، لیکن یہ Differential Reasons ہیں۔ ہمیشہ تو ایسے نہیں ہوتا کبھی پورا مہینہ بادل آتے ہیں اور بارش کی بوند نہیں برستی، ان کو D iffirential Reasons کہیں گے۔ ایک Definite Reason ہے بارش کے برسنے کی۔ قرآن نے اس بات کو کھولا کہ جب بھی کوئی قوم استغفار کرتی ہے اللہ کے سامنے تو ان کے استغفار کو قبول کر کے اللہ رب العزت بارشوں کو برسا دیتے ہیں۔

﴿اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا﴾ (نوح:11)

اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب بارش نہ ہو تو سارے لوگ ایک میدان میں جمع ہوں اور اللہ کے سامنے اپنے گناہوں سے توبہ کریں تو اللہ ان کی توبہ کو قبول کر کے بارش کو نازل فرما دیتے ہیں، یہ Definite Reason ہے بارش کے برسنے کی۔

اسباب برتن کے مانند ہیں:

اسباب کی حیثیت تو ایسے ہے جیسے کوئی برتن ہوتا ہے، اس میں نفع ڈالنا یا نقصان ڈالنا اس کے مالک کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اب آپ کے پاس ایک گلاس ہے چاہیں تو اس میں پانی ڈالیں، چاہیں تو اس میں دودھ ڈالیں۔ بالکل یہ تمام دنیا اسباب پر چل رہی ہے اور ان اسباب میں نفع ڈال دینا یا نقصان ڈال

دینا یہ میرے مولیٰ کی منشا کے مطابق ہوتا ہے۔

ذلت کے نقشوں میں عزت کا فیصلہ:

جو بندہ اپنے رب کو راضی کرتا ہے اللہ رب العزت اس کو ذلت کے نقشوں میں بھی عزت عطا فرما دیتے ہیں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے غلامی کے نقشے سے نکال کر بادشاہی عطا فرمادی۔

عزت کے نقشوں میں ذلت کا فیصلہ:

اور جب کوئی بندہ اللہ کے حکموں کے خلاف زندگی گزارتا ہے اللہ رب العزت اس کے لیے عزت کے نقشوں میں سے ذلت نکال دیتے ہیں۔ قارون کو کیا عزت ملی تھی؟ اپنے وقت کا کتنا بڑا بزنس مین تھا، کہا کرتا تھا کہ

﴿اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ﴾ (القصص: ٨٨)

جو میرے پاس علم ہے، ٹیکنالوجی ہے، جتنا میرا تجربہ ہے، میں بزنس مین ہوں، میں اچھی ڈیل کرتا ہوں، تب پیسے آتے ہیں۔

﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ﴾

قوم کے سامنے بڑے زیب وزینت سے نکلتا تھا۔ لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی تھیں، کہتے تھے:

﴿يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ﴾ (القصص: ٨٩)

''اے کاش! ہمارے پاس بھی اتنا ہوتا جتنا قارون کو ملا۔''

اپنے وقت میں وہ لوگوں کے لیے رول ماڈل تھا۔ عزت کے نقشوں میں اللہ نے اس کے لیے ذلت ایسے نکالی

﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ﴾ (القصص: ۸۱)

''اس کو اور اس کے خزانوں کو ہر چیز سمیت زمین میں دھنسا دیا۔''

دودھ سے صحت بھی، موت بھی:

آپ غور کریں! ایک بندہ دودھ پیتا ہے تو اس کی صحت اچھی ہوتی ہے اور وہ قوی ہو جاتا ہے۔ اور ایک بندہ دودھ پیتا ہے اور فوڈ پوائزننگ ہونے کے بعد دودھ پینے کی وجہ سے اس کی موت آجاتی ہے۔ جب اللہ چاہیں دودھ زندگی بخشتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ چاہیں، یہ دودھ انسان کو موت دے دیتا ہے۔ یہ بات اگر کھل جائے تو زندگی آسان ہو جائے۔

شفا، اللہ کے حکم سے ملتی ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام بیمار ہوئے، کوہِ طور پر آئے اور پوچھا: پروردگارِ عالم! طبیعت ناساز ہے۔ حکم ہوا: فلاں درخت کے پتے کھالو۔ استعمال کیے تو ٹھیک ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد پھر اسی طرح بیماری کے آثار ظاہر ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے اور درخت کے پتے بھی کھائے اور اثر بھی نہیں ہوا۔ اب کوہِ طور پر گئے کہ ربِ کریم! آپ ہی کے حکم سے میں نے پتے کھائے تو شفا ملی تھی، اب پتے بھی استعمال کیے ہیں، مگر طبیعت ٹھیک نہیں ہو رہی۔ فرمایا: پیارے کلیم! ان پتوں میں شفا نہیں تھی، ہم نے ان پتوں میں آپ کے لیے شفا رکھ دی تھی۔ تو یہ اللہ رب العزت کی مرضی اور منشا ہے کہ وہ جب چاہتے ہیں چیزوں میں انسانوں کے لیے فائدہ رکھ دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں انسانوں کے لیے نقصان رکھ دیتے ہیں۔

انبیا کا راستہ عزت کا راستہ:

انبیائے کرام نے انسانوں کو Definite (پکے) نتائج حاصل کرنے والی زندگی گزارنا سکھائی۔ یہ Diffrential Reasons (امکانی باتیں) نہیں ہیں پکی باتیں ہیں۔ جس نے انبیائے کرام کے راستے پر چل کر زندگی گزاری اس کو یقینا اللہ کی جانب سے عزت مل کر رہتی ہے، اس میں شک والی بات نہیں ہے۔ اس کو بندے کا ایمان اور یقین کہتے ہیں۔ سو فیصد بندے کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ میں اب ہر حال میں اللہ کے حکم پر عمل کروں گا۔ میری آنکھ جو بھی دیکھتی پھرے اللہ رب العزت مجھے عزتیں عطا فرمائیں گے۔ اگر میں اللہ کے حکم سے ہٹ کر زندگی گزاروں گا تو میری نظر کتنے ہی کامیابی کے نقشے دیکھتی پھرے، میرے لیے اللہ بالآخر ذلت نکال دے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یقین:

صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے یقین کو اتنا مضبوط کر لیا تھا کہ آنکھ کے دیکھنے سے اتنا یقین نہیں ہوتا تھا جتنا اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرما دینے سے ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عورت ہے جو مدینہ کی خبر مکہ والوں کے پاس لے کر جا رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ جاؤ اور اس سے وہ رقعہ لے آؤ۔ انھوں نے اس کو راستے میں جا پکڑا، کپڑوں کی تلاشی لی، کچھ نہیں نکلا۔ لوگ حیران تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، میرے آقا کا فرمان ہے۔ اس عورت سے کہا کہ تم رقعہ دے دو، ورنہ تیرے کپڑے اتار کر تیرے پوشیدہ حصوں کے اندر سے بھی ہمیں رقعہ نکالنا پڑا تو ہم

نکالیں گے۔ جب اس عورت نے یہ الفاظ سنے تو وہ ڈر گئی اور اس نے رقعہ اپنے بدن کے چھپے ہوئے حصے سے نکال کر دیا۔

(الخصائص الکبری: ۱:۴۴۰، دلائل النبوۃ للبیہقی: ۴۹۵)

اس کو یقین کہتے ہیں کہ محبوب ﷺ کی زبانِ مبارک سے بات نکلی تو ان کو پکا یقین تھا کہ Definite (پکی) بات ہے۔ اب ہمیں بھی یقین ہو جائے کہ ہم بھی نبی علیہ السلام کی سنتوں والی زندگی گزاریں گے تو Definite کامیاب ہو جائیں گے۔

شریعت کے حکم میں نفع ہی نفع:

یہ پکی بات ہے کہ اسباب کی دنیا میں رہتے ہوئے انسان چونکہ ہر چیز آنکھ سے دیکھ رہا ہوتا ہے تو اس کی نظر چیزوں کی طرف چلی جاتی ہے، مسبب الاسباب سے توجہ ہٹ کر اسباب پر جم جاتی ہے۔ اب اس کو نظر آتا ہے کہ مجھ کو سود ملے گا تو میرے پاس نفع آئے گا، مگر شریعت نے کیا کہا کہ یہ نفع کا آنا نہیں ہے، بلکہ تمہارے مال میں سے برکت کا نکلنا ہے، جو تمہیں آتا ہوا نظر آتا ہے وہ تھوڑا ہے اور جو اس سے چلا جائے گا وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ اور ہم نے دیکھا کہ سود کا کاروبار کرنے والے پورے کا پورا اپنا کاروبار ڈبو بیٹھتے ہیں۔ ہم نے درجنوں بندوں کو سودی کاروبار میں ڈوبتے ہوئے دیکھا۔

تو ایک ہوا نظر کا راستہ اور ایک ہوا خبر کا راستہ۔ نظر کا راستہ تو یہ ہے کہ جو عام روٹین میں ہوتا نظر آتا ہے، بندہ اس کے مطابق سوچ کر چلنے لگے۔

''چلو تم ادھر کو جدھر کی ہوا ہو''

مگر یہ تو کافر کی زندگی ہوتی ہے کہ جدھر فائدہ دیکھا ادھر لپک پڑے۔ اس

کے ذہن میں یہ تو نہیں ہوتا کہ میں نے اللہ کو راضی کرنا ہے، مگر مومن کا معاملہ کچھ اور ہوتا ہے، وہ نبی کا بندہ نہیں ہوتا وہ خدا کا بندہ ہوتا ہے۔ وہ اللہ رب العزت کے حکم پر چلتا ہے اور بالآخر اللہ رب العزت اس بندے کو ہمیشہ کے لیے کامیاب فرما دیتے ہیں۔

خوف، نبوت کے منافی نہیں:

چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ طور پر تشریف لے گئے۔ ہم کلامی ہوئی تو رب کریم نے فرمایا:

﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى﴾ (طٰہٰ: ۱۷)

''اے موسیٰ! آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟''

تو جواب دیا:

﴿هِيَ عَصَايَ﴾

''یہ میرا عصا ہے۔''

پھر اس کے فائدے بھی گنوا دیے:

﴿اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا﴾

''میں اس سے ٹیک لگاتا ہوں''

﴿وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ﴾

''میں اپنے ریوڑ کو اس سے چراتا ہوں''

﴿وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى﴾

''اے میرے مالک! اس میں میرے لیے بہت سے فائدے ہیں''

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى﴾

''اے موسیٰ! اس کو زمین پر ڈال دیجیے''

﴿فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى﴾(طٰہٰ: ۲۰)

''زمین پر ڈال دیا تو وہ دوڑنے والا اژدھا بن گیا''

جب اس کو دوڑتے ہوئے دیکھا تو

﴿فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى﴾(طٰہٰ: ٦٧)

''حضرت موسیٰ کے دل میں خوف پیدا ہو گیا''

اور یہ نبوت کے منصب کے خلاف نہیں ہوتا، یہ ایک طبعی چیز ہے، جیسے بھوک لگنا، پیاس لگنا، نیند آنا یہ سب نبوت کے منافی نہیں، اسی طرح کسی چیز سے ظاہری طور پر خوف محسوس ہو جانا یہ فطری چیز ہے اور جب ان کو خوف محسوس ہوا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿خُذْهَا وَلَا تَخَفْ﴾

''اے میرے پیارے کلیم! اس کو پکڑ لیجیے اور ڈریے نہیں''

﴿سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى﴾(طٰہٰ: ۲۱)

''ہم اسے پہلے والی سیرت دے دیں گے۔''

چنانچہ جب اس کو دوبارہ پکڑا تو وہ دوبارہ عصا بن گیا۔ اب یہاں مقصد کوئی کرتب دکھانا نہیں۔ مقصد کیا تھا؟ مقصد ایک بات کا سمجھانا، تعلیم دینا تھا کہ اے میرے پیارے کلیم! جس چیز کو آپ اتنا فائدے والا سمجھ رہے تھے اور اس کے اتنے فائدے گنوا رہے تھے، ہمارے حکم سے جب اس کو زمین پر ڈالا تو وہ

نقصان والی چیز بن گئی اور جس کو نقصان والی چیز سمجھ کر گھبرا رہے تھے ہمارے حکم سے آپ نے اس کو ہاتھ لگایا تو وہ فائدے والی چیز بن گئی۔ تو ایک بات سمجھا دی کہ نفع، نقصان چیزوں میں نہیں، بلکہ ہمارے حکم سے چیزوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔

یہی مومن کی حالت ہوتی ہے کہ اس کی نظر ہمیشہ اللہ رب العزت کی ذات پر جمی رہتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ رب العزت جو چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتے ہیں چیزوں کے بغیر اور چیزیں اللہ کے بغیر کچھ نہیں کر سکتیں۔ حقیقت میں یہ دل کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ جب نظر اللہ کی ذات سے ہٹی وہیں دھوکہ کھایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اللہ پر یقین:

صحابہ رضی اللہ عنہم کا یقین ایسا تھا کہ نظر ہر وقت اللہ رب العزت کی ذات پر ہوتی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا زمانۂ خلافت ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ بہت زیادہ فتوحات دے رہے ہیں۔ اتنی فتوحات کہ جدھر جاتے ہیں کامیابی قدم چومتی ہے، جدھر جاتے ہیں انہیں نئے انداز میں کامیابی مل جاتی ہے۔ جب ان کا طوطی بولتا تھا، عین اس زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی کو بھیجا اور پیغام دیا کہ خالد! آج جو رقعہ لے کر آرہا ہے آج کے بعد یہ فوج کا سپہ سالار ہو گا۔ اگر آپ اللہ کے راستے میں لڑنا چاہیں تو عام سپاہی بن کر لڑ سکتے ہیں اور واپس آنا چاہیں تو آپ میرے پاس مدینہ میں آجائیں۔ تو انہوں نے آکر رقعہ دیا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں! میں اللہ کے راستے میں جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ آپ سپہ سالار اور میں ایک عام سپاہی۔

کسی نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے پوچھا: حضرت! آپ فوج کے سپہ سالار تھے اور بغیر کسی خاص وجہ کے امیر المومنین نے آپ کو ایک رقعہ بھیجا اور آپ عام سپاہی بن کر لڑنے لگے، آپ کو ایسا کرنا مشکل نہیں لگا؟ تو انہوں نے کہا کہ مجھے تو کچھ مشکل نہیں لگا، اس لیے کہ جب میں سپہ سالار بن کر لڑا تو جس ذات کو راضی کرنے کے لیے یہ عمل کر رہا تھا جب میں سپاہی بن کر لڑا تب بھی اس ذات کو راضی کرنے کے لیے عمل کیا، مجھے تو کوئی فرق نہیں پڑا۔

کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے امیر المومنین! آپ نے اس عمل سے امت کو اتنے بڑے جرنیل سے کیوں محروم کر دیا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے امت کو جرنیل سے تو محروم کر دیا مگر میں نے امت کا ایمان بچا لیا۔ حضرت! وہ کیسے؟ فرمایا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ اتنی فتوحات دے رہے تھے کہ عام فوجیوں کے دل میں یہ بات آرہی تھی کہ خالد جدھر جائے گا کامیابی ہوگی۔ لوگوں کی نگاہیں اللہ کی مدد سے ہٹ کر ایک ذات پر جم رہیں تھی تو میں نے کہا کہ وہ مدد ہٹ نہ جائے۔ میں نے ان کو ہٹا دیا، اللہ کی مدد تو اب بھی آئے گی اور اللہ اب بھی کامیابی عطا فرمائیں گے۔

(حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات: ص ۱۲۷)

آج ہماری بھی نظر ہر حال میں اللہ کی ذات پر رہے اس کو ''یقینِ کامل'' کہتے ہیں۔

بدر میں صحابہ کی مدد ونصرت:

اس لیے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو میدانِ بدر میں بالکل بے اسباب لے کر آیا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مدینے میں رہنے والے گھروں سے باہر نکلیں اور ان

کے پاس تلواریں نہ ہوں۔ جس کلچر میں ہر بندے کے پاس تلوار ہوتی تھی اس میں یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ پورے لشکر میں دو تلواریں؟ اصل وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو بغیر تیاری کے کافروں کے سامنے کھڑا کرنا چاہتے تھے۔ دنیا کو دکھانا چاہتے تھے کہ اگر اُدھر بھی تلواریں ہوتیں اور اِدھر بھی تلواریں ہوتیں تو دنیا کہتی کہ یہ اس لیے کامیاب ہو گئے کہ یہ زیادہ بہتر تلوار چلانے والے تھے، یہ تھوڑے ہو کر بھی غالب آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا معاملہ بنایا کہ اسباب تھے ہی نہیں اور ادھر لوہے میں ڈوبی ہوئی فوج تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا کیا حال تھا؟ قرآن نے خود گواہی دی:

﴿كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾ (الانفال: ٦)

صحابہ رضی اللہ عنہ نے جب کافروں کو لوہے میں ڈوبے ہوئے دیکھا تو یوں لگتا تھا کہ موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ﴾ (الانفال: ٢١)

اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ حق کو حق ثابت کر دیں اور باطل کو باطل ثابت کر دیں۔ چنانچہ جب یہ بغیر اسباب والی جماعت ان کے ساتھ ٹکرائی تو اللہ نے اپنی مدد جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ایسی نازل فرمائی کہ ان نہتے لوگوں کو بالآخر کامیابی نصیب ہوئی۔ ارشاد فرمایا:

﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (البقرة: ٢٤٩)

کتنی بار ایسا ہوا کہ ایک تھوڑی سی جماعت بڑی جماعت پر غالب آ گئی۔ اب اس کا ترجمہ سمجھنے کے لیے اپنی زبان میں کریں تو یوں ہوگا: کتنی بار ایسا ہوا کہ اللہ نے چڑیوں سے باز مروا دیے۔

﴿وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾

''اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''

پروردگار جب چاہتا ہے چڑیوں سے باز مروا دیا کرتا ہے۔ یہ ''یقین'' کہلاتا ہے۔ جب یہ یقین دل میں آجائے گا تو اللہ کی مدد ساتھ آجائے گی۔ جب یہ یقین ساتھ نہیں ہوگا تو اللہ کی مدد نہیں ہوگی، پھر اسباب، اسباب سے ٹکرائیں گے اور پھر جس کے پاس اسباب زیادہ ہوں گے وہ کامیاب ہو جائے گا۔ تو مومن کو یہ تعلیم دی کہ تم زندگی کے میدان میں اگر صرف اسباب لے کر آؤ گے تو ہمیشہ نقصان اٹھاؤ گے۔ تم زندگی کے میدان میں یقین کو لے کر آؤ۔ یقین ایسی نعمت ہے کہ اس کے مقابلے میں کچھ نہیں ٹھہر سکتا۔ اس لیے ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

((تَعَلَّمْنَا الْاِيْمَانَ قَبْلَ اَنْ نَّتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ))

(ابن ماجہ، رقم: ٦٠)

''ہم نے قرآن سیکھنے سے پہلے ایمان سیکھا''

آج ہمیں یہ ایمان سیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ ہم سب لوگوں کی نظر آج اسباب پر ہے، الا ماشاء اللہ! اب تو یوں ہو گیا ہے کہ ہر بندہ کہتا ہے کہ میرا تو یقین بنا ہوا ہے۔ بھئی! ہم تو زبان سے باتیں کرتے ہیں، حالات پڑھتے ہیں تو اس وقت نظر آتا ہے کہ یقین کس کا بنا ہوا ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ کچھ باتیں کرتے ہیں اور کچھ بات نہیں کرتے اور جب موقع آتا ہے تو اس وقت تقریباً سب کے عمل ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔ اگر سچے یقین والے صرف تین سو تیرہ اٹھ کر آجائیں تو اللہ رب العزت دنیا کا جغرافیہ بدل کر رکھ دیں۔

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو دنیا میں ہو پریشان

...... تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو دنیا میں رہے ناکام

...... تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو دنیا میں رہے غلام

...... غلامی نفس کی ہو، شیطان کی ہو یا کسی انسان کی ہو، نا، نا، نا

...... ہمیں کہتا ہے یہ قرآن، اے میرے ماننے والے مسلمان!

﴿اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ﴾ (العلق: ۳)

''تو پڑھ قرآن، تیرا رب کرے گا تیرا اکرام''

تیرا رب تجھے عزت و وقار دے گا، تیرے ظاہر اور باطن کو نکھار دے گا۔''

چنانچہ ایسا بھی ہوا کہ ایک ایسا ٹارگٹ تھا جس کو پورا کرنا صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی مشکل نظر آتا تھا۔ سب کہتے تھے کہ یہ تو نہیں ہو سکتا، یہ کام تو نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے وہ کام بھی کروا دیا۔

ناقابل تسخیر قلعوں کی تسخیر:

ایک قوم تھی جس نے بڑے بڑے قلعے بنائے ہوئے تھے۔ مجھے مدینہ کے قریب وہ قلعے دیکھنے کا موقع ملا۔ کم از کم ایک میٹر سے چوڑی ان کے گھروں کی دیواریں تھیں، وہ قلعے ناقابلِ تسخیر نظر آتے تھے۔ ان کی بنیادوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ واقعی اس زمانے کی ظاہری نظر کہتی ہوگی کہ وہ ناقابل تسخیر قلعے ہیں۔ اب صحابہ رضی اللہ عنہم بھی یہی سمجھتے تھے کہ ان کو فتح کرنا بہت مشکل ہے، مگر جب میرے اللہ کی مرضی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ راستے نکال دیا کرتے ہیں۔ سنیے قرآن عظیم الشان! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا﴾

تمہیں گمان ہی نہیں تھا کہ تم ان کو یہاں سے نکال سکو گے

وَ ظَنُّوْٓا اور ان کا بھی یہی گمان تھا کہ

﴿اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾

''اب یہ قلعے اللہ کے راستے میں رکاوٹ بن جائیں گے''

کوئی ان کو فتح نہیں کرسکتا۔ واہ میرے مولا! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا﴾

''پھر اللہ ایسی طرف سے آیا جہاں سے ان (یہود) کو گمان بھی نہیں تھا''

ہوا کیا؟

﴿وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ﴾

''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان والوں کا رعب پیدا کر دیا''

لہٰذا وہ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ یہ مسلمان جہاں جاتے ہیں ان کو کامیابی نصیب ہوتی ہے، ہماری طرف رخ کرلیا تو ہماری عورتوں کا کیا بنے گا؟ مال کا کیا بنے گا؟ تو بھائی! ان کے آنے سے پہلے ہی محفوظ مقام پر منتقل ہو جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے اپنا سامان نکال کر گھروں کو خالی کرنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ﴾

''اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو خراب کرنے لگے''

﴿وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

مومنین کو پتہ چلا تو انہوں نے بھاگنے میں مدد دی۔
میرے مالک فرماتے ہیں:
﴿فَاعۡتَبِرُوۡا يٰۤاُولِى الۡاَبۡصَارِ﴾ (الحشر: ۲)
''او آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو''

جب میں چاہتا ہوں تو ایسے نہتے لوگوں سے ایسے قلعے والوں کو بھی شکست دلوا کر رکھ دیتا ہوں۔ اس یقین کو ہمیں اپنی زندگی کے اندر پیدا کرنا ہے۔ اس پر محنت کرنی پڑے گی، یہ دو چار باتیں کرنے سے حاصل نہیں ہوتا، یہ زندگی کی قربانیوں سے حاصل ہوتا ہے۔ میں اور آپ دو منٹ بیٹھ کر بات کر لیں، کوئی وعظ سن لیں، خطبہ دے لیں، دو چار دن سوچتے رہیں تو اس سے یہ چیز حاصل نہیں ہو سکتی، یہ مشقتوں سے کمانا پڑتا ہے اور پھر جس کے دل میں یہ یقین آ جاتا ہے، اللہ رب العزت کی مدد اس کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ تو ایک ہوا نظر کا راستہ اور ایک ہوا خبر کا راستہ۔

خبر کے راستے میں کامیابی ہے:

خبر کے راستے میں یقینی کامیابی ہوتی ہے۔ نظر کے راستے میں کامیابی ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی ہو سکتی۔ آپ غور فرمائیں، قرآن مجید کی چند مثالیں سن لیجیے:

❁ ...... حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کے درمیان گھرے کھڑے ہیں۔ انہوں نے اپنی رسیاں پھینکیں۔

﴿يُخَيَّلُ اِلَيۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰى﴾ (طٰهٰ: ٦٦)
''ان کے جادو کی وجہ سے ایسے محسوس ہوا جیسے یہ رسیاں سانپ بن کر چل

رہی ہیں''

اب ایسے وقت میں انسان اپنی عقل سے پوچھے کہ کیا کرنا چاہیے؟ تو عقل کہتی ہے کہ ان سانپوں کے واسطے تمہارے پاس فقط لاٹھی ہے۔ لہٰذا لاٹھی مضبوطی سے ہاتھ میں پکڑنا، جو سانپ قریب آئے لاٹھی سے اس کو کچل دینا، خیال رہے! لاٹھی چھوٹنے نہ پائے، کہیں ٹوٹنے نہ پائے، اس لیے کہ یہ امید کا آخری سہارا اور آخری کرن ہے، یہ ہے نظر کا راستہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر ہیں، انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا کہ میرے مولا! آپ کا کیا حکم ہے؟ اوپر سے اطلاع آرہی ہے، خبر آرہی ہے:

﴿ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴾ (طٰہٰ: ۱۹)

''اے موسیٰ! اس لاٹھی کو زمین پر ڈال دو۔''

عقل چیختی ہے، چلاتی ہے، شور مچاتی ہے، یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ زندگی کا آخری سہارا، اس کو بھی ہاتھ سے چھوڑ رہے ہو، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے، انہوں نے حکم خدا پر عمل کیا، ظاہری نظر کو نہیں دیکھا۔ جیسے ہی اس کو پھینکا وہ اژدھا بن گیا اور اس نے تمام سانپوں کو کھا لیا اور اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کامیابی عطا فرما دی۔

❁ ...... حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر دریا کے کنارے کھڑے ہیں۔ پیچھے فرعون بھی اپنے لاؤ لشکر کو لے کر پہنچ گیا۔ اب عجیب سی صورت حال ہے، آگے پانی کا دریا ہے اور پیچھے انسانوں کا دریا ہے۔

﴿ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴾ (الشعراء: ٦١)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا: اب ہم ٹریس ہو گئے۔

اب کیا ہوسکتا تھا؟ اس وقت یقین بھری آواز اٹھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کَلَّا ''ہرگز نہیں''

﴿اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ﴾ (الشعراء: ۶۲)

''میرا رب میرے ساتھ ہے اور ضرور میری رہنمائی کرے گا۔''

اچھا! ایسے وقت میں عقل سے پوچھیں کہ کیا کرنا چاہیے کہ آگے پانی کا دریا اور پیچھے انسانوں کا دریا، اب میں کیا کروں؟ عقل کہے گی: تمہارے ہاتھ میں سوائے لاٹھی کے کچھ نہیں، بھئی! لاٹھی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جب دشمن آئے تو ان کا مقابلہ کر لینا، ممکن ہے کہ تم بچ جاؤ، یہی صورت بنتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اوپر سے اطلاع آتی ہے:

﴿اَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ﴾ (الشعراء: ۶۳)

''میرے پیارے موسیٰ! اس عصا کو پانی پر مارو''

یہ بات سن کر عقل چیختی ہے، چلاتی ہے، شور مچاتی ہے، کہتی ہے: یہ کوئی بات ہے بھلا کہ پانی پر لاٹھی مارو۔ کیا بنے گا لاٹھی کو پانی پر مارنے سے؟ اوہ بھئی! مارنی ہے تو اس لاٹھی کو فرعون کے سر پر مارو، پھر تو شاید کچھ بن جائے، پانی پر مارنے سے کیا بنے گا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ اللہ رب العزت کے پیغمبر تھے، اس لیے انہوں نے پانی پر لاٹھی ماری۔ اللہ رب العزت نے بارہ راستے بنا کر بارہ قبیلوں کو وہاں سے گزار دیا۔ تو کامیابی خبر کے راستے پر ہوئی، نظر کے راستے پر نہ ہوئی۔

✿...... حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر وادی تیہ میں ہیں۔ پانی نہیں ہے۔ نازک پلی قوم تھی۔ شکوے بھی بڑے کرتی تھی اور بات بات کا بوجھ حضرت

موسیٰ علیہ السلام پر ڈال دیتی تھی۔ عجیب قوم تھی۔ کہنے لگی: حضرت! پانی نہیں پینے کو، پانی چاہیے جینے کو۔ پانی چاہیے، کیا کریں؟ اب ایسے وقت میں عقل سے پوچھا جائے کہ کیا کرنا چاہیے؟ تو عقل کہتی ہے : آپ کے پاس کوئی ہتھیار اور اوزار ہے نہیں، صرف لاٹھی ہے، تو ایسا کریں کہ لاٹھی سے کوئی گڑھا کھودیں، دھیان رکھنا کہ لاٹھی ٹوٹنے نہ پائے، لاٹھی ٹوٹ گئی تو گڑھا بھی نہیں کھدے گا اور نیچے سے پانی بھی نہیں نکلے گا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے، اللہ رب العزت کی طرف سے پیغام ملا:

﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾(البقرۃ:۶۰)

''میرے پیارے پیغمبر! اس لاٹھی کو پتھر پر دے ماریں''

عقل چیختی ہے، چلاتی ہے، شور مچاتی ہے، کہتی ہے: یہ کوئی کرنے کی بات ہے؟ پتھر پر لاٹھی مارو گے تو لاٹھی ٹوٹے گی اور تم گڑھا بھی نہیں کھود سکو گے اور تمہارے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ظاہر کو نہیں دیکھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جیسے ہی پتھر پر لاٹھی ماری اللہ تعالیٰ نے پتھر سے پانی کے چشمے جاری فرما دیے۔ تو معلوم ہوا کہ کامیابی خبر کے راستے پر ملتی ہے، نظر کے راستے پر نہیں ملتی اور خبر کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے نبی جو لائحہ عمل اور طرزِ زندگی لے کر آئے اس پر چلنے میں کامیابی اور اس کے خلاف چلنے میں ناکامی ہے۔

اگر یہ یقین ہو تو ہم کبھی کوئی عمل سنت کے خلاف نہ کریں، ہم کبھی گناہوں کا ارتکاب نہ کریں۔ ہم کیوں اپنے مالک کی نافرمانی کریں گے؟ یہ جو ہماری زندگی کی اونچ نیچ ہے یہ ہمارے یقین کی کمزوری کی وجہ سے ہے۔ جو اس عاجز

نے عرض کیا کہ یہ یقین کوئی آسان کام نہیں ہے، تو اسی لیے اگر یقین ہوتا تو ہماری آنکھ خطا نہ کرتی۔ اب بتائیں کہ ہم میں سے کتنوں کی آنکھ خطا کرتی ہے۔ ادھر اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) نماز پڑھ کر جاتے ہیں اور وہاں جا کر نظر کسی اور چیز پر پڑی تو وہاں نفس کا حکم مانا یا خدا کا حکم مانا؟ اس لیے کہا کہ یقین نہیں بنا ہوا ہے۔

ایک تابعی کا یقین:

ایک تابعی تھے۔ وقت کے بادشاہ نے بیٹی کو کہا کہ ہم اس قیدی کو اپنا بنانا چاہتے ہیں، اس کو اپنے دین پر لاؤ۔ وہ ایک مہینہ یا کم وبیش اپنے آپ کو بنا سنوار کر ان کے پاس جاتی اور ان کا دل لبھانے کی کوشش کرتی، مگر انہوں نے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ ایک مہینے بعد پوچھنے لگی: مجھ میں کیا کمی ہے؟ میں حسن و جمال کی پیکر ہوں۔ تنہائی ہے، میں خود تمہیں گناہ کی طرف بلاتی ہوں، تم میری طرف کیوں نہیں متوجہ ہوتے؟ تم مرد ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں اس لیے متوجہ نہیں ہوتا کہ میرے رب نے مجھے اس کام سے منع کر دیا ہے۔ اس نے کہا: اچھا! تو پھر یہ طریقۂ زندگی مجھے بھی سکھا دو۔ چنانچہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتی ہے۔

''شکار کرنے آئے تھے شکار ہو چلے''

یہ یقین کہلاتا ہے۔

یقین کے حصول کے لیے محنت ضروری ہے:

یہ یقین کب ہے کہ یہاں بیٹھ کر باتیں کر لیں اور باہر نکل کر وہی کام کر لیں جو دوسرے کرتے پھر رہے ہیں۔ جھوٹ بھی بول رہے ہیں، غیبت بھی کر رہے ہیں،

حسد بھی کررہے ہیں، یہ باتیں اس لیے ہیں کہ یقین نہیں بنا ہوا۔ تو یقین باتوں سے نہیں، عمل سے سامنے آتا ہے۔ اس لیے میرے بھائیو! اس کو بنانے کی ضرورت ہے، اس پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ زندگیاں لگیں گی، مال لگے گا، وقت لگے گا، جانیں لگیں گی، تب جاکر ہمارے دلوں میں یقین پیدا ہوگا۔ یہ جو عمر ملی ہے سو پچاس سال، یہ اسی کو کمانے کے لیے ملی ہے، باقی تو ضروریاتِ زندگی ہیں، وہ تو پوری ہو ہی جاتی ہیں۔ یہ یقین ہمیں بھی نصیب ہو جائے تو پھر دیکھیے کہ ہماری زندگی کی ترتیب ہی کچھ اور ہو جائے گی۔

دو انمول باتیں

دو باتیں ذہن میں رکھ لیجیے! بات پوری ہو جائے گی۔

(۱) جو سبب غم کا وہی سبب خوشی کا:

ایک تو یہ کہ اگر اللہ کے حکموں پر عمل کریں گے تو جو اسباب آپ کو ذلت کے نظر آرہے ہیں، اللہ آپ کی استقامت کی وجہ سے اسی سبب سے آپ کو عزت عطا فرما دیں گے۔ جس سبب سے آپ کو رنج مل رہا ہے، اللہ اسی سبب سے آپ کو خوشی عطا فرمائیں گے۔

قرآن مجید سے دلائل:

اس کی دلیل قرآن عظیم الشان سے سنیے!

✪......حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کو کنویں میں ڈال دیا اور ان کا کرتہ لے کر آئے جھوٹ موٹ کا خون لگا کر۔

﴿وَجَآءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ﴾(یوسف :١٦)

روتے دھوتے، اس کا مطلب ہے کہ آنسو ہمیشہ سچے نہیں ہوتے دھوکہ بھی دیتے ہیں اور آج تو رودھو کر بہت دھوکے دیے جاتے ہیں۔ آ کر حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہنے لگے: ہم اپنے بھائی کو چھوڑ کر بھاگنے کے لیے نکلے، پیچھے سے بھیڑیے نے کھالیا اور ثبوت کے طور پر کرتہ دکھا دیا۔

﴿وَجَآءُوْ عَلٰی قَمِیْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ﴾(یوسف:۱۸)

اب حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل پر بیٹے کے خون آلود کرتے کو دیکھ کر ایک چوٹ پڑی، غم ملا۔ تو بتائیں! غم ملنے کا سبب ظاہر میں کیا بنا؟ بیٹے کا خون آلود کرتہ۔ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ظاہری سبب جس کو دیکھنے سے دل کو چوٹ لگی وہ کیا تھا؟ بیٹے کا کرتہ دیکھا تھا۔ خیر! نصیحت ہو رہی ہے، قرآن میں اللہ نے اس کو ''احسن القصص'' فرمایا۔ فرعونوں کے لیے اس میں بڑی عبرت کی باتیں ہیں۔ بالآخر کیا ہوا؟ ایک وقت آیا کہ بھائی حضرت یوسف علیہ السلام سے معافی مانگنے لگے اور انہوں نے معاف فرما دیا، تو بھائیوں نے بتایا کہ آپ کی جدائی میں رو رو کر ابا جان کی یہ حالت ہے کہ

﴿وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ﴾(یوسف:۸۴)

''غم کے مارے بینائی چلی گئی''

اب اگر بینائی چلی جانے کا پتہ چلا تو حضرت یوسف علیہ السلام یہ فرماتے کہ میں دعا کرتا ہوں (آخر پیغمبر تھے) کہ اللہ میرے والد کو بینائی واپس عطا فرما دے۔ ایسے بھی ہو سکتا تھا، مگر نہیں۔ انہوں نے کہا:

﴿اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ﴾(یوسف:۹۳)

''میری قمیص کو لے جاؤ''

یا اللہ! راز کیا ہے؟

راز یہ ہے کہ جو سبب بنا تھا حضرت یعقوب علیہ السلام کو غم ملنے کا ان کا سبب جب اللہ رب العزت کو پسند آ گیا تو اب اسی بیٹے کا قمیص آ رہا ہے، جیسے ہی اس کو برکت کے وسیلے سے آنکھوں پر لگایا، اللہ نے ان کی بینائی واپس کر دی۔ جو سبب ناکامی کا نظر آتا ہے اللہ اسی میں سے کامیابی عطا فرماتے ہیں۔

⊛......اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو پانی میں ڈال دیجیے۔

﴿وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ﴾ (القصص:۷)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے وحی نازل کی، ہم نے الہام کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں، کہ اگر آپ کو اس کے بارے میں ڈر لگے کہ فرعون کے سپاہی اس کو پکڑ کر نہ لے جائیں تو

﴿فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ﴾

''اس کو دریا میں ڈالو''

﴿فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ﴾ (طٰهٰ: ۷)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کو وہ پکڑے گا جو اس کا بھی دشمن ہوگا اور میرا بھی۔ واہ میرے مولا! یہ بچے کو بچانے کا انتظام ہو رہا ہے۔ ساتھ فرما رہے ہیں: اس کو وہ پکڑے گا جو اس کا بھی دشمن ہوگا اور میرا بھی دشمن، مگر تسلی دی، فرمایا:

﴿وَ لَا تَخَافِیْ وَ لَا تَحْزَنِیْ﴾

''خوف بھی نہ کھانا اور دل میں رنجیدہ بھی نہ ہونا''

﴿اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ (القصص:۸)

''اس کو تمہارے پاس لوٹائیں گے۔ اور ہم نے اس کو رسولوں میں سے بنایا ہے۔''

اب عورت، بیٹے کے معاملے میں اتنی حساس ہوتی ہے کہ اگر اس کو وہم پڑ جائے کہ اس کے بچے کا نقصان ہو جائے گا تو وہ کبھی ادھر قدم بھی نہیں اٹھائے گی اور یہاں حکم ہو رہا ہے کہ بیٹے کو پانی میں ڈال دو۔ ان کی عقل کہتی ہو گی کہ اگر اللہ نے بچے کو بچانا ہے تو پھر میرے گھر فوجی آئیں ہی نہ۔ آسان طریقہ یہ ہے کہ میں اس کو کسی غار میں چھوڑ آتی ہوں، ادھر کوئی جائے گا ہی نہیں، مگر اللہ تعالیٰ بھی تو مشاہدے کے خلاف کرواتے ہیں۔ فرمایا کہ ڈالنا ہے تو پانی میں ڈالو۔ عقل کیا کہتی ہے؟ عقل کہتی ہے: بی بی! اگر بیٹے کو پانی میں ڈال دیا تو بیٹا تمہارا گیا۔ وہ کیسے؟ چھوٹے بچے کو باکس میں ڈال کر پانی میں ڈالنا ہے۔ تو بھئی! باکس میں سانس لینے کے لیے سوراخ بھی رکھنے پڑیں گے تو ان سوراخوں سے پانی جائے گا اور بچہ ڈوب کر مر جائے گا اور اگر پانی سے بچانے کے لیے سوراخ بند کریں گے تو بچہ آکسیجن کی کمی سے مر جائے گا۔ عقل کہتی ہے: تیرا بچہ نہیں بچے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ایک عورت ہے، مگر اللہ رب العزت کی ذات پر یقین ہے، وہ مشاہدے کو نہیں دیکھتی کہ ہو گا کیا؟ وہ کہتی ہے کہ میرے مالک کا حکم ہے۔ مالک کا معاملہ دیکھو! ماں کو بیٹے کے معاملے میں آزماتے ہیں، اللہ اکبر!

آپ ذرا ماں کے جذبات کا احساس رکھیے! یا اللہ تعالیٰ آپ کو شادی کے دس پندرہ سال بعد ایک ہی بیٹا عطا فرمائے، اور پھر اس بچہ کو کہیں پانی میں ڈالنا پڑ جائے تو پھر دل کی حالت بھی ذرا دیکھ لیجیے۔ وہ ماں ہے، امتحان ہو رہا ہے، مگر یقین بنا ہوا تھا۔ جب یقین بن جاتا ہے تو پھر عورتیں بھی اس میدان میں مردوں

سے آگے نکل جاتی ہیں، ایسا یقین اللہ تعالیٰ ہر ایک کو عطا فرمائے۔ بی بی ہاجرہ کو اللہ نے کیسا یقین دیا تھا کہ مردوں سے بھی آگے نکل گئیں!

اب انہوں نے بچے کو پانی میں ڈال دیا اور واپس آگئیں۔ پتہ نہیں گھر آتے ہوئے ان کے قدم کتنے بوجھل ہو رہے ہوں گے؟ آج اگر ماں بچے کو رخصت کرے تو دو منٹ کے بعد اس کو میسج کرتی ہے کہ میں آپ کو مس کر رہی ہوں، تو جب وہ ماں اپنے بچے کو پانی میں ڈال کر آرہی تھی تو کتنا مس کر رہی ہوگی!؟ رات اپنے گھر میں آگئی۔

ادھر کیا معاملہ بنا؟ فرعون اپنی بیوی کے ساتھ دریا کے کنارے ٹہل رہا ہے، اس کے اردگرد اس کی خدمت کے لیے آٹھ سو غلام تھے۔ کسی نے باکس کو دیکھا تو پکڑا اور ان کے حوالے کر دیا۔ اس نے کہا: کھولو! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اَلۡقَيۡتُ عَلَيۡكَ مَحَبَّةً مِّنِّيۡ﴾ (طٰہٰ: ۳۹)

''اے میرے پیارے موسیٰ! ہم نے آپ کے چہرے پر محبت کی تجلی ڈال دی تھی۔''

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے پر ایک جاذبیت تھی، مقناطیسیت تھی، ایسی محبوبیت تھی کہ فرعون کی بیوی نے دیکھا تو خاوند سے کہنے لگی:

لَا تَقۡتُلُوۡهُ

''اس کو قتل نہ کرنا''

﴿عَسٰۤى اَنۡ يَّنۡفَعَنَاۤ اَوۡ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ (القصص:۹)

''ہم اسے کو بیٹا بنائیں گے اور فائدہ اٹھائیں گے''

اب اتنا ظالم فرعون جو ہزاروں بچوں کو ذبح کروا چکا تھا، اس نے بیوی کے

کہنے پراس بچے کو چھوڑ دیا...... لوگ کہتے ہیں کہ بیوی کی کوئی نہیں مانتا، بیوی کی تو بڑے بڑے فرعون بھی مانتے ہیں۔ یہ ہوم گورنمنٹ ہوتی ہی ایسی ہے۔ ہوم ڈیپارٹمنٹ بڑا مضبوط ہوتا ہے...... چنانچہ اس نے ایک آرڈر جاری کیا اور کہا: لَا تَقْتُلُوْہُ اس نے کہا: ٹھیک ہے، ہم اس کو بیٹا بنا لیتے ہیں۔ عقل نے دھوکہ دیا۔ فرعون کے دل میں یہ بات آئی کہ جب میں اس کو اپنا بچہ بنا کر اپنے گھر میں پالوں گا تو یہ میرا مرہون منت ہوگا تو کیا یہ مجھ سے تاج چھینے گا؟ مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہوگا، اس لیے میں اس کو اپنا بیٹا بنا لیتا ہوں۔ اتنا خوش ہوا تھا کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس نے اسی وقت آٹھ سو غلاموں کو آزاد کر دیا۔

''تفسیر روح المعانی'' میں ایک عجیب نکتہ لکھا ہے: وہ فرماتے ہیں کہ اللہ والے جہاں بھی جاتے ہیں لوگوں کے لیے انسانوں کی غلامی سے اور نفس کی غلامی سے نجات کا سبب بن جایا کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے بھی غلاموں کو آزادی نصیب ہوگئی۔

فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گھر لے آیا۔ اب اس زمانے میں ڈبے کے دودھ نہیں ہوتے تھے عورتیں دودھ پلاتی تھیں۔ کہنے لگا: عورتوں کو بلاؤ، دودھ پلانا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ حَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾ (القصص: ۱۲)

''اور ہم نے دوسری عورتوں کا دودھ ان پر حرام کر دیا۔''

جو عورت آتی ہے، فیڈ دینے لگتی ہے، بچہ فیڈ نہیں لیتا تھا۔ بھوک کی وجہ سے روتا ہے۔ فرعون کی بیوی کو کچھ ہوتا ہے اور اس کو دیکھ کر اس کو بھی کچھ ہوتا ہے۔ عورتیں آتی رہیں اور بچہ دودھ نہیں پیتا۔ ساری رات بے چینی میں

گزری۔ صبح کو فرعون کا یہ حال تھا کہ کہتا تھا کہ کوئی عورت تو ایسی آئے جو بچے کو دودھ پلائے۔ ادھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا﴾ (القصص:۱۰)

''حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے صبح بہت بے قراری کی حالت میں کی''

بھوکی تھی۔ سوچتی رہی کہ پتا نہیں رات میرے بیٹے کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا﴾ (القصص:۱۰)

''اگر ہم اس کے دل کو گرہ نہ دیتے تو وہ رو بیٹھتی اور راز کھول بیٹھتی''

ہم نے اس کے دل کو گرہ دے کر تسلی دے دی۔ کہنے لگی: جاؤ بیٹی! بھائی کا پتہ کرو۔ وہ بھاگتی گئی۔ اس نے تماشا دیکھا کہ عورتیں دودھ پلانا چاہتی ہیں اور بچہ دودھ نہیں پیتا۔ تو وہ فرعون سے کہنے لگی:

﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ﴾ (القصص:۱۲)

''میں تمہیں بتاؤں ایسے گھر والوں کے بارے میں کہ جو اس کی کفالت بھی کرے اور دودھ بھی پلائے اور اس کی خیر خواہ بھی ہو؟''

یہ بات فرعون کے ذہن میں کھٹکی تو سہی کہ یہ کیوں کہہ رہی ہے کہ وہ تمہاری خیر خواہ ہوگی۔ چنانچہ اس نے پکڑا اور کہا کہ اے لڑکی! کیوں یہ کہہ رہی ہو؟ وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھی، کہنے لگی: ہم آپ کی قوم ہیں، آپ کی ملت ہیں، آپ کی عوام ہیں، ہم آپ کی خیر خواہی نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا؟ اس نے کہا: بالکل ٹھیک ہے۔ اس نے کہا: امی! چلو۔ لو جی امی صاحبہ بھی

آ گئیں۔فرعون کی ایسی مت ماری گئی کہ اس کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔رات کا جاگا ہوا تھا، کہتا تھا کہ بچہ کسی کا دودھ پی لے اور مجھے سکون کی نیند آجائے۔فرعون خدائی کا دعویٰ کرنے والا تھا، اس کی مت ماری گئی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ آئیں، انہوں نے دودھ پلایا تو بچے نے دودھ پی لیا۔وہ بھی سب خوش ہو گئے۔فرعون نے کہا: اچھا! اس عورت کو جانے نہ دینا، یہیں رہے اور اس سے کہو کہ بچے کو دودھ پلائے اور وہ جا کر رضائی لے کر سوگیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ دو تین دن رہیں۔پھر کہنے لگیں کہ میں تو یہاں نہیں رہوں گی مجھے تو اپنا گھر اچھا لگتا ہے۔بات بھی ٹھیک ہے ''اپنا گھونسلا اپنا کچا ہو کہ پکا''۔اس نے کہا کہ میں تو گھر جا رہی ہوں۔جب اس نے یہ کہا تو فرعون کہنے لگا: بی بی! اکیلی نہ جانا بچے کو بھی اپنے ساتھ لے جانا، اس کو اپنے گھر میں دودھ پلاتی رہنا اور میں تمہاری تنخواہ بھی بھیج دیا کروں گا۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (القصص: ۱۳)

''ہم نے بچے کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا، تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اس کا دل خوف زدہ نہ ہو اور وہ جان لے کہ بے شک اللہ کے وعدے سچے ہیں''

بھئی! بات سچی ہے، ہمیں یہ بات ابھی سمجھ میں نہیں آئی، اللہ کرے سمجھ میں آجائے اور ہم اس کو سیکھنے کے لیے نیت کر لیں۔یہ تو ایک عورت کا یقین تھا۔

اب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے بنی اسرائیل کو نجات عطا فرمائی اور نجات کے لیے فرعون کو زمین میں بھی تو دھنسایا جا سکتا تھا، آسمان

سے پتھروں کی بارش بھی برسائی جاسکتی تھی، زمین میں زلزلہ بھی آسکتا تھا، سینکڑوں صورتیں ہوسکتی تھیں، مگر نہیں، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات دی تو فرعون کو پانی میں ڈبو کر، وجہ کیا تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو غم ملا تھا تو بیٹے کو پانی میں ڈالتے ہوئے۔ جو سبب غم کا تھا اللہ نے اسی سبب کو خوشی کا بنا دیا اور جب سنا کہ فرعون پانی میں ڈوب گیا ہے تو کہنے لگی: الحمد للہ!

اگر آپ یقین کے ساتھ اللہ کے حکموں پر چلیں گے تو جو سبب پریشانی کا ہوگا اللہ اسی سبب میں سے سکون عطا فرمادیں گے۔

(۲)''جیسی کرنی ویسی بھرنی'':

دوسری بات: ایک نکتہ سمجھیے کہ جیسے ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کریں گے اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمائے گا۔ اس کو کہتے ہیں: ''جیسی کرنی ویسی بھرنی''۔ یہ پکی بات ہے، یہ سو فیصد پکا اصول ہے۔ ہم اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ویسا ہی معاملہ فرمائیں گے اور اگر ہم اللہ سے نظر ہٹا کر غیروں پر نظر ڈالیں گے تو اللہ ہمارے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمائے گا۔ بندہ جیسا عمل کرتا ہے اللہ کی طرف سے ویسا ہی ردعمل ہوتا ہے۔ جیسا Action ویسا Reaction۔

قرآن مجید سے دلائل:

قرآن مجید سے چند مثالیں سمجھیں تو اور مزہ آئے گا۔

⊙ ...... بنی اسرائیل کی توبہ قبول کرنے کے لیے یہ دستور بنا دیا گیا تھا کہ تم اپنی بستیوں سے باہر نکلو، ہم بادل کے ذریعے اندھیرا کردیں گے۔

﴿فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ (البقرۃ:۵۴)

''تم چھریاں اپنے جسم پر مارو اور اپنے آپ کو زخمی کرو''

خون بہاؤ۔قرآن مجید میں ہے کہ پھر ان کی توبہ کی قبولیت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔اب کتنی عجیب بات ہے کہ توبہ کی قبولیت کے لیے فرمایا کہ اپنا خون نکالو۔امت محمدیہ کے لیے تو یہ نہیں ہے۔امتِ محمدیہ کے لیے تو یہ ہے: اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ (ابن ماجہ،حدیث:۴۲۴۲) بندے نے زبان سے لفظ بھی کچھ نہیں کہا اور اٹھ کر بھی کہیں نہیں گیا،صرف دل میں نادم اور شرمندہ ہو گیا تو اللہ اس کی ندامت پر توبہ قبول کر لیتے ہیں۔

یہ فرق کیسے؟ علما نے اس کی وجہ لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے ''جیسی کرنی ویسی بھرنی'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کے سامنے اللہ کے حکم کو پیش کیا تو بنی اسرائیل نے کہا:

﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ (البقرۃ:۵۵)

ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے، جب تک کہ واضح طور پر اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہ لیں،تو انہوں نے ایمان لانے کے لیے شرط لگا دی کہ آنکھوں سے دیکھیں گے تو پھر بات مانیں گے۔اللہ نے ان کی توبہ کی قبولیت کی بھی شرط لگا دی، اچھا! تو پھر تم بھی خون نکالو گے تو ہم مانیں گے کہ تم واقعی توبہ کرنا چاہتے ہو۔جب کہ امت محمدیہ کے سامنے جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے پیغام کو پیش کیا تو انہوں نے بغیر کسی دلیل کے اس بات کو قبول کر لیا۔اس لیے رب کریم نے فرمایا کہ تم نے میرے پیغام کو بغیر دلیل کے مان لیا، میں بھی دنیا میں تم سے دلیل نہیں مانگوں گا، فقط دل سے نادم ہو جاؤ گے تو میں اس پر توبہ کو قبول کر لوں گا۔

''جیسی کرنی ویسی بھرنی''

⊙ ......ایک چھوٹی سی مثال قرآن مجید میں ہے کہ جو تہجد کی نماز پڑھتے ہیں، فرمایا:

﴿فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّآ أُخۡفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعۡيُنٍ﴾ (الم السجدة:١٧)

''کوئی بھی نہیں جانتا کہ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے جنت میں کیا تیار رکھا ہے''

اب یہاں طالبِ علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیوں نہیں کہا کہ ان کے دل کے سکون کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے، ان کی دل کی خوشی کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے؟ بات تو دل کی ہوتی ہے کہ ایسا تحفہ دو کہ دل خوش ہو جائے، دل مطمئن ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے یہاں دل کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔ کیا فرمایا؟ کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے۔ تو مفسرین نے یہاں نکتہ لکھا ہے کہ یہ تہجد پڑھنے والے رات کو جاگتے ہیں تو صبح کو ان کی آنکھیں نیند کو ترس رہی ہوتی ہیں، آنکھیں بوجھل ہو چکی ہوتی ہیں۔ چونکہ آنکھیں اللہ کی عبادت میں نیند کو ترسیں، اس لیے رب کریم نے فرمایا کہ میں تمہارے لیے وہ انعام تیار کروں گا کہ جس کو دیکھ کر تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک مل جائے اور آنکھیں خوش ہو جائیں۔ تو ''جیسی کرنی ویسی بھرنی''

⊙ ......حضرت یوسف علیہ السلام پر بھی بہتان لگا، لیکن بہتان کے جواب میں ایک بچے نے دو فقرے کہے کہ اگر آگے سے قمیص پھٹا تو اِس کا قصور اور اگر پیچھے سے قمیص پھٹا تو اِس کا قصور۔ بات ختم ہوگئی، لیکن بی بی مریم علیہا السلام پر بھی بہتان لگا، اب اس بہتان لگنے کا واقعہ قرآن مجید میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا﴾ (مریم:۱٦)

غسل کرنے کے لیے اپنے مکان کی مشرقی سمت گئی کہ اللہ تعالیٰ نے مشرق کو قبلہ بنایا ہوا ہے۔

﴿فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا﴾

''پردہ کرلیا''

﴿فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾

''ہم نے جبرائیل کو بھیجا بھرپور مرد کی شکل میں''

اب جب بی بی مریم علیہا السلام نے ایک مرد کو تنہائی میں سامنے دیکھا تو گھبرا گئی۔ کہنے لگی:

﴿اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾

''میں رحمن کی پناہ مانگتی ہوں''

جبرائیل علیہ السلام نے دیکھا کہ بی بی مریم علیہا السلام تو گھبرا گئیں، تو فرمانے لگے:

﴿اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ﴾

''میں تیرے رب کا بھیجا ہوا نمائندہ ہوں۔''

﴿لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا﴾

''تاکہ آپ کو نیک بیٹا عطا کیا جائے''

اس بات کو سن کر بی بی مریم علیہا السلام اور زیادہ گھبرا گئیں، کیونکہ عام اسباب تو یہ ہوتے ہیں کہ عورت نکاح کرے تو بیٹا ہوسکتا ہے یا گناہ کے ذریعے زنا کرے تو بیٹا ہوسکتا ہے اور بی بی مریم علیہا السلام جانتی تھیں کہ دونوں اسباب میری زندگی میں نہیں

ہیں۔ چنانچہ فرمانے لگیں:

﴿اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ﴾

''میرا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے؟''

﴿وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ﴾

''نہ میں نے نکاح کیا''

﴿وَلَمْ اَكُ بَغِيًّا﴾

''نہ میں نے زنا کیا''

اب جب جبرائیل علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ تو گھبرا گئی ہے، تو فرمایا:

﴿قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾

''تیرے پروردگار نے یہ کام میرے لیے آسان کردیا ہے۔''

فَحَمَلَتْهُ ''بی بی مریم حاملہ ہوگئیں'' اب بی بی مریم بہت پریشان ہیں۔...... آپ تصور کریں کہ جس عورت نے بچپن سے اللہ کے نام پر زندگی گزاری ہو اور ان کی کفالت کے لیے لوگ ایک دوسرے کے لیے جھگڑے کرتے ہوں اور جس کو مسجد کے ماحول میں رکھا گیا ہو اور اعتکاف میں عبادت بھری زندگی گزاری ہو، وہ بچی جب جوان ہو اور حاملہ ہوجائے تو اس کو کتنا غم ہوگا......!! تو بی بی مریمؑ ایک ہارے ہوئے جرنیل کی طرح بیٹھی ہیں۔ اتنا غم اور اتنی ڈپریشن کی کیفیت ہے کہ کہتی ہیں:

﴿يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا﴾

''اے کاش! میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی، کوئی بھولی بسری چیز ہوچکی ہوتی۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَا﴾

''ہم نے اس کو اطلاع دی فرشتے کے ذریعے سے''

اَنْ لَّا تَحْزَنِیْ ''غم نہ کر''

فرمایا:

﴿قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّا﴾

''تمہارے نیچے سے پانی کا چشمہ جاری کر دیا جائے گا''

﴿وَ هُزِّیْ اِلَیْکِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْکِ رُطَبًا جَنِیًّا﴾

اور یہ کھجور کی ٹہنی کو تم ہلاؤ تو کھجوریں گر پڑیں گی

﴿فَكُلِیْ وَ اشْرَبِیْ وَ قَرِّیْ عَیْنًا﴾

کھجوریں کھانا، پانی پینا اور جب بچہ پیدا ہو جائے تو اس کو دیکھنا تو تمہارا غم ختم ہو جائے گا اور جب تم اس کو لے کر قوم کے پاس جاؤ گی اور قوم تم سے پوچھے گی تو تم کہہ دینا:

﴿اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا﴾

''میں نے تو رحمن کے لیے روزہ رکھا ہوا ہے''

اس دور کے روزے میں بولنے کا بھی روزہ ہوتا تھا۔ چنانچہ

﴿فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ﴾

''بی بی مریم علیہا السلام قوم کے پاس اپنے بچے کو لے کر آئیں''

اور لوگ کہنے لگے:

﴿یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا﴾

''او مریم! یہ کیا طوفان چیز لے کر آ گئی؟''

﴿یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا﴾

''اے ہارون کی بہن! تیرا باپ برا تھا نہ تیری بہن بری تھی۔''

اب یہاں پر ایک نکتہ مل رہا ہے کہ غلطیاں نوجوان کرتے ہیں اور طعنے بھائی کو، باپ کو اور ماں کو ملتے ہیں۔ وہ مریم کو کچھ نہیں کہہ رہے تھے کہ مریمؑ! تو یہ کیا کر بیٹھی؟ یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ بھائی کی بدنامی، مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ والد کا نام لیا، والدہ کا نام لیا۔ اے نوجوانو! احتیاط کی زندگی گزارنا، کہیں اپنے بڑوں کی عزتوں کو پامال نہ کر بیٹھنا۔ ماں باپ زندگیاں گزار کر عزتیں کماتے ہیں اور بچے چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر عزتوں کو گنوا بیٹھتے ہیں۔ اب جب انہوں نے یہ بات کہی تو ان کے جواب میں بی بی مریم نے فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ (بچے کی طرف اشارہ کر دیا) بعض لوگ کہنے لگے:

﴿قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا﴾

''یہ بچہ جو گود میں ہے کیسے بول سکتا ہے؟''

بہتان حضرت یوسف علیہ السلام پر بھی لگا، مگر ان کی گواہی کے لیے دو فقرے بولے گئے کہ اگر قمیص آگے سے پھٹا تو اس کا گناہ اور اگر پیچھے سے پھٹا تو اس کا گناہ۔ بات ختم ہو گئی، لیکن یہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بولتے ہیں اور بولے بھی کیسے کہ دو فقرے نہیں بولے، ذرا غور کیجیے! آگے کیا ہوا؟

﴿قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾

''فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں''

﴿اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ○ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَ

اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا○ وَبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا○ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَ يَوْمَ اَمُوْتُ وَ يَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا﴾ (مریم: ۱۶تا۳۲)

اتنی لمبی گواہی! مفسرین نے یہاں نکتہ لکھا کہ وہاں بھی گواہی دی، مگر دو لفظ کی۔ اور یہاں گواہی اتنی بڑی، انہوں نے فرمایا کہ وہاں بہتان ایک عورت نے لگایا تھا تو دو فقروں میں بات سمٹ گئی۔ یہاں بہتان قوم نے لگایا تھا، اللہ نے جواب میں بچے سے وعظ کروا دیا۔ یہاں چونکہ بہتان لگانے والی ایک پوری قوم تھی، اس لیے اللہ نے دو فقروں میں بات نہیں سمیٹی، تو معلوم ہوا:

''جیسی کرنی ویسی بھرنی''

توجہ فرمائیے! اب بڑا علمی نکتہ ہے۔

⊙ ......ابرہہ نے ہاتھیوں کا لشکر لیا اور بیت اللہ شریف کو گرانے کے لیے آ گیا۔ اس نے ملکِ یمن میں اپنا ایک مرکز بنایا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ دنیا اس کو مرکز بنا دے اور یہ جو مرکز (بیت اللہ) بنا ہوا تھا اس کو مٹا دے۔ وہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر آ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پرندے آ گئے، جنہوں نے چھوٹی چھوٹی کنکریاں پھینکیں اور ان ہاتھیوں اور لوگوں کو کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا۔ اب یہاں پر ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہاتھیوں کو پرندوں سے کیوں مروایا گیا؟ ہاتھی زمین میں بھی دھنسائے جا سکتے تھے، بیماری بھی پیدا کی جا سکتی تھی، آگ بھی برسائی جا سکتی تھی، مگر نہیں، اللہ تعالیٰ نے پرندوں کو استعمال فرمایا۔

یہاں پر مفسرین نے ایک عجیب نکتہ لکھا کہ پرندوں کو کیوں استعمال

فرمایا؟ اب اس کی عام وجہ جو مفسرین نے لکھی وہ تو یہ ہے کہ بھئی! یہ اپنی طرف سے ہاتھیوں کو لے کر آیا جو جانوروں میں سب سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے۔ تو جب وہ سب سے زیادہ طاقت والے جانوروں کو لے کر آیا تو اللہ تعالیٰ اس کے مقابلے میں پرندوں کو لے آتے ہیں، جو طاقت میں انتہائی کمزور ہیں اور ان کا حشر تجھ کو دکھا دیتے ہیں، یہ بھی طاقت کا جواب ہے۔

مگر مفسرین نے ایک اور عجیب جواب لکھا، جو اس مضمون کے متعلق ہے۔ وہ کیا کہ جیسا عمل ویسا ردعمل

''جیسی کرنی ویسی بھرنی''

محققین نے یہ بات لکھی ہے کہ ابرہہ چلا کس نیت سے تھا؟ وہ چلا اس نیت سے تھا کہ عزت والے گھر بیت اللہ کو گرا دوں اور اپنا گھر جس کی عزت نہیں اس کو عزتوں والا بنا دوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ترتیب کو الٹ کرنے چلا تھا کہ عزت والے گھر کو مٹا دوں گا اور جس کی عزت نہیں اس کو عزت دلاؤں گا۔ جب ابرہہ اس نیت سے چل کر آیا تو رب کریم نے بھی ترتیب الٹ کردی کہ میرے بندو! عام دستور یہی ہے کہ تم صیاد (شکاری) بنتے ہو اور پرندے تمہارا شکار ہوا کرتے ہیں۔ تم نیت بدل کر آرہے ہو، ترتیب بدل کر آرہے ہو، ہم بھی ترتیب بدل کر دکھا دیتے ہیں۔ آج تم شکار بنو گے اور پرندے صیاد ہوں گے، وہ اوپر سے کنکریاں پھینکیں گے، میں ان کے ذریعے سے تمہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح بنا دوں گا۔

حاصلِ کلام:

تو اگر ہمارے دلوں میں اللہ کی ذات کا پکا یقین آجائے تو ہمیں زندگی میں

بھی اللہ تعالیٰ عزتیں عطا فرمائیں گے اور آخرت میں بھی عزتیں عطا فرمائیں گے۔ اب اس یقین کو سیکھنے کے لیے دعوت وتبلیغ کے نام سے ایک محنت ہورہی ہے۔ الحمد للہ! پوری دنیا میں ہورہی ہے اور اس میں یہ بات سکھائی جاتی ہے کہ ذرا اپنے گھروں سے نکلو، اسباب کے ماحول سے ذرا باہر نکلو اور اللہ کے راستے میں قدم اٹھاؤ تو تمہیں اللہ کی مدد کی سمجھ آجائے گی، تمہیں اللہ کے ساتھ ایمان اور تعلق کی سمجھ آجائے گی۔ تو واقعی انسان کا ایمان ویقین بڑھتا ہے اور انسان کو زندگی کا صحیح راستہ نظر آجاتا ہے۔ اب اس راستے کو سیکھنے کے لیے آپ حضرات ارادہ فرمالیں، آپ حضرات اس کے مطابق اپنے اوقات کو فارغ کیجیے اور اس یقین کو سیکھنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یقین بھری زندگی نصیب فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یقین مومن کی غذا ہے

ازافادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

041-2618003

یقین مومن کی غذا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

((اَلْيَقِيْنُ قُوْتِيْ)) (احیاء علوم الدین: ۴/۱۶۷)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

جسمانی اور روحانی غذا:

نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

((اَلْيَقِيْنُ قُوْتِيْ))

''یقین میری غذا ہے''

غذا اس چیز کو کہتے ہیں جس سے انسان کو نشو ونما ملے۔ جیسے کھانا پینا انسان کی غذا سمجھی جاتی ہے اور اس سے انسان کے جسم کو نشو ونما ملتی ہے۔ غذا اچھی ہو تو انسان کا جسم اچھی طرح بڑھتا ہے اور اس کے اندر بیماریوں کے خلاف قوتِ مدافعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک روحانی غذا ہے، جسے انوارات، تجلیات، برکات اور فیوضات کہتے ہیں۔ یہ انسان کو روحانی طور پر مضبوط کر

دیتے ہیں۔

یقین کسے کہتے ہیں؟

یقین اسے کہتے ہیں کہ انسان کسی چیز کے بارے میں پکا گمان کر لے۔ مثال کے طور پر: ایک آدمی سانپ کو دیکھ کر دور بھاگتا ہے، کیونکہ اس کے دل میں یہ یقین ہوتا ہے کہ اگر سانپ ڈس لے تو اس کے زہر کی وجہ سے وہ موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دیکھنے میں سانپ کتنا خوبصورت ہوتا ہے۔ اس پر اتنا اچھا ڈیزائن بنا ہوتا ہے کہ اسے پکڑنے کو جی چاہتا ہے، مگر اسے کوئی بندہ بھی ہاتھ نہیں لگاتا، بلکہ اس سے دور بھاگتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی ہوتی ہے کہ اس سے جان کا خطرہ ہے۔ اسی طرح جب دین پر یقین پختہ ہو جاتا ہے تو انسان گناہوں کے قریب بھی نہیں جاتا، کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس میں ایمان کا خطرہ ہے۔

یقین ملنے کے دو ذرائع

یقین انسان کو دو طرح سے ملتا ہے۔

(۱) مشاہدے کے ذریعے (۲) خبر کے ذریعے

(۱) مشاہدے کے ذریعے یقین:

مشاہدے سے مراد یہ ہے کہ جب انسان اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے تو وہ یقین کر لیتا ہے۔ چنانچہ کتنی ہی چیزیں ایسی ہیں جن کو ہم دیکھ کر مان لیتے ہیں۔

مثال کے طور پر......

- کشش ثقل (Gravitational Force)۔ یہ آنکھ سے نظر تو نہیں آتی، لیکن

جب ہم درخت سے پھل کو زمین پر گرتا دیکھتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ زمین اشیا کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تبھی تو پھل نیچے آتا ہے، اوپر نہیں جاتا۔

❁ مقناطیسی گھڑی کو دیکھ کر ہم مانتے ہیں کہ زمین کے شمال اور جنوب میں ایک مقناطیسی قوت موجود ہے، جسے South pole (جنوبی قطب) اور North pole (شمالی قطب) کہتے ہیں۔ ہم اسے آنکھ کے ذریعے نہیں دیکھ سکتے، لیکن مشاہدے کی وجہ سے اسے مان لیتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ ہر چیز انسان کے مشاہدے میں نہیں آسکتی، کیونکہ انسان کا مشاہدہ تو محدود ہے۔ مثال کے طور پر......

- چیونٹی اگر دس میٹر کے فاصلے پر چل رہی ہو تو وہ ہمیں نظر نہیں آتی۔
- چیونٹی کے چلنے کی بھی آواز ہوتی ہے، مگر ہم اسے سن نہیں سکتے۔ البتہ آلات کی مدد سے وہ آواز سنی جاسکتی ہے۔
- چیونٹی چینی کی خوشبو کو جلدی محسوس کر لیتی ہے۔ جبکہ ہمیں محسوس ہی نہیں ہوتی۔ چنانچہ اگر کہیں چینی کا چھوٹا سا گرین (دانہ) بھی پڑا ہو تو ہمیں محسوس ہی نہیں ہوتا کہ چینی کا دانہ پڑا ہے یا نہیں، لیکن چیونٹی اس کی خوشبو کو محسوس کرتے ہوئے وہاں پہنچ جاتی ہے۔
- ہم جس کمرے میں موجود ہوتے ہیں اس میں آواز کی لہریں موجود ہوتی ہیں، مگر ان کو سننے کے لیے ریڈیو رسیور کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ریڈیو لگا کر مکہ مکرمہ سے تلاوت کی آواز بھی سن سکتے ہیں اور مختلف اسٹیشنوں سے خبریں سن سکتے ہیں۔ یہ آواز کی لہریں تو پہلے موجود تھیں، مگر آلات کی مدد سے ان کا سننا آسان ہوگیا۔

- جانور زلزلے سے پہلے زمین سے آنے والی آوازوں کو بھی سن لیتے ہیں، مگر انسان نہیں سن سکتے۔
- پرندے جب ایک براعظم سے دوسرے براعظم کی طرف چلتے ہیں تو ان کے پاس آلات تو نہیں ہوتے، پھر ان کو سمت کون بتاتا ہے؟ وہ ہزاروں میل کا سفر کر لیتے ہیں۔ جب کوئی چیز ہوا میں چلی جاتی ہے تو اسے نیچے زمین ایک جیسی نظر آتی ہے۔ انہیں کون بتاتا ہے کہ وہ مشرق کی طرف جائیں یا مغرب کی طرف، شمال کی طرف جائیں یا جنوب کی طرف؟ ......اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ کے اندر ایک ایسا سسٹم بنادیا ہے کہ جس کو استعمال کر کے وہ بالکل ایک سمت میں جاتے ہیں اور اسی ایک سمت میں واپس آجاتے ہیں۔
- بلی رات کو دیکھ لیتی ہے، لیکن انسان کو اندھیرے میں نظر نہیں آتا۔
- ایک چھوٹا سا کیڑا اپنی مادہ کی موجودگی کو تیرہ کلومیٹر دور سے محسوس کر لیتا ہے، لیکن انسان کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی پردے کے پیچھے موجود ہو تو اسے وہ بھی نظر نہیں آتا۔
- جب انسان کھانستا ہے تو اس کے منہ سے اربوں کھربوں کی تعداد میں جراثیم نکلتے ہیں، جن کو انسان اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ انہیں صرف خوردبین کی نظر سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اگر ہم بھی اس کو دیکھ سکتے کہ کھانسنے سے کسی کے منہ سے کتنے جراثیم نکل رہے ہیں تو ہم ایک دوسرے سے دو دو قدم دور رہتے، مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر مہربانی فرمادی کہ ہمیں اتنے ہی حواس دیے جتنے ضروری تھے اور آگے پیچھے کا معاملہ ہماری نظر سے اوجھل کر دیا۔
- جب ایکسرے کروانے کے لیے جاتے ہیں تو کوئی چیز ہمارے جسم کے اندر

سے گزرتی ہے اور ہماری ہڈی کا فوٹو لے لیتی ہے۔ وہ چیز ہمیں آنکھ سے نظر نہیں آتی۔ وہ الفاریز، بیٹاریز اور گیماریز ہوتی ہیں جو آلات کے ذریعے سے تو محسوس ہوتی ہیں، لیکن آنکھ کے ذریعے نظر نہیں آتیں۔

(۲) خبر کے ذریعے یقین:

یقین کرنے کا دوسرا طریقہ خبر کا طریقہ ہے۔ یعنی کسی معتبر بندے کے بتانے سے یقین کر لینا۔ مثلاً: آپ میں سے بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے سعودی عرب نہیں دیکھا، لیکن وہ پھر بھی مانتے ہیں کہ دنیا میں سعودی عرب موجود ہے، اس لیے کہ کتابوں میں بھی اس کے بارے میں پڑھا اور جو لوگ وہاں سے ہو کر آئے انہوں نے بھی بتایا کہ سعودی عرب میں اللہ کا گھر ہے۔ یوں کتابوں کے مطالعہ سے اور لوگوں کے بتانے سے اس بات کو ہم تسلیم کر لیتے ہیں۔ یہ ہم نے خبر کے ذریعے سے مانا ہے۔

ایک مرتبہ مجھے ٹیپو سلطان پور جانے کا موقع ملا۔ وہاں بیان کے بعد ایک صاحب اپنے جوان بیٹے کو لے کر میرے پاس آئے۔ ان کا بیٹا وکیل تھا اور وہ دہریہ بنا ہوا تھا۔ اس نے ماں باپ کو بہت پریشان کیا ہوا تھا۔ باپ نے مجھے بتایا کہ یہ میرا بیٹا ہے، اس نے سائنس پڑھی ہے، پتہ نہیں کہ اس کا دماغ کیسے خراب ہوا کہ یہ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے وجود کو نہیں مانتا۔

میں نے وکیل صاحب سے بات کی تو وہ کہنے لگا: جی! میں سائنس پڑھا ہوا ہوں، میں جب کسی چیز کا مشاہدہ کرتا ہوں تو مانتا ہوں، فقط سنی سنائی بات نہیں مانتا۔ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔ جب کوئی بندہ سمجھنے کے لیے تیار ہی نہ ہو تو اسے سمجھانا بہت ہی مشکل کام ہوتا

ہے۔ مجھے بھی اندازہ ہو گیا کہ اب گھی ٹیڑھی انگلی سے ہی نکلے گا، سیدھی انگلی سے نہیں نکلے گا۔

چنانچہ میں نے اس سے پوچھا: کیا واقعی آپ سنی سنائی بات کو نہیں مانتے؟ کہنے لگا: نہیں، میں سائنس پڑھا ہوا ہوں، اگر کوئی چیز مشاہدے سے دیکھتا ہوں تو مانتا ہوں، ورنہ نہیں مانتا۔ میں نے اس کو پکا کر لیا۔ جب اچھی طرح پکا ہو گیا تو میں نے کچھ ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس سے پوچھا: وکیل صاحب! آپ کا نام کیا ہے؟ اس نے اپنا نام بتا دیا۔ میں نے پھر پوچھا: آپ کے والد کا نام کیا ہے؟ اس نے وہ بھی بتا دیا۔ میں نے کہا کہ جو آپ نے اپنے والد کا نام بتایا ہے، آپ یہ کیوں مانتے ہیں کہ یہ میرے والد ہیں، دیکھ کر مانا ہے یا سن کر مانا ہے؟ کہنے لگا: سن کر مانا ہے۔ میں نے کہا کہ پھر آپ یہ کہیں کہ مجھے اپنے باپ کا پتہ ہی نہیں ...... اب تو اس کا باپ اس پر غضب ناک ہونے لگا اور کہنے لگا کہ ہاں! بالکل ٹھیک ہے، اب تو کہہ دے کہ مجھے نہیں پتہ کہ میرا باپ کون ہے۔ چنانچہ اب وہ پریشان ہو گیا کہ اگر یہ بات سارے شہر میں پھیل گئی تو میرا کیا بنے گا...... وہ اسی اضطراب میں کہنے لگا: جی! میری امی نے مجھے بتایا ہے کہ یہ تمہارا باپ ہے۔ میں نے کہا: تمہاری امی تو پھر بھی جھوٹ بول سکتی ہے، اگر تم ماں کے کہنے پر باپ کو باپ مان لیتے ہو تو کیا نبی علیہ السلام کے کہنے پر اللہ تعالیٰ کے وجود کو نہیں مان سکتے؟

تو نبی علیہ السلام کی بات کو مان لینا ''یقین'' کہلاتا ہے۔ یعنی آپ ﷺ نے جو کچھ آ کر بتایا، ہم آپ ﷺ کو صادق الامین سمجھتے ہوئے اس کو مانتے ہیں۔

اسی طرح بجلی کی تار میں انسان کو نظر تو کچھ نہیں آ رہا ہوتا، مگر ہاتھ کوئی بھی

نہیں لگاتا، کیونکہ ہر ایک کو پتہ ہوتا ہے کہ 11KV کی تار ہے، اسے جو بندہ بھی ہاتھ لگائے گا وہ پھڑک جائے گا۔جس طرح 11KV کی تار کو کوئی بندہ ہاتھ نہیں لگاتا، اسی طرح اگر پکا یقین ہو کہ اگر ہم گناہ کریں گے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا ایک جھٹکا پڑے گا تو پھر ہم گناہ کے قریب بھی نہیں جائیں گے۔ نوجوان آجکل سوال پوچھتے ہیں کہ گناہوں سے بچنا بڑا مشکل ہے، کیا کریں؟ یاد رکھیں کہ گناہوں سے بچنا صرف اس وقت تک مشکل ہے جب تک یقین کمزور ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کوئی یہ کہے کہ میں سانپ کو دیکھ کر اسے پکڑے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اب بتائیں! کوئی بندہ یہ کہہ سکتا ہے؟ ہر بندہ دور بھاگے گا کہ یہ سانپ ہے ،اگر کاٹے گا تو میری جان چلی جائے گی۔ مومن بھی ایسا ہی سمجھتا ہے کہ اگر میں گناہ کا مرتکب ہوں گا تو میرا ایمان چلا جائے گا۔

آجکل کے لوگ ڈاکٹر کے کہنے پر کئی چیزیں چھوڑ دیتے ہیں۔ شوگر کا مریض ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے اور ڈاکٹر اسے کہتا ہے کہ آپ نے آج کے بعد چینی نہیں کھانی، چکنائی نہیں کھانی، چاول نہیں کھانے، اگر کھائیں گے تو آپ کو یہ چیزیں نقصان دیں گی۔ چنانچہ وہ مریض ڈاکٹر کے کہنے پر یہ سب چیزیں چھوڑ دیتا ہے۔ اگر وہ ڈاکٹر کے کہنے پر یہ نعمتیں کھانا چھوڑ سکتا ہے تو کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہنے پر ہم گناہوں کو نہیں چھوڑ سکتے؟ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا ہے کہ اگر تم یہ یہ کام کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہوں گے، جس کی وجہ سے تمہیں دنیا میں بھی ذلت اٹھانا پڑے گی اور آخرت میں بھی سزا ہو گی۔ کتنی عجیب بات ہے کہ بکری چارہ کھاتے ہوئے مالک کی ایک آواز پر وہ چارہ کھانا چھوڑ دیتی ہے، لیکن انسان نبی علیہ السلام کے کہنے پر گناہ کو نہیں چھوڑ سکتا!

اصل بات یہ ہے کہ انسان یقین کی کمزوری کی وجہ سے گناہوں سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پاتا۔ البتہ اگر یقین بن جائے تو گناہوں سے بچنا بہت آسان ہوتا ہے۔ ہمارے اکابر کا یقین بنا ہوا تھا کہ اگر ہم گناہ کے مرتکب ہوں گے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ملے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ (النساء: ۱۲۳)

''جوکوئی بھی گناہ کرے گا اسے اس کی سزا مل کر رہے گی''

اسی یقین کی وجہ سے وہ گناہوں کے قریب بھی نہیں جاتے تھے۔ حالانکہ گناہوں کے مواقع بھی ہوتے تھے، لیکن وہ ان مواقع سے یوں دور بھاگتے تھے جیسے کوئی شیر اور سانپ سے بھاگتا ہے۔

یقین کامل کے واقعات:

① ..... سیدنا یوسف علیہ السلام کے سامنے گناہ کا بہترین موقع تھا۔ بند کمرہ ہے، گھر کی بڑی خود اپنے آپ کو گناہ کے لیے پیش کر رہی ہے، پھر پردیس ہے، ماں باپ کے سامنے رسوائی کا بھی کوئی ڈر نہیں، جاننے والا بھی کوئی نہیں کہ یہ کون ہے اور کس خاندان سے ہے، بھرپور جوانی بھی ہے، لیکن ان کے دل میں ایک یقین تھا کہ نافرمانی کرنے سے اللہ رب العزت ناراض ہوتے ہیں۔ لہٰذا گناہوں کے لیے سازگار ماحول کے باوجود انہوں نے فرمایا..... معاذ اللہ..... (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں)

② ..... کتابوں میں لکھا ہے کہ تابعین میں سے تین بزرگ دشمن کی قید میں آ گئے۔ اس نے دو کو تو شہید کر دیا اور ایک کے بارے میں چاہا کہ وہ اسے اپنی

فوج کا جرنیل بناؤں۔ چنانچہ وہ اس کو گھر لے آیا۔ گھر میں آ کر اس نے اپنی خوبصورت بیٹی سے کہا کہ تم اس آدمی کو اپنی طرف مائل کرو، تاکہ یہ ہمارے دین پر آ جائے۔ امید ہے کہ یہ ہمارے لیے بڑے کام کا آدمی ثابت ہوگا۔

وہ جوان لڑکی بن سنور کر ایک ہفتہ تک ان کے پاس آتی، کھانا پیش کرتی اور ان کے ساتھ باتیں کرنے کی کوشش کرتی رہی، لیکن انہوں نے ایک مرتبہ بھی اس کے چہرے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ وہ لڑکی بڑی حیران ہوئی کہ یہ جوان مرد ہے، میں گھنٹوں اس کے پاس تنہائی میں آ کر بیٹھتی ہوں، لیکن یہ میری طرف دھیان ہی نہیں دیتا، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟...... چنانچہ اس سے رہا نہ گیا اور اس نے پوچھا: جی! آپ میری طرف کیوں نہیں دیکھتے؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے اللہ نے غیر محرم کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ کہنے لگی: اچھا! اگر تم اتنے پکے ہو تو پھر مجھے بھی تم اپنے جیسا بنا لو۔ چنانچہ انہوں نے اسے کلمہ پڑھایا اور مسلمان کر دیا۔

شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے

پھر وہ کہنے لگی: اب تو میں مسلمان ہو چکی ہوں، اس لیے اب یہاں رہنا مشکل ہے، مجھے اب یہاں سے نکال لیے۔ انہوں نے اسے کہا: اب آپ ہی کوئی بندوبست کریں۔ چنانچہ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ میں ان کے ساتھ جنگل کی سیر کو جانا چاہتی ہوں۔ لہٰذا جنگل کی سیر کے بہانے ان کو گھوڑے مل گئے اور یوں اللہ رب العزت نے اس تابعیہ کو اس جگہ سے رہائی عطا فرمائی۔ جب وہ دونوں مسلمانوں کے علاقے میں پہنچے تو اللہ رب العزت نے انہیں اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔ اب دیکھیں کہ انہیں وہ نعمت ملنی تھی، اگر

پہلے ہاتھ بڑھا دیتے تو ان کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا، انہوں نے اپنے آپ کو تھام لیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آزادی کی نعمت بھی دے دی اور یہ نعمت بھی عطا فرما دی۔

③......سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ایک مرتبہ وہ حج کے سفر میں اپنے خیمے میں بیٹھے تھے، اس وقت ان کے دوست کھانا لانے کے لیے شہر گئے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک دیہاتی عورت ان کے خیمے میں آ گئی۔ اس نے ان کو گناہ کی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ مجھے گناہ کی طرف متوجہ کر رہی ہے تو انہوں نے یہ سوچ کر رونا شروع کر دیا کہ شیطان نے اپنا ایجنٹ میرے پاس بھیج دیا۔ جب اس عورت نے ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو وہ شرمندہ ہو کر واپس چلی گئی۔

ان کو رات خواب میں سیدنا یوسف علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی خدمت میں عرض کیا: حضرت! آپ کتنے خوش نصیب ہیں کہ آپ کی پاکدامنی کا تذکرہ قرآن مجید میں آیا ہے اور آپ نے زلیخا کی دعوت کے باوجود اس کی طرف پیش قدمی نہ کی۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میں تو اللہ کا نبی تھا، مجھ پر اللہ کی طرف سے حفاظت اور مدد تھی یہ اتنی حیرانی کی بات نہیں، حیرانی کی بات تو یہ ہے کہ سلیمان! تمہارے سامنے عورت نے اپنے آپ کو پیش کیا اور تم نے رو کر اپنے آپ کو گناہ سے بچا لیا، اللہ کے ہاں تمہارے اس گناہ سے بچنے کا رتبہ بہت بڑا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ جب دل میں یقین ہوتا ہے تو پھر تنہائی میں بھی انسان گناہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

(احیاء علوم الدین: ۱۶۸/۴، حلیۃ الاولیاء: ۱۹۰/۲)

رزق ملنے کا یقین:

رزق ملنے کے یقین کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ اگر بندے کو رزق ملنے کا یقین ہو تو نہ وہ جھوٹ بولے گا، نہ وہ کسی کو دھوکا دے گا، نہ چوری کرے گا، اور نہ ہی وہ کسی دوسرے کا مال ہتھیانے کی کوشش کرے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ (ھود: ۶)

''اور زمین پر جو جاندار بھی ہے اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے''

اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم علیہا السلام کو بے موسمی پھل کھلائے، تو کیا امتِ محمدیہ کو موسم کے پھل نہیں کھلا سکتے؟ اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل کو چالیس سال تک من وسلویٰ کھلایا، تو کیا اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو گندم کی روٹی نہیں دے سکتے؟ یہ تو یقین کرنے کی بات ہے۔ اگر یقین کریں گے تو اللہ تعالیٰ رزق عطا فرمائیں گے۔

زکوۃ سے مال محفوظ ہونے کا یقین:

چنانچہ اگر یقین ہو کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے میرا مال پاک بھی ہو جاتا ہے اور محفوظ بھی ہو جاتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے مال کی حفاظت کرے گا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو بندہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے اس کا مال اللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔ لہٰذا اس مال کو کوئی ضائع بھی نہیں کر سکتا۔

(کنز العمال، حدیث: ۱۵۷۷۹)

دارالعلوم دیوبند کے خازن ایک نواب صاحب تھے۔ وہ تہجد گزار تھے۔ ان کے پاس دارالعلوم کے پیسے ہوتے تھے۔ وہ جس جگہ پر دارالعلوم کے پیسے

رکھتے تھے اسی جگہ ان کے ان کے اپنے پیسے بھی ہوتے تھے۔اس الماری کو انہو ں نے چھوٹا سا تالا لگایا ہوا تھا۔ایک دن تہجد کے لیے اٹھے تو دیکھا کہ چور آیا ہوا ہے اور وہ اس تالے کو توڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔جبکہ یہ اللہ کے ایسے بندے تھے کہ وضو کر کے نفل پڑھنے میں لگ گئے اور وہ تالا توڑنے کی کوشش میں لگا رہا۔اس سے تالا ہی نہ ٹوٹا،حتیٰ کہ جب فجر کی نماز کا وقت قریب ہوا تو وہ مصلے سے اٹھ کر آئے اور کہنے لگے:اے بھائی!اگر ساری رات میں تجھ سے یہ تالا نہیں ٹوٹا تو اب کہاں ٹوٹے گا؟ یہ سن کر چور نے سمجھا کہ اب گھر والے جاگ گئے ہیں،چنانچہ وہ بھاگ گیا۔

اس کے بعد انہوں نے مسجد میں پہنچ کر نماز پڑھی......ان کا تکیہ کلام تھا ''اللہ کے فضل سے'' یعنی جب وہ کوئی بات کرتے تو وہ کہتے:اللہ کے فضل سے، اللہ کے فضل سے......وہ نماز پڑھ کر امام صاحب سے کہنے لگے:حضرت!آج تو اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہو گیا۔امام صاحب اس کی بات سن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے:کیا کہہ رہے ہو؟ کہا:آج تو اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہو گیا۔ انہوں نے کہا:کیا مطلب؟ پھر انہوں نے رات کو پیش آنے والا واقعہ سنایا۔ امام صاحب نے واقعہ سن کر کہا کہ جب تم اٹھ گئے تھے تو تمہیں چاہیے تھا کہ پہلے ہی چور کو بھگا دیتے۔تم نے اسے اسی وقت کیوں نہ بھگا دیا؟ یہ اس کی بات سن کر ناراض ہو کر کہنے لگے:

''میں اپنے مال کی پوری پوری زکوٰۃ دیتا ہوں،ممکن ہی نہیں تھا کہ چور میرے تالے کو توڑ کر چوری کر سکتا،میرا مال میرے اللہ کی حفاظت میں ہے''۔

اللہ کی ایک نیک بندی رابعہ بصریہ رحمہا اللہ سوئی ہوئی تھیں۔ان کے کمرے

میں ایک چور آیا اور ان کی چادر اٹھا کر بھاگنے لگا۔ بھاگتے ہوئے اسے چکر سا آیا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آ گیا۔ اس نے گھبرا کر چادر وہیں پھینک دی۔ جب اس نے چادر پھینک دی تو اسے دروازہ نظر آیا۔ پھر جب دروازے کی طرف بھاگا تو اسے آواز آئی:

''اگر ایک دوست سویا ہوا ہے تو دوسرا دوست جاگ رہا ہے''۔

(تذکرۃ الاولیاء: ص۱۰۱)

اگر بندے نے اللہ سے ایسا تعلق بنایا ہوا ہو تو کیا اسے کوئی آدمی نقصان پہنچا سکتا ہے؟ کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بندے کو یقین ہو جائے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے میرا مال میرے اللہ کی حفاظت میں آ جائے گا تو پھر بندے کو کوئی پریشانی ہی نہیں ہوتی۔

حرام مال سے اولاد کے نافرمان ہونے کا یقین:

اگر بندے کو یہ یقین ہو جائے کہ اگر میں حرام مال کماؤں گا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں میری اولاد کو نافرمان بنا دے گا، تو کیا کوئی حرام مال کے قریب جائے گا؟ ہرگز نہیں جائے گا۔ یہ ایک عام دستور ہے کہ جو بندہ بھی حرام کماتا ہے اس کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اولاد یا بیوی وغیرہ کو نافرمان بنا دیتے ہیں۔ اگر یہ پکا یقین ہو تو کوئی کیوں حرام کمائے؟ بھئی! اگر تر لقمے کھانے کے بجائے ہم خشک روٹی کھالیں گے تو کم از کم اولاد تو اپنی فرمانبردار بنے گی۔ لوگ اس بات کا خیال ہی نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کروڑوں پتی بن جاتے ہیں، لیکن گھر کا سکون لٹ جاتا ہے۔ اولاد بات ہی نہیں سنتی۔ بچے اپنے باپ سے اس طرح نفرت کرتے ہیں جیسے کوئی پاپ سے نفرت کیا کرتا ہے۔ اس حرام کمائی کا

کیا فائدہ کہ انسان اپنی اولاد کو نافرمان بنا بیٹھے۔

سود سے مال ناپاک ہونے کا یقین:

اگر بندے کو یہ یقین ہو کہ سود کا کام کرنے سے میری اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک جنگ شروع ہو جائے گی اور میرا مال ناپاک ہو جائے گا تو کوئی بندہ بھی سود کا کام نہیں کرے گا۔ وہ بھاگ بھاگ کر سود پر قرضے نہیں لے گا۔ وہ ہر صورت میں سود سے بچنے کی کوشش کرے گا۔ قرآن مجید نے صاف کہہ دیا ہے کہ اگر تم سود سے نہیں بچو گے:

﴿فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ﴾ (البقرة:۲۷۹)

''تو تم اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ''

لیکن اس کو ہم بہت ہی معمولی سی چیز سمجھتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ بندے کا یقین کمزور ہوتا ہے۔

موت کا یقین:

اگر بندے کو یہ یقین ہو کہ میری موت کا وقت متعین ہے، لہٰذا میں وقت آنے پر مروں گا، تو وہ موت سے نہیں ڈرے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہمارے دیگر اکابر کو اس بات کا پکا یقین تھا۔ لہٰذا وہ موت سے نہیں ڈرتے تھے۔ شاید موت ان سے ڈرتی تھی۔ وہ بالکل نہیں گھبراتے تھے۔ علامہ اقبال نے کہا:

تھے ہمیں ایک تیرے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے صحراؤں میں

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں جہاں دشمن کا سب سے زیادہ رش دیکھتا تھا، وہاں جاتا تھا۔

ایک آدمی نوویں منزل سے پکی سڑک پر آگرا اور محفوظ رہا۔ ایک دو دن تک لوگ اس کی طبیعت کے بارے میں آکر پوچھتے رہے۔ وہ اسے کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نئی زندگی دے دی ہے۔ وہ بھی بڑا خوش تھا۔ تیسرے دن اسے ایک دوست ملنے آیا اور کہنے لگا: یار! تمہیں نئی زندگی ملی ہے، ہمیں مٹھائی تو کھلاؤ۔ اس نے کہا: یہ ہمارے گھر کے سامنے مٹھائی کی ایک بہترین دکان ہے، میں وہاں سے لے آتا ہوں۔ چنانچہ وہ بیٹھک سے گھر میں گیا، تاکہ پیسے لے کر مٹھائی لے آئے۔ گھر والوں نے فرش دھویا ہوا تھا۔ فرش پر اس کا پاؤں پھسلا اور وہیں اس کی موت آگئی...... وہ نوویں منزل سے گرا تو اس وقت محفوظ رہا، کیوں کہ ابھی موت کا وقت نہیں آیا تھا، اور جب وقت آیا تو فرش سے پاؤں پھسلا اور وہیں اس کی موت آگئی۔

عزت اور ذلت ملنے کا یقین:

اسی طرح مومن کے دل میں پکا یقین ہوتا ہے کہ مجھے عزت اللہ تعالیٰ نے دینی ہے۔ اور اگر یہ یقین ہو کہ مجھے عزت مال کی وجہ سے ملے گی تو پھر وہ Buy hook & By crook (ہر جائز ناجائز طریقے سے) مال کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، لیکن یاد رکھیں کہ عزت اور ذلت اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (المنافقون: ٨)

''عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ﴾ (آل عمران: ٢٦)

''اور (اے اللہ!) آپ جسے چاہتے ہیں عزت دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں ذلت دیتے ہیں''

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ایک خط لکھا کہ آپ ماں کا درجہ رکھتی ہیں، لہٰذا آپ مجھے کوئی نصیحت کیجیے۔ انہوں نے اس کے جواب میں بہت ہی پیاری نصیحت کی، فرمایا:

''اگر تم لوگوں کی خوشی کی خاطر اللہ کو ناراض کرو گے تو اللہ ان لوگوں کے دلوں میں تمہارا بغض پیدا کر دیں گے اور یہ اندر سے تمہارے دشمن بن جائیں گے اور اگر تم اللہ کی رضا کے لیے لوگوں کو ناراض بھی کر بیٹھو گے تو اللہ لوگوں کے دلوں میں تمہاری محبت ڈال دیں گے اور وہ اندر سے تم سے محبت کرنے لگ جائیں گے'' (ترمذی: ج ۴ ص ۶۰۹، حدیث: ۲۴۱۴)

یقین کے درجات

یقین کے مختلف درجات ہیں:

(1) علم الیقین (2) عین الیقین (3) حق الیقین

علم الیقین کا مطلب یہ ہے کہ علم کی حد تک انسان کو یقین ہو کہ یہ ایسے ہے۔ عین الیقن سے مراد یہ ہے کہ وہ آنکھ سے بھی دیکھ لے۔ اور حق الیقین سے مراد یہ ہے کہ بندے پر اس چیز کی حقیقت کھل جائے۔ مثال کے طور پر......

✪ اگر آپ مکہ مکرمہ میں ہیں اور آپ کو ٹھنڈی ہوا لگے تو ٹھنڈی ہوا کے لگتے ہی آپ کو علم الیقین حاصل ہو جاتا ہے کہ کہیں بارش ہوئی ہے۔ پھر اس کے بعد آپ طائف کی طرف سے بادل آتے دیکھتے ہیں تو آپ کو عین الیقین بھی نصیب ہو جاتا ہے کہ ہاں طائف میں بارش ہوئی ہوگی اور وہاں سے یہ بادل مکہ مکرمہ آرہے ہیں اور یہ ٹھنڈی ہوا وہیں سے آرہی ہے۔ پھر وہ بادل آپ کے اوپر برسنے لگ گئے تو آپ کو اب حق الیقین حاصل ہو گیا۔

✪ سردی میں آپ ٹھٹھرتے ہوئے گھر واپس آئے ہیں۔ بیوی کہتی ہے کہ میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔تو آپ کو یہ علم الیقین ہوتا ہے کہ یہ گرم چائے لائے گی۔ پھر اس نے چائے لا کر آپ کے سامنے ٹیبل پر رکھ دی اور آپ نے اس میں سے بخارات اٹھتے ہوئے دیکھے، اس کو عین الیقین کہتے ہیں۔یعنی آپ کو آنکھ کے ذریعے محسوس ہو گیا کہ چائے بڑی گرم ہے۔اور جب آپ نے چائے کا کپ اٹھا کر اپنے منہ سے لگا لیا، اسے حق الیقین کہیں گے۔

✪ اسی طرح ایک آدمی اس بات پر علم الیقین رکھتا ہے کہ اگر کوئی زہر کھا لے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔اور اگر کسی کو اپنی آنکھوں کے سامنے زہر سے مرتے دیکھے تو اسے عین الیقین کہتے ہیں۔اور اگر کوئی خود زہر کھائے تو اسے حق الیقین کہیں گے۔

انبیائے کرام کو آخرت کے معاملات میں حق الیقین حاصل ہوتا ہے، اولیائے کرام کو آخرت کے معاملات میں عین الیقین حاصل ہوتا ہے۔اور عوام الناس کو اس معاملہ میں علم الیقین حاصل ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی صحبت کی برکت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حق الیقین نصیب تھا۔ اسی لیے حضرت

عامر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر جنت اور جہنم میرے سامنے آجائیں تو میرے یقین میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہ ہو، کیونکہ میں بن دیکھے ان پر اتنا یقین رکھتا ہوں۔ (الرسالۃ القشیریۃ: ص ۸۳، احیاء علوم الدین: ۳۳۲۱)

اولیائے کاملین کا یقین:

اولیائے کاملین سے جو کرامات سرزد ہوتی ہیں ان کی بنیادی وجہ بھی قوت یقین ہوتی ہے۔ ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک گمان ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے گمان کے مطابق معاملہ فرما دیتے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر ساری مخلوق کو میرا کنبہ بنا دیا جائے اور ساری زمین کو تانبے کا بنا دیا جائے اور آسمان سے ایک قطرہ بھی پانی کا نہ گرے تو مجھے پھر بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اس کنبے کو رزق عطا فرما دے گا۔

ایک بند پتھر...... کیڑے کا گھر:

ہمارے ایک دوست سوات کی سیر کے لیے گئے۔ انہیں وہاں پہاڑ پر ایک خوبصورت گول سا پتھر نظر آیا۔ ان کی بیوی کہنے لگی کہ اس کا کلر ہمارے ڈرائنگ روم کے پینٹ کے ساتھ میچ کرتا ہے، لہٰذا اس کو لے جاتے ہیں اور اسے ڈرائنگ روم میں ڈیکوریشن پیس کے طور پر رکھیں گے۔ چنانچہ وہ اسے اٹھا کر لے آئے اور ڈرائنگ روم میں سجا دیا۔

وہ پتھر ان کے گھر میں دو سال تک رہا۔ ایک مرتبہ ان کی بیوی ڈرائنگ روم کی صفائی کر رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ میں پتھر کو بھی صاف کر دیتی ہوں۔ چنانچہ اس نے جیسے ہی وہ پتھر اٹھایا، گر گیا۔ فرش کے ساتھ ٹکرا کر اس کے دو

ٹکڑے ہو گئے۔ہم نے دیکھا کہ اس پتھر کے بالکل وسط میں ایک خلا تھا۔جس میں ایک کیڑا تھا۔وہ کیڑا ابھی زمین پر گرا اور اس نے چلنا شروع کر دیا۔ ؎

تو نے پتھر میں کیڑے کو پالا
خشک مٹی سے سبزہ نکالا

جو پروردگار اس کیڑے کو بند پتھر کے اندر رزق پہنچا دیتے ہیں، وہ ایک آدمی کو اس دنیا کے اندر رزق کیوں نہیں عطا فرمائیں گے؟ کتنی عجیب بات ہے کہ بندے کا پیٹ دو روٹیوں سے بھی بھر جاتا ہے۔اس کا پیٹ ہاتھی کے پیٹ کی طرح تو نہیں ہے کہ اسے ٹنوں کے حساب سے چارہ کھانا پڑے۔کوئی وہیل مچھلی کے پیٹ کی طرح تو نہیں ہے کہ اسے ٹنوں کے حساب سے خوراک کی ضرورت ہو۔پیٹ تو اتنا چھوٹا ہے کہ دو روٹیوں سے بھی بھر جائے، لیکن خدا پر یقین پھر بھی نہیں ہے۔کتنی عجیب بات ہے کہ پرندے روزانہ خالی پیٹ اپنے گھونسلوں سے نکلتے ہیں اور اللہ ان کو پیٹ بھرے واپس پہنچا دیتا ہے، جبکہ یہ انسان روزانہ پیٹ بھر کر گھر سے نکلتا ہے، لیکن خالی پیٹ اپنے گھر واپس آجاتا ہے۔ ؎

پلے رزق نہ بنہدے پکھو تے درویش
جنہاں تقیہ رب دا انہاں رزق ہمیش

جو اللہ پر توکل کرتے ہیں اللہ ان کو ہمیشہ رزق عطا فرما دیتے ہیں۔اگر یقین ہو تو انسان روزی کے لیے کیوں جھوٹ بولے، کسی کا مال کیوں غبن کرے، کیوں چوری کرے، اپنی اس روزی کی خاطر اپنی آخرت کیوں برباد کرے۔روزی تو اللہ نے ہر حال میں دینی ہے۔ان سب چیزوں کا تعلق یقین سے ہے۔جب یقین ٹھیک ہو جائے گا تو پھر ان کے لیے یہ سب چیزیں آسان ہو جائیں گی۔

کھانے والے کا سفر......رزق کی طرف:

بہت عرصہ پہلے کی بات ہے کہ ایک مرتبہ مجھے لاہور سے خانیوال جانا تھا۔ میں نے ڈرائیور سے رات کو ہی کہہ دیا کہ تم رات کو اپنی نیند پوری کر لینا اور دن کو فریش ہو کر ڈرائیو کرنا۔ نئی گاڑی تھی۔ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر اپنی فائل پڑھنے لگا۔ ملتان روڑ اس وقت کافی کھلا تھا۔ چنانچہ ڈرائیور گاڑی کو تیز تیز بھگا رہا تھا۔ اس نے ایک جگہ پر اچانک بریک لگائی۔ مجھے ایسے لگا جیسے گاڑی کسی چیز سے ٹکرائی ہے، مگر بچ گئے۔ میں نے پوچھا: کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا: سر! ایک کتا آگے آ گیا تھا، میں نے اسے بچانے کی بڑی کوشش کی، لیکن لگتا ہے کہ وہ لگ گیا ہے۔ میں نے کہا کہ لگتا ہے کہ تو نے رات کو نیند پوری نہیں کی...... گرمی کے موسم میں صبح کے وقت بھی خوب نیند آتی ہے...... اس نے کہا: جی نہیں! میں رات کو سویا تھا، اب ٹھیک ہوں۔ میں نے اسے کہا کہ جہاں آگے چائے کا ہوٹل آئے تو تم گاڑی روکنا، وہاں سے میں آپ کو ڈرائیور چائے کا ایک کپ پلاؤں گا، تاکہ تمہاری آنکھیں کھلیں۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔

وہ 120 کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے گاڑی بھگاتا رہا۔ 35 کلو میٹر کے بعد ایک ریسٹورنٹ آیا۔ وہاں اس نے گاڑی روکی۔ میں نے اسے کہا کہ جا کر چائے کا کپ پیو۔ پھر میرے دل میں خیال آیا کہ بالکل نئی گاڑی ہے، پتہ نہیں کہ اس میں کیا چیز لگی ہے، کوئی ڈینٹ بھی پڑا ہوگا، نہ جانے کتنا نقصان ہوا ہے۔ میں ذرا دیکھوں تو سہی۔ چنانچہ میں نے باہر نکل کر جب آگے کی طرف دیکھا تو حیران ہو گیا کہ گاڑی کے آگے بمپر پر ایک کتا بیٹھا ہوا تھا۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ یہ یہاں کیسے بیٹھا۔ تو پھر میرے ذہن میں خیال آیا کہ ادھر ڈرائیور نے

بریک لگائی اور ادھر کتے نے چھلانگ لگائی۔ وہ بالکل بمپر کے اوپر آ کر لگا ہوگا اور وہ وہیں بیٹھ گیا، اور چونکہ گاڑی چل رہی تھی اس لیے وہ وہیں قابو ہو کر بیٹھ گیا۔ اب 35 کلومیٹر کے بعد آ کر گاڑی رکی۔ جب اس نے مجھے دیکھا کہ کوئی بندہ قریب آ رہا ہے تو وہ بمپر سے نیچے اتر گیا۔ ہوٹل والوں نے وہاں رات کے کھانے کی بچی ہوئی ہڈیوں کا ڈھیر لگایا ہوا تھا۔ اس نے وہاں جا کر ہڈیاں کھانا شروع کر دیں۔

میں نے ڈرائیور سے کہا: اب مجھے اصل بات سمجھ آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتے کا رزق 35 کلومیٹر دور رکھا ہوا تھا اور اسے لفٹ کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو گاڑی پر لفٹ عطا کر دی۔ اور اتنی مسافت پر اسے اپنے رزق تک پہنچا دیا۔

رزق کا سفر......کھانے والے کی طرف:

ہمارے ایک دوست گوجرانوالہ میں رہتے تھے۔ وہ کوئٹہ میں ملازمت کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے ایک عزیز کی شادی کے سلسلہ میں گھر واپس آنا تھا۔ فلائیٹ میں ابھی دو گھنٹے رہتے تھے۔ ان کا سات آٹھ سال کا بچہ گھر میں چنے کھا رہا تھا...... بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ نئی نئی حرکتیں کرتے رہتے ہیں ...... وہ چنے کا ایک دانہ لیتا اور اسے اوپر کی طرف پھینک دیتا اور پھر منہ کے ذریعے اسے کیچ کرتا۔ کبھی ادھر پھینک کر کیچ کرتا اور کبھی ادھر پھینک کر کیچ کرتا۔ وہ اسی طرح کھیل میں لگا ہوا تھا۔ اللہ کی شان کہ جب ایک دفعہ اس نے دانہ پھینکا تو کیچ کرتے ہوئے منہ کے بجائے ناک میں چلا گیا۔ اب اس نے جلدی سے ناک میں انگلی ڈالی تو دانہ اور اندر چلا گیا۔ اس نے چھوٹی بہن کو بلایا اور کہا کہ یہ

دانہ نکال دو۔ اس نے بھی نکالنے کی کوشش میں دانے کو اچھی طرح آگے تک پہنچا دیا۔ وہ پریشان ہوکر رونے لگا۔ اس نے اپنی امی کو بتایا تو اس نے کہا کہ تمہارے ابو نے تمہیں کہا تھا کہ تم شرارتیں نہ کیا کرو، اب اپنی شرارت کی سزا بھگتو۔

جب میاں گھر آئے تو بیوی نے کہا کہ بچے کی ناک میں ایک دانہ پھنس گیا ہے اور یہ رو رہا ہے، اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔ اس نے بھی یہی کہا کہ اس نے شرارت کی ہے، لہٰذا اب یہ مزہ بھی چکھ لے، اگر میں اسے یہاں کسی ڈاکٹر کے پاس لے گیا تو فلائیٹ لیٹ ہو جائے گی، آپ اس سے کہیں کہ اگر اتنا وقت پہلے گزار لیا ہے تو دو گھنٹے اور صبر کر لے، میں اسے گوجرانوالہ میں فلاں کزن کے پاس لے جاؤں گا اور وہاں سے یہ نکلوادوں گا۔ چنانچہ وہ سب جہاز کے ذریعے لاہور پہنچ گئے اور وہاں سے ایک گھنٹہ بعد گوجرانوالہ پہنچ گئے۔

گھر پہنچنے کے بعد اب وہ سب سے پہلے اپنے کزن کے پاس بچے کو لے گئے۔ وہ نہا رہے تھے۔ اور ان کی بیوی نے کہا: آپ بیٹھیں اور میں آپ کے لیے چائے بناتی ہوں۔ سردیوں کا موسم تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں اندر بیٹھنے کے بجائے باغیچے میں ہی بیٹھ جاتا ہوں۔ چنانچہ وہاں دو کرسیاں پڑی تھیں، وہ وہیں بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر صاحب ابھی نہا رہے تھے۔ اور ان کی بیوی چائے بنا رہی تھی۔ وہاں بیٹھے بیٹھے بچے کو اچانک چھینک آئی۔ اس زوردار چھینک سے وہ دانہ نیچے زمین پر گرا اور قریب ہی ان کی ایک مرغی پھر رہی تھی، اس مرغی نے لپک کر وہ دانہ کھالیا۔

اصل میں وہ دانہ مرغی کے مقدر میں تھا اور کوئٹہ میں پڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ دانہ اس بچے کی ناک میں ڈال کر گوجرانوالہ میں پہنچا دیا۔ حدیث پاک میں آیا

ہے کہ اگر کسی انسان کا گھر پہاڑوں کے دامن میں ہے تو جب تک وہ پانی کا آخری قطرہ پی نہیں لے گا اس وقت تک اس کو موت نہیں آئے گی۔ جس طرح موت انسان کی تلاش کرتی ہے اسی طرح اس کا رزق بھی اس کو تلاش کرتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ رزق پہلے ملتا ہے اور موت اس کے بعد آتی ہے۔ اگر یہ یقین حاصل ہو جائے تو پھر انسان حرام کے بارے میں کیوں سوچے گا؟ یہ یقین کی کمزوری ہے کہ انسان حرام کے پیچھے بھاگا پھر رہا ہوتا ہے۔

جوتے کھا کر رزق کھانے والا:

دیہات میں کسی مولانا صاحب نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ بندے کو رزق کھلاتے ہیں۔ ایک نوجوان نے یہ سن کر دل میں یہ بات ٹھان لی کہ میں نہیں کھاتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ رزق کس طرح کھلاتے ہیں۔ چنانچہ اگلے دن اس نے بھوک ہڑتال کر دی، لیکن ماں بیچاری تو ماں ہوتی ہے۔ اس نے پراٹھا بنایا اور سالن کے علاوہ مکھن اور چینی بھی ساتھ رکھ دی۔ اس نے بیٹے سے کہا: بیٹا! کھالو۔ بیٹے نے کہا: نہیں! میں نہیں کھاتا۔ وہ منت سماجت کرتی رہی ،لیکن وہ کہتا رہا کہ میں نہیں کھاتا۔ جب اس نے بار بار کھانے کو کہا تو یہ تنگ آ کر گاؤں سے باہر درختوں کے جھنڈ میں جا کر لیٹ گیا اور یہی سوچتا رہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آج مجھے کیسے کھلاتے ہیں۔ ماں بے چاری پیچھے پیچھے کھانا لے کر گئی اور اس کے قریب رکھ کر واپس آ گئی۔

اب کھانا بھی پڑا تھا اور وہ بھی لیٹا ہوا تھا۔ جب اسے کھانے کی خوشبو آنے لگی تو وہ وہاں سے اٹھ کر آگے تیس چالیس فٹ کے فاصلے پر لیٹ گیا، تا کہ مجھے کھانے کی خوشبو بھی نہ آئے۔

وہاں اردگرد کے کچھ ڈاکو تھے جو اس جگہ پر اکٹھے ہو کر اپنی پلاننگ بناتے تھے، کیونکہ انہیں وہ محفوظ جگہ نظر آتی تھی۔ وہ دوپہر کے وقت آ کر وہاں بیٹھ گئے۔ اب ان کو بھی سالن کی خوشبو آئی تو وہ کہنے لگے: یار! لگتا ہے کہ کہیں کھانا پڑا ہوا ہے۔ ایک نے کہا کہ تلاش کرنا چاہیے۔ چنانچہ تلاش کرنے پر انہیں کھانا مل گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ پراٹھا بھی ہے، مکھن بھی ہے اور سالن بھی ہے۔ ان میں سے ایک کہنے لگا کہ آج موج بن گئی کہ کھانا مل گیا۔ ان کا جو بڑا تھا وہ بہت ہی ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے کہا: چپ کرو، مت کھانا، مجھے لگتا ہے کہ کسی بندے نے ہمیں مارنے کے لیے اس میں زہر ملایا ہوا ہے، اور اگر کسی نے ملایا ہے تو دیکھو، وہ کہیں نہ کہیں قریب چھپا ہوا ہوگا۔ جب انہوں نے ادھر ادھر سے ڈھونڈنا شروع کر دیا تو دیکھا کہ وہ صاحب ایک جگہ لیٹے ہوئے تھے۔

انہوں نے اسے بالوں سے پکڑ لیا اور کہا: اوئے! تم نے اس کھانے میں زہر ملایا ہے؟ اس نے کہا: نہیں! میں نے تو نہیں ملایا۔ انہوں نے کہا: پھر تم نے یہ کھانا یہاں کیوں رکھا ہے؟ لگتا ہے کہ تو ہمارے ساتھ کوئی مکر کر رہا ہے۔ انہوں نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ اسی کو پہلے کھانا کھلایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اسے کھانا کھانے کو کہا تو وہ کہنے لگا: جی! میں نہیں کھاتا۔ اب ان کو پکا یقین ہو گیا کہ اس میں زہر ہے۔ انہوں نے پھر کہا کہ پہلے کھاؤ۔ اس نے پھر وہی جواب دیا۔ ان کے بڑے نے کہا کہ اسے دو جوتے لگاؤ، پھر کھائے گا۔ لو اب اسے جوتے بھی رسید ہونا شروع ہو گئے، لیکن وہ کھانا کھانے سے انکار ہی کرتا رہا۔ جب بے حد وحساب جوتے لگنے لگے تو کہنے لگا: جی! معاف کر دیں، میں کھاتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے ان کو پورا واقعہ بھی سنایا اور ان کے ساتھ مل کر روٹی بھی کھائی۔ پھر انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ جب اس کی اچھی خاصی مرمت ہوئی تو

اس کے جسم پر جوتوں کے نشان پڑ گئے اور بے چارہ دردوں کے ساتھ گھر واپس آیا۔ ماں اس کی یہ حالت دیکھ کر خاموش ہوگئی۔

اب اسے اگلے جمعہ کا انتظار تھا۔ اگلے جمعہ کے دن مولانا صاحب نے پھر تقریر کی کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں انسان کا رزق پہنچاتے ہیں۔ جب وہ بیان اور نماز کے بعد فارغ ہوئے تو یہ مولانا صاحب کے پاس جا کر کہنے لگا: مولانا! آپ ادھورے مسئلے بیان نہ کیا کریں۔ انہوں نے کہا: میں تو پورے مسئلے بیان کرتا ہوں۔ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ وہ کہنے لگا کہ آپ نے پچھلی دفعہ کہا تھا کہ جس کا رزق ہو اللہ تعالیٰ اس کو پہنچا کے رہتے ہیں۔ انہوں نے کہا: ہاں! یہ پوری بات تو ہے۔ وہ کہنے لگا: جی نہیں! یہ پوری بات نہیں ہے، پورا مسئلہ یہ ہے کہ جس کا رزق ہو اللہ اس کو پہنچا کے رہتے ہیں اور جو رزق نہ کھانا چاہے، اللہ تعالیٰ اس کو جوتے مار مار کے کھلاتے ہیں۔

اللہ پر یقین کرنے کا انعام:

ہمارے ایک دوست ہیں، وہ کاروبار کرتے ہیں اور کروڑوں پتی آدمی ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ میں نوکری کرتا تھا۔ ریٹائرمنٹ کے وقت میرے پاس ایک لاکھ روپیہ تھا۔ میں نے اس رقم سے کاروبار کرنے کی کوشش کی، لیکن میرا پارٹنر دھوکے سے ایک لاکھ روپیہ بھی لے گیا۔ اس کے بعد میرے پاس کچھ بھی نہ بچا۔ میں بہت پریشان ہوا۔ بالآخر ایک اللہ والے کے پاس گیا۔ میں نے ان کو سارا واقعہ سنا کر پوچھا: حضرت! اب میں کیا کروں؟ انہوں نے مجھ سے سوال پوچھا: رزق کون دیتا ہے؟ میں نے کہا: اللہ۔ انہوں نے فرمایا کہ جب رزق اللہ دیتا ہے تو پھر پریشان کیوں ہو؟ اللہ تمہیں اب بھی دے گا۔ البتہ ایک بات ذہن میں

رکھو کہ دل میں یہ نیت کرلو کہ میں نے کسی کے ساتھ برا سلوک نہیں کرنا، البتہ اگر کوئی میرے ساتھ برا کرے گا تو میں اللہ کے لیے اسے معاف کردوں گا۔ وہ کہنے لگے: میں نے دل میں یہ نیت کرلی اور معمولی سا کام کرنا شروع کردیا، میرے مولا نے اتنی برکت دی کہ دس سال گزرنے سے پہلے اللہ نے مجھے کروڑوں پتی بنادیا۔

مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا اللہ پر یقین:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی تو انہوں نے اس کے اصولِ ہشت گانہ میں سے ایک اصول یہ لکھا کہ ہم دارالعلوم کے لیے مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ قبول ہی نہیں کریں گے۔ لوگوں نے پوچھا: کیوں؟ فرمایا: اس لیے کہ کہیں اللہ کی نظر ہم سے ہٹ نہ جائے اور اللہ کی مدد رک نہ جائے۔ ہمارے اکابر اللہ کی ذات پر اس طرح یقین اور بھروسہ رکھتے تھے اور ان کے اسی یقین کی بدولت اللہ تعالیٰ ان کو یہ سب نعمتیں عطا فرماتے تھے۔ دیکھیں کہ بیوی خاوند پر بھروسہ کرتی ہے، بیٹا باپ پر بھروسہ کرتا ہے، دوست اپنے دوست پر بھروسہ کرتا ہے، شاگرد استاد پر بھروسہ کرتا ہے، حتیٰ کہ دنیا میں سب کسی نہ کسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ او غیر پر بھروسہ کرنے والو! تم اللہ پر بھروسہ کیوں نہیں کرتے؟ ؎

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

اللہ کی ذات پر یقین اور بھروسہ کرلیجیے۔ جو بندہ اللہ کی ذات پر یقین کرلیتا ہے، اللہ اس بندے کے یقین کو ہمیشہ سچ کر دکھاتے ہیں۔

ام موسیٰ علیہا السلام کا اللہ پر یقین:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ عورت زاد ہے...... عورت کا دل چھوٹا ہوتا ہے، وہ جلدی سے گھبرا جاتی ہے اور پھر بیٹے کے معاملے میں اس کا دل اور زیادہ چھوٹا ہوتا ہے۔ وہ اس کے بارے میں کسی دوسرے پر یقین نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو ان کے بیٹے کے بارے میں آزمایا۔ سنیے قرآن عظیم الشان!

﴿وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ﴾ (قصص:۷)

''اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ آپ اپنے بچے کو دودھ پلائیے، اور اگر آپ کو اس کے بارے میں ڈر لگے تو پھر اس کو پانی میں ڈال دینا''

اب عورت سوچ میں پڑسکتی ہے کہ یا اللہ! اگر آپ میرے بچے کو بچانا ہی چاہتے ہیں تو فرعون کی پولیس میں سے کوئی ادھر ہی نہ آئے، اگر آپ میرے بچے کو بچانا ہی چاہتے ہیں تو میں اسے کسی غار میں چھوڑ آتی ہوں اور کوئی بندہ وہاں جا ہی نہ سکے، مگر اللہ تعالیٰ نظر کے خلاف کروانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بندہ اپنے مشاہدے کو توڑ دے۔ چنانچہ فرمایا کہ تم اسے پانی میں ڈال دینا۔ اس کے ساتھ یہ بھی فرمادیا:

﴿فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ﴾ (طٰہٰ:۳۹)

''(دریا) اسے کنارے لگادے گا اور اسے وہ پکڑے گا جو میرا بھی دشمن ہوگا اور اس بچے کا بھی دشمن ہوگا''

یااللہ! اسی دشمن سے تو بچانا ہے اور آپ الٹا اسی کے پاس پہنچا رہے ہیں، مگر فرمایا:

﴿وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (القصص: ۸)

''اور خوف بھی نہ کھانا اور ڈرنا بھی نہیں، ہم اسے تمہارے پاس واپس لوٹائیں گے اور ہم نے اسے رسولوں میں سے بنانا ہے''

اس عورت زاد نے اللہ کے وعدے پر یقین کرلیا اور اپنے بیٹے کو ایک صندوق میں ڈالا اور پھر صندوق کو پانی میں ڈال دیا۔ اب عقل یہ کہتی ہے کہ تمہارا بچہ نہیں ملے گا۔ اگر صندوق میں ہوا کے لیے سوراخ رکھیں تو اس میں سے پانی اندر جائے گا اور بچہ ڈوب کر مر جائے گا اور اگر پانی روکنے کے لیے اسے بند ہی رہنے دیا جائے تو ہوا بند ہو جائے گی اور بچہ دم گھٹنے سے مر جائے گا، تیرا بچہ کسی صورت میں نہیں بچ سکے گا۔ آنکھ یہ دیکھ رہی تھی، مگر اس ماں نے اللہ کے وعدے پر بھروسہ کرلیا اور اپنے بیٹے کو صندوق میں بند کر کے پانی میں ڈال دیا اور گھر آ گئی۔

پانی کا بہاؤ فرعون کے محل کی طرف تھا۔ چنانچہ صندوق نے اس کے محل کی طرف بہنا شروع کر دیا۔ اس وقت فرعون اپنی بیوی بی بی آسیہ رحمۃ اللہ علیہا کے ساتھ دریا کی سیر کے لیے محل سے باہر نکلا ہوا تھا۔ اس وقت اس کے اردگرد آٹھ سو غلام موجود تھے۔ ان میں سے ایک غلام نے وہ صندوق دیکھا اور اسے پکڑ کر فرعون کے پاس لے آیا۔ فرعون نے اسے کھولنے کا حکم دیا۔ جب صندوق کو کھولا گیا تو اندر سے بچہ نکلا۔ جب فرعون کی بیوی نے بچے کو دیکھا تو اس کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ وہ کہنے لگیں:

﴿لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ (القصص:۹)

''اس کو قتل نہیں کرنا، ہوسکتا ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں''

جب اس کی بیوی نے کہا تو فرعون اس کی بات مان گیا، کہنے لگا: ٹھیک ہے، اس کو قتل نہیں کرواتے......اب اندازہ کریں کہ عورتیں کہتی ہیں کہ بیویوں کی بات کوئی نہیں مانتا، ارے! بیویوں کی بات تو بڑے بڑے فرعون بھی مانتے ہیں۔ یہ ہوم گورنمنٹ ایسی ہوتی ہے کہ مانے بغیر گزارا ہی نہیں ہوتا۔ وہ ہزاروں بچوں کو قتل کروا چکا تھا اور یہاں بیوی کہتی ہے کہ اس کو قتل نہیں کرنا اور وہ کہتا ہے کہ ٹھیک ہے میں اس کو قتل نہیں کرواتا...... دراصل اس کے دماغ نے اس کو دھوکہ دیا۔ اس نے ذہن میں سوچا کہ میرا بیٹا ہوگا۔ اسکی عقل نے کہا: ہاں! ٹھیک ہے۔ چنانچہ بچے کو لے کر وہ گھر چلا گیا اور اسے اپنا بیٹا بنا کر پورے شہر میں اعلان کردیا، اس زمانے میں ڈبے کا دودھ تو نہیں ہوتا تھا کہ فیڈر دیکر جان چھوٹ جاتی۔ عورتیں دودھ پلاتی تھیں۔ چنانچہ ایک عورت کو دودھ پلانے کے لیے بلایا گیا، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾ (القصص:۱۲)

''اور ہم نے پہلے سے حرام کر دیا اس پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ''

بچے نے دودھ ہی نہ پیا۔ اس نے رونا شروع کر دیا...... بچے کا رونا بھی ایک بڑی طاقت ہے۔ بچے کے آنسوؤں میں ایسی طاقت ہے کہ بڑے بڑے ہتھیاروں میں بھی وہ طاقت نہیں ہوتی۔ جب بچے کی آنکھوں سے آنسو نکلتے ہیں تو ماں باپ انہیں برداشت نہیں کر سکتے......فرعون بھی بڑا پریشان ہوا۔ وہ کہنے لگا: اور عورتوں کو بلاؤ، اور عورتوں کو بلاؤ۔ چنانچہ ساری رات جاگتے ہوئے گزر

گئی اور بچے نے کسی کا دودھ ہی نہ پیا...... جب نیند نہ آئے تو بندہ ویسے ہی تھکا اور اکتایا ہوا ہوتا ہے۔ جو نائٹ ڈیوٹی کرتے ہیں ان کو اچھی طرح پتہ ہوتا ہے۔ ایسے بندے کا جی چاہتا ہے کہ یہ مصیبت ختم ہو اور میں بھی سوؤں...... خدائی کا دعویٰ کرنے والا وہ بدبخت بھی نیند نہ آنے کی وجہ سے اکتایا ہوا تھا اور کہتا تھا کہ کوئی آکر دودھ پلائے اور میری جان چھوٹ جائے۔

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کس حال میں تھیں؟...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰى فٰرِغًا اِنۡ كَادَتۡ لَتُبۡدِىۡ بِهٖ لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّبَطۡنَا عَلٰى قَلۡبِهَا﴾ (القصص:۱۰)

''اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے صبح کی بڑے غم کی حالت میں، اگر ہم اس کے دل کو تسلی نہ دے دیتے تو وہ رو بیٹھتی اور راز کو فاش کر بیٹھتی''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بیٹی سے کہا: بیٹی! جاؤ، بھائی کا پتہ کر کے آؤ۔ بہن بھاگ کر گئی اور پتہ چلا کہ میرا بھائی فرعون کے محل میں ہے۔ اس نے جا کر وہاں تماشا دیکھا کہ بچہ دودھ نہیں پی رہا اور فرعون پریشان ہو کر کہہ رہا ہے کہ کسی کو بلاؤ، تا کہ وہ اسے دودھ پلائے۔ جب اس نے یہ منظر دیکھا تو وہ کہنے لگی:

﴿هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰٓى اَهۡلِ بَيۡتٍ يَّكۡفُلُوۡنَهٗ لَـكُمۡ وَهُمۡ لَهٗ نٰصِحُوۡنَ﴾ (القصص:۱۲)

''کیا میں ایسے گھر والوں کے بارے میں بتاؤں جو اس کی کفالت بھی کریں گے اور وہ اس کے بڑے خیر خواہ بھی ہوں گے؟''

کہتے ہیں کہ خیر خواہ کا لفظ سن کر فرعون کو تھوڑا سا شک پڑا۔ چنانچہ وہ اسے پکڑ کر پوچھنے لگا: اے لڑکی! تو کیوں کہہ رہی ہے کہ وہ اس کے بڑے خیر خواہ

ہوں گے؟ وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھی۔ کہنے لگی: جی! ہم آپ کی رعایا ہیں اور ہم آپ کے خیر خواہ نہیں ہوں گے تو اور کون ہوگا؟ یہ سن کر وہ کہنے لگا: ہاں ہاں، بالکل ٹھیک ہے، اچھا جاؤ اور لے آؤ۔ وہ بھاگتی ہوئی گھر آئی اور اپنی امی سے کہا: امی! چلیں بھائی کے پاس چلتے ہیں۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ فرعون کے محل میں پہنچ گئیں۔ انہوں نے بچے کو دودھ پلایا تو اس نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ جب فرعون کو اطلاع ملی کہ بچے نے دودھ پینا شروع کر دیا ہے تو کہنے لگا: بہت اچھا ہوا، اب میں سونے جا رہا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ دو تین دن وہاں رہیں۔ پھر انہوں نے کہا: گھونسلہ اپنا ہونا چاہیے، کچا ہو یا پکا، میں تو اپنے گھر جاتی ہوں، میں یہاں زیادہ دیر نہیں رہ سکتی۔ اب فرعون نے کہا: اب تو ایسے ہی نہ جا، بلکہ بچے کو ساتھ لے جا، تم اسے اپنے ہی گھر میں دودھ پلاتی رہنا، میں دودھ پلانے کی اجرت اور تنخواہ تمہارے گھر بھجوا دیا کروں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (القصص: ۱۳)

''ہم نے اسے لوٹا دیا اس کی ماں کے پاس، تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ دل میں غمزدہ نہ ہو اور وہ جان لے کہ اللہ کے وعدے سچے ہیں، لیکن ان میں سے اکثر لاعلم ہیں''

اکثر لوگ یہ بات نہیں سمجھتے۔ اگر ہمیں بھی اللہ کے وعدوں کے سچے ہونے کا یقین حاصل ہو جائے تو ہماری زندگی بھی پھولوں کی سیج بن جائے۔

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہے تقدیریں
جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
یقین محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

شک سے یقین کا خاتمہ:

قرآن پاک کے شروع میں دیکھیے! اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرۃ: ۲)

''یہ کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں، متقیوں کے لیے ہدایت ہے''

یہ پہلے کیوں کہہ دیا کہ اس میں کوئی شک نہیں؟ ......اس لیے کہ جس طرح سرکے سے شہد فاسد ہو جاتا ہے اسی طرح شک سے انسان کا یقین ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا آخرت کے بارے میں دل میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔ جیسے دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ

''ایہہ جہاں مٹھا، اگلا کیں ونج ڈٹھا''

(یہ دنیا تو میٹھی ہے، آخرت کس نے دیکھی ہے؟)

ان لوگوں کی یہ بات جہالت پر مبنی ہے، کیونکہ نبی علیہ السلام نے اگلا جہاں دیکھا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا ہے اور ہمیں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہنے پر سو فیصد یقین ہے۔ ایک مرتبہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا: کیا آپ مومن ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا ''میں پکا مومن ہوں''

اس میں شک والی بات ہی نہیں ہے۔ شک کو دل میں آنے ہی نہ دیں۔

شک آیا اور ایمان گیا۔

شک انسان کو بہت ہی نقصان دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شک سے بچائے (آمین)۔ جب انسان اپنے دل میں یقین کو پختہ کر لیتا ہے تو اللہ کی طرف سے اس کو فلاح نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایمان والوں کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ارشاد فرمائی:

﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ (البقرۃ:۴)

''اور آخرت پر ان کا پکا یقین ہوتا ہے''

یہ کون لوگ ہوتے ہیں؟

﴿اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (البقرۃ:۵)

''وہ اللہ کی طرف سے ہدایت پر ہوتے ہیں اور ان کو فلاح بھی ملتی ہے''

قرآن کی اس آیت کی تفسیر میں باقی پورا قرآن ہے۔ شروع میں اللہ تعالیٰ نے مقصود بتا دیا کہ یقین والوں کو ہم ہدایت بھی دیتے ہیں اور فلاح بھی دیتے ہیں۔ اور پھر اس کی تفسیر میں اللہ تعالیٰ نے باقی قرآن مجید نازل فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شک سے بچائے اور ہمارے یقین کو کامل کر دے اور اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ان بندوں میں سے بنا دے جو آخرت پر اور اللہ کے وعدوں پر پکا یقین رکھتے ہیں، جو گناہوں سے بچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں زندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (آمین ثم آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اعمالِ صالح اور
یقین کامل کے اثرات

ازافادات

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت مفکرِ اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

ناشر
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
041-2618003

اعمالِ صالحہ اور یقینِ کامل کے ثمرات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَاکَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○﴾

(النحل: ۹۷)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

ہر انسان کی خواہش:

اللہ رب العزت قرآن عظیم الشان میں ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی

''جو کوئی بھی نیک اعمال کرے، مرد ہو یا عورت ہو''

وَھُوَ مُؤْمِنٌ ''اور وہ ایمان والا ہو''

فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً

''ہم ضرور بالضرور اس کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔''

اس آیت مبارکہ میں ایمان اور نیک اعمال کے ساتھ پاکیزہ زندگی ملنے کی خوشخبری مل رہی ہے۔ دنیا کا ہر انسان چاہتا ہے کہ مجھے پاکیزہ زندگی ملے۔ یہ آیت مبارکہ اس راز سے پردہ اٹھا رہی ہے کہ اے کلمہ پڑھنے والو! اگر تم نیک اعمال کو اپنالو، زندگی کو نیکی پر لے آؤ، تو اس کے بدلے میں اللہ رب العزت تمہیں پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔

اعمال کے اثرات

اللہ رب العزت نے اعمال کے اندر طاقت رکھی ہے۔ اعمال کے اندر اثرات رکھے ہیں۔ ہر عمل کے کچھ نتائج اور ثمرات ہوتے ہیں، جو انسان کو ملتے ہیں۔

نماز اور فلاح:

چنانچہ جو انسان اچھے طریقے سے نماز پڑھے، اس کے لیے کامیابی کا وعدہ ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾

(المومنون: ۱،۲)

''تحقیق فلاح پا گئے وہ ایمان والے جو خشوع وخضوع کے ساتھ نماز کو ادا کرتے ہیں''

فلاح کہتے ہیں ایسی کامیابی کو جس کے بعد ناکامی نہ ہو، اللہ رب العزت کے ہاں ایسی عزت کہ جس کے بعد ذلت نہ ہو۔ اور یہ اچھی نماز پڑھنے پر اللہ رب العزت بندے کو عطا فرما دیتے ہیں۔

ذکراور اطمینانِ قلب:

ذکر کرنے پر اللہ کی طرف سے اطمینان قلب ملنے کا وعدہ ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرعد:۲۸)

''جان لو! اللہ کی یاد کے ساتھ دلوں کا اطمینان وابستہ ہے۔''

نہ دنیا سے، نہ دولت سے، نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

تو اللہ کی یاد سے انسان کے دل کو اطمینان ملتا ہے، سکون ملتا ہے، یہ اللہ رب العزت نے وعدہ فرمایا ہے۔

روزہ اور تقویٰ:

روزہ رکھنے پر انسان کو تقویٰ نصیب ہوتا ہے اور تقویٰ ملنے پر اللہ کی طرف سے بندے کے لیے برکتوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ چنانچہ روزے کو فرض کرنے کا جو مقصد بتایا گیا وہ تقوی ہے، فرمایا:

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ:۱۸۳) ''تا کہ تم متقی ہو جاؤ''

اور اس تقویٰ کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (الاعراف:۹۶)

''اگر یہ بستیوں دیسوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ کو اختیار کرتے تو ہم آسمان اور زمین سے ان کے لیے برکتوں کے دروازے کھول دیتے''

ہر بندے کے دل کی تمنا ہے کہ برکتیں نصیب ہوں، میری صحت میں برکت، وقت میں برکت، رزق میں برکت، اولاد میں برکت، دین میں برکت، میرے کاموں میں برکت، تو ہم ہر چیز میں اللہ کی طرف سے برکتیں چاہتے ہیں۔ اگر تقوی بھری زندگی اختیار کریں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم تمھارے اوپر برکتوں کے دروازوں کو کھول دیں گے۔

حج اور مغفرت:

حج کرنے پر انسان کے لیے مغفرت اور وسعت رزق کے وعدے ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((تَابِعُوْا بَیْنَ الْحَجِّ وَ الْعُمْرَۃِ فَاِنَّھُمَا یَنْفِیَانِ الْفَقْرَ وَ الذُّنُوْبَ))

(ترمذی، حدیث: ۷۳۸)

”تم حج اور عمرہ بار بار کرو، اس لیے کہ بار بار حج اور عمرہ کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کو تنگدستی اور گناہوں سے نجات عطا فرما دیتے ہیں۔“

تو مغفرت بھی ملی اور رزق بھی بندے کا بڑھ گیا۔

اعمال کی طاقت کا یقین:

اعمال کے اندر طاقت اور اثرات ہیں، یہ خدائی وعدہ ہے، جیسے مادی چیزوں کے اثرات ہوتے ہیں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بجلی کا جھٹکا لگنے سے بندے کو موت آتی ہے، لہٰذا کوئی آدمی بجلی کی ننگی تار کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ زہر کھا لینے سے انسان کی موت واقع ہوتی ہے، ہر بندہ زہریلی چیز سے دور رہتا ہے۔ اسی طرح اگر یقین ہو جائے کہ نیک اعمال کرنے پر اللہ کی طرف سے خیر ملے گی اور گناہوں کے کرنے سے اللہ کی طرف سے عذاب ہو گا تو پھر کوئی بھی انسان گناہ کی طرف

قدم نہ بڑھائے، بلکہ اپنی پوری زندگی نیکی کے اوپر خرچ کرے۔

اعمال بنانے اور بگاڑنے کا نتیجہ:

دو بندے ایک کام کرتے ہیں۔ایک کا عمل بنا ہوا، فلاح مل گئی۔دوسرے کا عمل بگڑا ہوا، اس کو اللہ کی طرف سے سزا مل گئی۔ذرا غور فرمائیے کہ اچھی نماز پڑھنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاح کا وعدہ ہے، فرمایا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾

''فلاح پا گئے وہ مومن جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں''

چنانچہ جس کو فلاح نصیب ہوگئی وہ جنت میں جائے گا اور اسی نماز کو بگاڑنے سے جہنم میں جانے کا معاملہ:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○﴾

(ماعون: ۲،۱)

''تباہی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں میں سستی کرتے ہیں''

ایک ہی نماز ہے بنانے والے کو جنت مل گئی، غفلت کرنے والے اور اس عمل کو بگاڑنے والے کے لیے اللہ نے جہنم کی بات کر دی۔

چنانچہ قرآن انسان کے لیے سلامتی کا سبب۔جو انسان حافظ قرآن ہے، قیامت کے دن کہا جائے گا کہ

((اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا))

(ابوداود، حدیث: ۱۲۵۲)

''قرآن پڑھ اور جنت کا درجہ چڑھ! ٹھہر ٹھہر کے پڑھ جیسے دنیا میں ٹھہر ٹھہر کے پڑھتا تھا۔''

اب یہ جنت میں گیا قرآن کی وجہ سے، اور جنت میں اس کو ملائکہ بھی سلام دے رہے ہیں اور جنتی بھی سلام دے رہے ہیں، ایک دوسرے کے اوپر سلامتی۔ اور اگر اسی قرآن کی خلاف ورزی کر کے قرآن کو پڑھا تو حدیث میں آتا ہے:

((رُبَّ قَارِئٍ لِلْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ يَلْعَنُهُ))

(روح المعانی: ۱۹۲۲۲، سورۃ الفاطر)

''کتنے قرآن پڑھنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ قرآن پڑھ رہے ہوتے ہیں اور قرآن ان کے اوپر لعنت کر رہا ہوتا ہے''

تو ایک ہی عمل ہے، اگر اس کو بنا لیا تو رضا مل رہی ہے، اور اگر بگاڑ لیا تو انسان کو اللہ کی طرف سے سزا مل گئی۔ تو جب انسان نے اعمال کرنے ہی ہیں تو کیوں نہ سنوار کر کرے؟ ان کو بہتر کرنے کی کوشش کرے۔

رجوع الی اللہ کا نتیجہ:

چنانچہ آپ ذرا غور کیجیے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے اس دنیا میں ایسی بادشاہت دی کہ نہ پہلے کسی کو ملی نہ بعد میں۔ انسانوں کے بادشاہ، جنوں کے بادشاہ، پرندوں کے بادشاہ، ہوا کے بادشاہ، خشکی، تری کی ہر مخلوق کے بادشاہ، ان کا حکم ہر ایک کے اوپر چلتا تھا۔ ایسی اللہ رب العزت نے انہیں بادشاہی اور سلطنت عطا فرمائی، لیکن اس کے بعد فرمایا کہ ان کو اللہ رب العزت کی طرف سے جو قرب ملا، قبولیت ملی، وہ ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے ملی۔ فرماتے ہیں:

نِعْمَ الْعَبْدُ ''میرا کتنا اچھا بندہ تھا!''

اِنَّہٗ اَوَّابٌ ''وہ میری طرف رجوع کرنے والا تھا''

نعم العبد کا جو تاج ان کے سر پر سجایا اس کی بنیاد ''اللہ کی طرف رجوع'' فرمایا۔

دوسری طرف دیکھیے! حضرت ایوب علیہ السلام کے اوپر امتحان آ گیا، ساری جائیداد چلی گئی، باغات چلے گئے، بیوی بھی فوت ہوگئی، بچے بھی مر گئے اور خود بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ اتنی آزمائشیں، لیکن ان سب کے باوجود، اللہ رب العزت کا قرب ملا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا (ہم نے انہیں صبر کرنے والا پایا) کیا شاہانہ کلام ہے!

﴿اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ (ص:۴۴)

تو معلوم ہوا کہ دنیا کی بادشاہت ہے، پھر بھی رجوع الی اللہ کی وجہ سیقرب مل رہا ہے۔ اور ظاہری طور پر فقر و فاقہ، تنگدستی ہے، لیکن اَوَّاب ہونے کی وجہ سے نِعْمَ الْعَبْدُ کا خطاب مل رہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ قرب ملتا ہے اَوَّاب ہونے کی وجہ سے، اس میں دنیا کی مال و دولت کا کوئی دخل نہیں۔ ایک انسان جھونپڑی میں بیٹھ کر بھی اللہ کا ولی بن سکتا ہے اور ایک انسان قوم کے گدوں کے اوپر بیٹھ کر بھی اللہ کا ولی بن سکتا ہے۔

اعمال بنانے پر دو خوشخبریاں

دنیا ایک ظاہری اور مادی چیز ہے، اس راستے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ چنانچہ اعمال بنانے والے کو دو نعمتیں، دو خوشخبریاں ملیں۔

پہلی خوشخبری:

﴿فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾

''پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے''

دوسری خوشخبری:

﴿ وَلَنَجۡزِيَنَّهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴾

''ہم ان کے اعمال کا بدلہ انہیں بہت اچھا دیں گے''

اس عمل پر دوہرا انعام ملے گا، دنیا میں پاکیزہ زندگی اور آخرت میں بڑا اجر۔ اور جتنا اجر اتنے ان کے درجات:

﴿وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا﴾ (الانعام:۱۳۲)

چنانچہ دنیا میں پاکیزہ زندگی ملی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے قرب کے درجات مل گئے۔

اعمال بگاڑنے پر دو عذاب

اور اعمال بگاڑنے والے پر دنیا میں دو عذاب ہوتے ہیں۔

پہلا عذاب:

فرمایا:

﴿ مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِيۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا ﴾ (طٰہٰ: ۱۲۴)

''جو میرے قرآن سے رخ پھیرے ہم اس کی معیشت کو تنگ کر دیتے ہیں۔''

تنگ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی بکری تھوڑی ہوتی ہے، پیسے نہیں ہوتے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بے سکون رزق دیتے ہیں، مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا ایسا رزق ملتا ہے کہ اس کے سر پر ٹینشن (بے چینی) ہوتی ہے۔

چنانچہ آپ دیکھیں! بڑے بڑے انڈسٹریوں والے راتوں کو سو نہیں سکتے۔

او جی! کمپنی کا شیئر کھلنا ہے، پتہ نہیں کتنا کھلتا ہے؟ٹینشن، ہر وقت کی پریشانی۔ او جی! ہم نے کنٹینر بھیجا تھا اور وہ رک گیا ہے، بڑے پریشان ہیں۔ ہم نے ایک ڈیل کرنی تھی، موقع پر نہ ہوسکی، بڑی پریشانی ہے۔ تو کروڑوں میں کھیلنے والے بھی پریشان۔ مَعِيْشَةً ضَنْكًا کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کے رزق کو ایسے تنگ کریں گے کہ وہ بے سکون ہی رہے گا۔ رزق کی طرف سے پریشان ہی رہے گا۔ کبھی ادھر کوئی پیسے دبا کر بیٹھ گیا، کبھی کوئی دھوکے سے پیسے لے کر چلا گیا ، پریشان ہی رہے گا۔ ذہنی طور پر یہ لوگ ہر وقت Occupied ہی رہتے ہیں۔ نماز میں بھی اسی مال کا خیال رہتا ہے، سکون ہی نہیں ہوتا۔ اللہ ایسی مصروفیت دے دیتے ہیں کہ اپنے گھر والوں کے ساتھ سکھ کے دو لمحے گزارنے کا موقع نہیں ملتا۔ مَعِيْشَةً ضَنْكًا فرمایا: ہم اس کی معیشت کو تنگ کر دیتے ہیں، بے سکون روزی دیتے ہیں۔

دوسرا عذاب:

دوسرا عذاب یہ ملتا ہے:

﴿وَنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾

''اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا کھڑا کریں گے''

یا اللہ! یہ کیسی سزا ہے؟ فرمایا کہ شریعت کا اصول ہے:

جَزَآءٌ مِّنْ جِنْسِ الْعَمَلِ

''جیسا عمل ویسا بدلہ، جیسی کرنی ویسی بھرنی''

فرمایا: دنیا میں اس نے میری تعلیمات سے، احکام سے اپنی آنکھوں کو بند کرلیا، اپنا رخ پھیر لیا، یہ اندھا بنا رہا، جب دنیا میں اس نے اندھے پن کا

مظاہرہ کیا، ہم قیامت کے دن اس کو اپنے سامنے اندھا کھڑا کریں گے۔ اب بتایئے! اعمال بنانے پر کس قدر اچھائیاں مل رہی ہیں اور اعمال بگاڑنے پر بندے کو کس قدر نقصان نصیب ہو رہا ہے۔

اپنی ذات پر محنت کی ضرورت:

لہٰذا جو شخص چاہے کہ میں اپنی ذات کو قیمتی بناؤں، اس کو چاہیے کہ وہ اپنے اوپر محنت کرے۔ دستور یہ ہے کہ جس چیز پر محنت ہوتی ہے، وہ چیز قیمتی بن جاتی ہے۔ لکڑی پر محنت کر دی، لکڑی فرنیچر بن کر کس قدر مہنگی بکتی ہے! انسان نے پتھر پر محنت کی، پتھر پالش ہو کر نکلتا ہے تو اعلیٰ ریٹ پر نکلتا ہے۔ لوہے پر محنت کی، لوہا ہوا میں اڑتا پھرتا ہے اور جہاز کی دیکھو کتنی قیمت ہے؟ حتیٰ کہ سلیکون، ریت کو کہتے ہیں، اس ریت پر بندے نے محنت کی اور سلیکون سے اس نے سرکٹ بنائے، سرکٹ اتنے مہنگے کہ اگر اس کے ہم وزن سونا تولا جائے تو سونے سے تین گنا زیادہ ان کے اوپر قیمت لگ رہی ہے۔ تو انسان کی محنت اگر ریت پر لگی تو ریت سونے سے تین گنا قیمتی بن گئی۔ اے بندے! اگر تو اپنی محنت اپنی ذات پر لگائے گا تو کیا اللہ کی نظر میں تو قیمتی نہیں بن جائے گا؟ اگر لوہا پرواز کر سکتا ہے تو کیا انسان روحانی طور پر پرواز نہیں کر سکتا؟ تو محنت کا رخ اپنی ذات کو بنا لیجیے۔

دوسروں کے بارے میں حسن ظن، اپنے بارے میں فکرمند:

ایک سنہری اصول: انسان اپنے بارے میں فکرمند رہے اور دوسروں کے بارے میں حسنِ ظن رکھے۔ آج ہم الٹ کرتے ہیں، دوسروں کی فکر ہوتی ہے کہ اس میں یہ ہے، اس میں یہ ہے۔ اور اپنے بارے میں بڑا حسنِ ظن ہوتا ہے کہ ہم تو قیامت کے دن بڑے آرام وسکون میں ہوں گے۔ چنانچہ عام آدمی قیامت

کے دن کے بارے میں سوچتا ہے کہ قیامت کا دن ہوگا، لوگ کھڑے ہوں گے، حساب ہو رہا ہوگا، بڑا میزان ہوگا، جس پر نیکیاں، گناہ تُل رہے ہوں گے۔ کچھ لوگ جنت میں جا رہے ہوں گے اور دوسرے کچھ لوگ جہنم میں جا رہے ہوں گے اور میں! دیوار پہ بیٹھا تماشہ دیکھ رہا ہوں گا۔ اپنے بارے میں بندہ یہ سوچتا ہے۔ یہ نہیں سوچتا کہ یا تو میں جنت والوں میں سے ہوں گا یا میں بھی جہنم جانے والوں میں سے ہوں گا۔

قیامت کے دن کو اللہ رب العزت 'یوم التغابن' کہتے ہیں۔ فرمایا:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ﴾ (تغابن : ۹)

اے انسان! تیرے لیے وہ ہار جیت کا دن ہوگا۔ یا تو زندگی کی بازی جیت جائے گا، یا پھر زندگی کی بازی ہار جائے گا۔ اگر ایسا دن ہے تو کیا ہم اس طرح سوچتے ہیں؟

اصول یہ ہے کہ اپنے بارے میں فکرمند رہے اور دوسروں کے بارے میں حسنِ ظن رکھے۔ اگر حسنِ ظن آ گیا اور اپنے بارے میں فکر لگ گئی تو یہ انسان کامیاب ہو گیا۔

نیکوں اور بروں کے حالات میں فرق:

چنانچہ اس دنیا میں ظاہری طور پر نیکوں پر بھی حالات آ جاتے ہیں، بُروں پر بھی حالات آ جاتے ہیں۔ ظاہر میں وہ ایک جیسے نظر آتے ہیں، مگر حقیقت میں ان میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ جیسے نیک بندہ اور برا بندہ، ظاہر میں تو ایک جیسے نظر آتے ہیں، جسمانی طور پر تو فرق نہیں ہوتا، مگر باطن میں فرق ہوتا ہے، حقیقت میں فرق ہوتا ہے۔ ایک ایمان سے خالی، دوسرا ایمان سے بھرا

ہوا دل رکھتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی پتلا سا بانس ہو، تو دیکھنے میں گنے کے بالکل مشابہ نظر آتا ہے، ظاہر میں فرق نظر نہیں آتا، لیکن بانس اندر سے بالکل خشک ہوتا ہے اور گنا اندر سے سارے کا سارا میٹھے رس کے ساتھ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ تو ظاہر میں ایک، مگر حقیقت میں مختلف۔

اسی طرح حالات عام بندے پر بھی آتے ہیں اور آزمائش کے حالات مومن پر بھی آتے ہیں۔ ظاہر ایک ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ذرا توجہ سے یہ نکتہ سمجھ لیں کہ فرمانبرداروں پر بھی حالات آتے ہیں اور نافرمانوں پر بھی آجاتے ہیں، مگر دونوں میں فرق کہاں ہوتا ہے؟ سمجھنے کی کوشش فرمائیے گا!!

پہلا فرق:

پہلا فرق یہ ہے کہ نافرمانوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شروع میں آتی ہیں۔ پھر وہ ان نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں اور ناقدری کرنے پر اللہ ان کی پکڑ فرماتے ہیں، جبکہ فرمانبرداروں کے ساتھ اللہ کی مدد آخر میں آتی ہے۔

﴿ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا ﴾

(یوسف: ۱۱۱)

''حتیٰ کہ جب رسول بھی مایوس ہو گئے اور گمان کر بیٹھے کہ وہ جھٹلا دیے گئے''

انہوں نے یہ جان لیا کہ شاید ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ''ان کے اوپر ہماری مدد آ گئی۔''

تو نافرمانوں کو اللہ پاک ابتدا میں نعمتیں دیتے ہیں اور آخر میں ان کی پکڑ فرماتے ہیں، ان کی گت بناتے ہیں اور فرمانبرداروں سے شروع میں مجاہدہ کروا لیتے ہیں اور اخیر پر جاکر اپنی مدد اور انعامات ان کے شامل حال فرما دیتے ہیں۔

دوسرا فرق:

مصیبت نیکوں پر بھی آتی ہے اور بروں پر بھی، مگر نافرمان پر مصیبت ایسے ہوتی ہے جیسے کسی نے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا اور بلڈ کے زیادہ نکلنے سے یہ صاحب فوت ہی ہو گئے۔ چھری تو اس کو لگی، خون بھی نکلا، مگر نتیجہ اس کی موت کے ساتھ نکلا۔ اور فرمانبرداروں پر بھی مصیبت آئی، مگر اس کی مثال ایسے کہ جیسے جسم میں پھوڑا تھا، ڈاکٹر نے آپریشن کے لیے چھری چلائی۔ چھری یہاں بھی چل رہی ہے، خون یہاں بھی نکل رہا ہے، لیکن آپریشن کا انجام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری سے اس کو صحت عطا فرما دی۔ ظاہر ایک جیسا، مگر انجام میں فرق ہوتا ہے۔

نافرمان کو رزق ملتا ہے تو ایسے جیسے چوہے کو پکڑنے کے لیے کوئی پراٹھے کا ٹکڑا پنجرے میں لٹکا دیتا ہے، اب وہ بڑا خوش پھر رہا ہے کہ کھانے کو پراٹھا مل گیا، مگر وہ یہ تو نہیں جانتا کہ اسی پراٹھے کے کھانے میں میری گردن پکڑی جائے گی اور مجھے جان سے ہی مار دیا جائے گا۔ نافرمان کو پراٹھا ملا، مگر پراٹھے کا ٹکڑا اس کے لیے موت کا سبب بنا اور فرمانبرداروں کو بھی اللہ تعالیٰ نعمتیں دیتے ہیں، مگر ایسے جیسے کوئی بولنے والے طوطے کو چوری کھلاتا ہے۔ یہ جو بولنے والے طوطے ہوتے ہیں نا! کبھی سلام کرتے ہیں، کبھی ''اللہ'' کا لفظ بولتے ہیں، لوگ ان کو بڑے شوق سے پالتے ہیں، ان کی بڑی خدمت کرتے ہیں اور میاں مٹھو کو

چوری کھلاتے ہیں، مگر یہ جو چوری ہے یہ نعمت کے طور پر مل رہی ہے۔ اور روٹی اس کے لیے موت کا پیغام بن کر آرہی ہے، ظاہر دونوں کا ایک ہے، مگر ایک کے لیے موت کا سبب ہے اور دوسرے کے لیے زندگی اور صحت کا سبب ہے۔

فتح ابواب اور فتح برکات:

طلبا کے لیے نکتے کی بات ہے۔ نافرمانوں پر اللہ رب العزت جو نعمتیں بھیجتے ہیں اس کا نام اللہ رب العزت نے ''فتح ابواب'' رکھا۔ دروازے کھول دیتے ہیں۔ فرمایا:

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ﴾
(انعام: ۴۴)

''پھر انہیں جو نصیحت کی گئی تھی، جب وہ اسے بھلا بیٹھے تو ہم نے ان پر ہر نعمت کے دروازے کھول دیے۔''

تاکہ یہ نعمتیں پائیں، عیاشی کریں اور اچھی طرح ہماری پکڑ میں آئیں۔ فرماتے ہیں: جب وہ خوب ہم سے غافل ہوگئے:

﴿اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً﴾

''ہم نے اچانک ان کو اپنی پکڑ میں لے لیا''

یہ فتح ابواب تھی۔

اور فرمانبرداروں کے لیے فرمایا کہ جو نیکی اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں:

﴿لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (الاعراف: ۹۶)

''البتہ ہم نے کھول دیں ان کے اوپر برکات آسمان اور زمین سے''

تو ان کے لیے فتح برکات ہوتی ہے۔

آزمائش......مؤمن اور فاسق دونوں پر:

دیکھیے! ایمان والوں کو بھی تکالیف آتی ہیں، مگر اللہ نے ان کو آزمائش کہا: ''ہم آزماتے ہیں، ٹیسٹ لیتے ہیں''۔ ہم دو روپے کا اگر گھڑا لیں نا! تو ٹھونک کر دیکھتے ہیں، کچا ہے یا پکا۔ تو اللہ رب العزت نے بھی جنت کے بدلے بندے کو قبول کرنا ہوتا ہے، وہ بھی آزماتے ہیں کہ کچا ہے یا پکا، مگر یہ آزمائش مومن پر اور طرح سے آتی ہے اور فاسق و فاجر پر اور طرح سے آتی ہے۔ جب فاسق پر آتی ہے تو اللہ کا عذاب بن کر آتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان نافرمانوں پر اپنے عذاب کا کوڑا پھینکا۔ کیسا تھا؟ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (السجدہ:۲۱)

''ہم بڑے عذاب سے پہلے چھوٹا عذاب ان کی طرف بھیجیں گے، ممکن ہے یہ واپس لوٹ آئیں''

تو نافرمانوں پر جو مشقتیں آئیں اللہ نے اس کے لیے ''عذاب'' کا لفظ استعمال کیا اور ایمان والوں کے لیے اللہ رب العزت نے فرمایا کہ ہم انہیں آزمائیں گے۔ فرمایا:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾ (البقرۃ:۱۵۵)

''اور ہم تمہیں کچھ خوف، بھوک، اور مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو''

کبھی جان میں کمی، کبھی مال میں کمی۔ فرمایا کہ ان تمام حالات میں جو بھی

صبر کے ساتھ رہے گا، ان صبر کرنے والوں کو بشارت دیں۔

تو اللہ رب العزت کا معاملہ مختلف ہے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اعمال کو سنواریں اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں میں شامل ہو جائیں۔

عبادت میں سستی کا نتیجہ:

چنانچہ جو بندہ عبادات میں سستی کرتا ہے تو شیطان اس کے اوپر چڑھ دوڑتا ہے۔ دنیا کا دستور ہے، جب کوئی اپنے دشمن پر قابو پائے تو سب سے پہلا کام یہ کرتا ہے کہ جو اس کے پاس سب سے مہلک چیز ہوتی ہے، وہ اس سے چھین لیتا ہے۔ یہ فوجی لوگ جب دشمن کو گرفتار کرتے ہیں تو اس کو کہتے ہیں Hands up (ہاتھ اوپر کریں) اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر اس کے ہاتھ میں کوئی نقصان دینے والی چیز ہے تو وہ ہاتھ سے چھوٹ جائے اور یہ مجھ پر حملہ نہ کر سکے۔ شیطان بھی یہی کرتا ہے کہ جب بندے کے اوپر قبضہ جماتا ہے تو سب سے مہلک ہتھیار جو بندے کے پاس ہوتا ہے، وہ اس کو بندے سے علیحدہ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ﴾ (المجادلة:١٩)

''شیطان ان پر غالب آ گیا اور شیطان نے ان کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیا''

تو شیطان کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اللہ کی یاد سے غافل کرتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر یہ بندہ اللہ کی یاد میں لگا رہا تو ہمارا وار اس پر نہیں چل سکے گا، تو مومن شیطان کے وار سے بچے۔ دیکھیے! شیطان کے وار سے بچنے کے لیے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے ایک ایک بات ہمیں سمجھا دی، کھول کھول

کر بتایا۔ اس طرح کرو گے، شیطان آجائے گا، حملہ کرے گا، تمہیں ورغلائے گا۔

بسم اللہ کی برکت سے شیطانی اثرات سے حفاظت

کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''آدمی اگر کھانا کھانے بیٹھے اور بسم اللہ نہ پڑھے تو شیطان اس کے کھانے میں شامل ہوجاتا ہے''۔ دیکھیے! شیطان کے نقب لگانے کے کون کون سے راستے ہیں؟ اللہ کے محبوب نے ان راستوں کو کھول کھول کر بتادیا ہے۔ لہٰذا کھانا کھانے سے پہلے کی دعا پڑھنا، بسم اللہ پڑھنا، یہ کتنا ضروری ہے، تاکہ ہم شیطانی اثرات سے بچ جائیں۔ جب کھانے میں شیطانی اثر شامل ہوگا تو ظاہر ہے جو طاقت بندے کو ملے گی وہ بندے کو گناہ پر آمادہ کرے گی۔ تو کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے سے شیطان کھانے میں شریک نہیں ہوسکتا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنی بھول گئے، انہیں درمیان میں یاد آئی تو انہوں نے درمیان میں پڑھ لی، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا پڑے، کسی نے پوچھا کہ اے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیسے مسکرائے؟ فرمایا کہ شیطان اس کے ساتھ کھارہا تھا، جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو شیطان نے سب کھایا پیا نکال دیا اور یہاں سے دفع ہوگیا۔ تو بسم اللہ پڑھنی کتنی ضروری ہے!

(جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۳۵۶۱۵، کنز العمال، حدیث: ۴۱۶۸۶)

بسم اللہ پڑھ کر گھر کا دروازہ بند کرنا:

آگے دیکھیے! حدیث پاک میں آتا ہے جو بندہ رات کو اپنے گھر کا دروازہ

بند کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھ لے، شیطان رات کے وقت اس گھر میں داخل نہیں ہوسکتا۔ بات کتنی آسان ہے، مگر کتنی زیادہ اہم ہے! جب بھی انسان رات کو گھر کا دروازہ بند کرے، گھر کی عورت گھر کا دروازہ بند کرے تو بسم اللہ پڑھ کے ہی بند کرے۔ تو بسم اللہ پڑھ کے گھر کا دروازہ بند کرلیا، اللہ تعالیٰ نے شیطان کو گھر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اب اکثر گناہ راتوں میں ہی ہوتے ہیں۔ تو جب گھر میں شیطان آیا ہی نہیں تو ایک تو رات کے گناہوں سے بچے، دوسرا تہجد اور فجر کی نماز میں اٹھنا آسان ہوگیا، شیطان جو گھر میں نہیں ہے، ورنہ تو تھپکیاں دے دے کر سلا دیتا ہے، کانوں میں آکر پیشاب کر دیتا ہے۔

حدیثِ پاک کا مفہوم ہے کہ جو آدمی فجر کی نماز کے لیے نہیں اٹھتا، در حقیقت شیطان اس کے کان میں آکر پیشاب کر دیتا ہے، اس کی وجہ سے اس کی آنکھ نہیں کھلتی۔ تو بھئی! شیطان کو روکنے کا کتنا اچھا طریقہ کہ انسان سنت کے مطابق اپنے گھر کا دروازہ بند کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لے۔

بسم اللہ پڑھ کر بیت الخلاء جانا:

اور دیکھیے! حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو انسان بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لے، مسنون دعا پڑھ لے تو شیطان اس کے ساتھ بیت الخلاء میں داخل نہیں ہوتا اور اگر پڑھنا بھول جائے گا تو شیطان بیت الخلاء میں ساتھ داخل ہوگا اور اس کی شرمگاہ کے ساتھ کھیلے گا تو بندے کو شہوانی خیالات آئیں گے۔ دیکھیے! نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک بات سمجھا دی کہ کیسے ہم شیطان کے حملوں سے بچ سکتے ہیں؟

کپڑے اتارتے ہوئے بسم اللہ پڑھنا:

چنانچہ حدیث پاک میں فرمایا کہ آدمی اگر ضرورت کے وقت اپنے جسم سے کپڑے اتارے تو بسم اللہ پڑھ لے۔ اس بسم اللہ کے پڑھنے سے نہ جن اسے دیکھ سکتا ہے، نہ شیطان اسے دیکھ سکتا ہے۔ یہ کتنا چھوٹا سا عمل ہے! مگر کتنے لوگ کپڑے اتارتے ہوئے بسم اللہ پڑھتے ہیں؟ بہت سارے بھول جاتے ہیں۔ عورتوں نے اگر غسل کرنا ہے اور بسم اللہ نہیں پڑھی تو ان کو جن بھی دیکھیں گے اور شیطان بھی دیکھیں گے۔ پھر کیوں روتی پھرتی ہیں کہ ہمارے اوپر آسیب کا اثر ہوگیا؟ بھئی! نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹی سی، مختصری بات بتائی تھی، اس کا اتنا فائدہ تھا کہ انسان کے جسم پر نہ شیطان کی نظر پڑتی نہ جن کی نظر، اور ہم اس عمل کو کرنا بھول ہی جاتے ہیں۔

چنانچہ اگر میاں بیوی دونوں اکٹھے ہوتے ہیں اور وہ کپڑے اتارتے ہوئے بسم اللہ پڑھنا بھول گئے تو شیطان ان کے عمل میں شریک ہوتا ہے۔ نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ ہونے والی اولاد اللہ کی بھی نافرمان، ماں باپ کی بھی نافرمان بنتی ہے۔ بات مختصری، چھوٹی سی ہے، لیکن اثرات دیکھو کہ کہاں تک جارہے ہیں؟

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دعا بتائی کہ میاں بیوی دونوں اکٹھے ہوں تو ضرورت پوری ہونے کے وقت اس کو پڑھ لیا جائے۔ اللہ اکبر! محدثین نے لکھا ہے کہ اس دعا کے پڑھنے سے حمل اگر ٹھہر گیا تو اللہ تعالیٰ حمل کے اندر شیطانی اثرات سے حفاظت فرمادیں گے۔ آج جس کو دیکھو جی! اولاد نہیں مانتی، اولاد نافرمان...... بھئی! اولاد تو نافرمان ہے، مگر ہم نے بھی تو سنت کو نظر انداز کیا تھا۔ ہم نے بھی تو نبی علیہ السلام کے بتائے ہوئے اعمال کو چھوڑ دیا تھا۔ اپنی بوئی ہوئی

کھیتی تھی، اب اپنی آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ جہاں انسان نے اللہ تعالیٰ کا حکم توڑا، شیطان اسی وقت اس کے پاس پہنچ گیا۔ فھو لہ قرین شیطان اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔

غفلت کی زندگی گزارتے گزارتے ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں، شیطان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَ قَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ ''ہم نے ان پر ان کے ساتھی متعین کر دیے''

﴿ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴾ (حم سجدہ: ۲۵)

''انہوں نے ان کو ان کے اگلے اور پچھلے اعمال عمدہ کر کے دکھائے اور جنات اور انسانوں کی جماعتیں جو پہلے گزر چکیں، ان پر بھی اللہ کا قول (عذاب کا وعدہ) پورا ہو چکا، بے شک وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہیں''

بسم اللہ پڑھنے کی عادت ڈالیں!

اب ایک بسم اللہ پڑھنے کی عادت ڈال لیجیے تو کتنے مواقع ہیں جہاں انسان شیطان کے اثرات سے بچ جاتا ہے۔

بسم اللہ کی عادت بچے کو بچپن میں سکھانی چاہیے۔ ہر اچھے کام کو کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھو۔

دروازہ کھولتے ہوئے بسم اللہ، گاڑی میں بیٹھنا ہے بسم اللہ، کھانا کھانا ہے

بسم اللہ، ہر اچھا کام کرتے ہوئے اگر بسم اللہ کی عادت پڑ جائے، چھوٹا سا عمل ہے، لیکن دیکھیے! اس پر کتنے اچھے اثرات بندے کو ملتے ہیں! تو معلوم ہوا اگر ہم اپنی زندگی میں فلاح چاہتے ہیں تو ہمیں نیک اعمال کو اپنانا پڑے گا۔ پھر ہم شیطان کے اثرات سے بچ جائیں گے اور اگر اعمال نہیں ہوں گے تو ہم دنیا میں بھی نہیں بچ سکیں گے اور آخرت کے عذاب سے بھی نہیں بچ سکیں گے۔

روزِ محشر اعمال کام آئیں گے

قیامت کے دن مختلف اعمال سے محروم ہونے کی سزا مختلف عذاب۔ چنانچہ ''تفسیر ابن کثیر'' میں یہ حدیث پاک لکھی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ خواب میں جہنم کے حالات دیکھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا: میں نے جہنم میں بعض لوگوں کو عذاب پاتے دیکھا۔

اچھی طرح وضو کرنا کام آئے گا:

ایک بندے کو قبر میں ڈالا گیا اور عذاب قبر اس کی طرف بڑھا کہ اس میت کو اپنی لپیٹ میں لے لے، مگر اس کا اچھی طرح وضو کرنا، عذاب قبر سے بچنے کے کام آیا۔ تو معلوم ہوا اچھی طرح جو بندہ وضو کرے یعنی فراغت کے بعد اگر استنجا کرنا ہے تو اچھے انداز سے کرے، سنت کے مطابق مٹی استعمال کرے، موجود نہیں تو چلو ٹائلٹ پیپر استعمال کرے کہ وہ بنا ہی اسی مقصد کے لیے ہوتا ہے، پھر پانی استعمال کرے، تسلی کرے، پھر اس کے بعد وضو اہتمام کے ساتھ کرے، پانی کپڑوں پر نہ گرنے دے، سنت کے مطابق تمام اعضا کو مل مل کے

دھوئے، جو مسنون دعائیں ہیں وہ پڑھے، تسلی کے ساتھ وضو کرنے کی عادت ہو گی، نتیجہ کیا نکلے گا؟ اس اچھی طرح وضو کرنے پر اللہ تعالیٰ بندے کو قبر کے عذاب سے نجات دیں گے۔

آج کل عورتیں مہندی کم لگاتی ہیں اور ناخن پالش کی طرف زیادہ توجہ دیتی ہیں۔ اور جو عام گھروں کی بچیاں ہیں، ماشاءاللہ ان کو ناخن بڑھانے کی بھی عادت ہے۔ جتنے لمبے ناخن اتنی اس میں میل جم گئی اور میل کی جگہ پر پانی نہیں جاتا تو غسل کیسے ہوگا؟ تو دیکھیے! چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں۔ یا غسل کرتی ہیں تو بالوں کو صحیح طرح نہیں کھولتیں یا صحیح طرح بالوں کو پانی سے تر نہیں کرتیں اور کئی ایک کو تو غسل کے فرائض کا پتہ ہی نہیں۔ کسی نے پوچھا: شادی ہوگئی، غسل کے فرائض آتے ہیں؟ کہنے لگی: ہاں! کون کون سے غسل کے فرائض ہیں؟ صابن، تیل اور تولیہ، یہ تین غسل کے فرائض ہیں، ماشاءاللہ! ایم اے پاس اور غسل کے فرائض کا پتہ ہی نہیں۔

ایک مرتبہ ایک بچی ہمارے جامعہ میں آئی، کہنے لگی: میری امی نے میری شادی کی تاریخ رکھ دی ہے۔ تو میں آئی ہوں کہ میں آپ سے غسل کے فرائض پوچھوں۔ گھر والوں نے پوچھا کہ آپ کی عمر تو بائیس، تیئس سال لگتی ہے، نماز تو بڑے عرصے سے فرض ہوگئی (پندرہ سال کی عمر میں عام طور پہ بچیوں پہ نماز فرض ہو جاتی ہے)۔ تو اب تک غسل کیسے کرتی رہی؟ کہنے لگی: کیا مطلب؟ پوچھا: ماہانہ ایام جو آتے ہیں تو اس کے بعد بھی تو غسل کرنا ہوتا ہے۔ کہنے لگی: وہ تو میں نہاتی تھی بس۔ سات سال اس لڑکی کے گزر گئے اور اس کو غسل کا پتہ ہی نہیں تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ شاید شادی کے بعد ہی جا کر غسل کی ضرورت پڑتی ہے۔

تو طہارت کے مسائل بھی سیکھیے! اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اللہ رب العزت انبیا

کی مجلس میں بیٹھنے کی سعادت نصیب فرمائیں گے۔

ذکر کام آئے گا:

پھر نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ایک بندے کے پاس شیطان لپکا کہ میں اس پر حملہ کروں، مگر اس بندے نے اللہ کا ذکر کرنا شروع کر دیا، شیطان نے منہ کی کھائی اور اس کو چھوڑ کے واپس بھاگا۔ چنانچہ ذکر کی وجہ سے شیطان بندے پہ قابو نہیں پا سکتا۔ اور قابو نہ پا سکنے کی وجہ سے بندے کے دل میں وساوس نہیں ڈال سکتا۔ تو عمل چھوٹا سا اللہ کا ذکر کرنا اور فائدہ کتنا بڑا کہ شیطان سے حفاظت ہو گئی۔

نماز کام آئے گی:

پھر فرمایا: میں نے عذاب کے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ایک آدمی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ فرمایا کہ اس کی نماز اس کے کام آ گئی اور نماز نے بڑھتے فرشتوں کو واپس بھیج دیا۔ تو جو انسان اچھے انداز سے نماز پڑھے گا، سکون کے ساتھ، خشوع و خضوع کے ساتھ، (خشوع کہتے ہیں: دل میں اللہ کی عظمت ہو، بندہ عظمتِ الٰہی کو دل میں رکھ کر نماز پڑھے۔ خضوع کہتے ہیں: جو نماز کے ارکان ہیں، ان کو بھی تسلی سے ادا کر رہا ہو) تو اس نماز کے پڑھنے پر اللہ رب العزت بندے کو عذاب کے فرشتوں سے بچائیں گے۔

روزہ کام آئے گا:

پھر فرمایا: میں نے دیکھا قیامت کے دن ایک بندہ شدتِ پیاس کی کیفیت

میں ہے۔اتنی پیاس کہ برداشت نہیں ہو رہی! جان نکلی جا رہی ہے۔فرماتے ہیں: اس پیاس کی شدت میں اس کا روزہ کام آگیا اور اس کو حوضِ کوثر سے جام مل گیا۔

حج وعمرہ کام آئے گا:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں نے دیکھا ہے کہ قیامت کے دن ایک آدمی اندھیرے میں ہے۔اس کے ارد گرد بہت اندھیرا ہے اور اس کو راستے کی سمجھ نہیں لگ رہی کہ میں نے کہاں جانا ہے؟ پریشان تھا کہ اس کا حج وعمرہ آیا، انہوں نے اس کے ارد گرد روشنی کر دی، جس سے اس کو راستہ نظر آ گیا۔تو حج اور عمرے کی سعادت سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن صحیح راستے کی رہنمائی فرما دیں گے۔

صلہ رحمی کام آئے گی:

پھر فرمایا کہ قیامت کے دن ایک بندہ بڑا پریشان حال کھڑا ہے، کوئی اس کا حال پوچھنے والا نہیں، گھبرایا ہوا، خوف زدہ، اس کے اوپر وحشت طاری ہے، اکیلا کھڑا ہے۔میں نے دیکھا کہ وہ جو صلہ رحمی کرتا تھا، وہ صلہ رحمی کا عمل آیا اور اس نے اس کی وحشت کو دور کر دیا۔

صلہ رحمی کہتے ہیں: رشتہ داروں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔ایمان والوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھنا۔یہ صلہ رحمی کا عمل قیامت کے دن کی وحشت سے بچاؤ کا سبب بن گیا۔

صدقہ خیرات کام آئے گا:

پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ ایک آدمی جہنم کے کنارے تک

پہنچا ہوا ہے اور آگ کی لپٹیں اٹھ رہی ہیں اور اس کے چہرے تک آ رہی ہیں اور چہرہ جھلس رہا ہے، مگر میں نے دیکھا کہ اس کے صدقے اور خیرات نے اس کے اور جہنم کے درمیان آڑ بن کر اس کو جہنم سے بچا لیا۔ تو اللہ کے راستے میں دینا، دین کے کاموں خرچ کرنا چاہیے۔ ضروری تو نہیں ہوتا کہ ہر بندہ لاکھوں لگائے، کئی دفعہ ایک روپیہ جو اللہ کے راستے میں خرچ کیا، بندے کے لیے جنت میں جانے کا سبب بن جایا کرتا ہے۔ تو تھوڑا صحیح، مگر اللہ کے نام پر انسان دے۔ یہ صدقہ خیرات قیامت کے دن جہنم سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

خوف خدا کام آئے گا:

پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ ایک آدمی جہنم کے کنارے پر کھڑا ہے، قریب ہے کہ جہنم میں گر جائے، خوفِ خدا کا عمل آیا یعنی جو وہ اللہ سے ڈرتا تھا، خوف کھاتا تھا کہ میں اللہ کی نافرمانی نہ کروں۔ خوفِ خدا کے عمل نے آ کر اس کو جہنم میں گرنے سے روک لیا، بچا لیا۔

پھر فرمایا: میں نے دیکھا کہ آدمی اوندھے منہ جہنم کے اندر ڈال دیا گیا، گناہ زیادہ تھے، مگر اللہ کے خوف سے اس کی آنکھ سے آنسو نکلا تھا، یہ آنسو کے نکلنے کا عمل آیا اور جس طرح ڈوبتے کو دریا سے نکال لیا جاتا ہے اس نے جہنم میں غوطہ کھانے والے بندے کو جہنم سے نکال دیا۔

درود شریف کام آئے گا:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی پل صراط کے اوپر ہے اور وہ پھسلتا ہے، بار بار قدم بڑھاتا ہے، پھر پھسلتا ہے، ڈرتا ہے کہ نیچے

نہ گر جاؤں، بڑا گھبرایا ہوا، فرمایا کہ جو اس نے مجھ پر درود شریف پڑھا تھا وہ درود شریف کا عمل آیا اور اس نے ہوا کی تیز رفتاری سے جہنم کے اوپر کا پل صراط طے کروا دیا۔ تو درود شریف پڑھنا کتنا ضروری ہے!

کلمہ کام آئے گا:

پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ ایک بندہ جنت کے دروازے پر پہنچا، مگر دروازے کو بند پایا۔ یہ بھی بڑا پریشان ہوا، مگر کلمہ کا عمل آیا اور کلمے نے اس کے لیے جنت کے دروازے کو کھلوا دیا۔

اچھے اخلاق کام آئیں گے:

اور پھر فرمایا کہ ایک بندے سے اللہ ناراض تھے اور اللہ اور بندے کے درمیان ایک پردہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ﴾

(آل عمران: ۷۷)

''نہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ گفتگو کرے گا، نہ انہیں پاک کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا''

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ بھی نہیں رہے اور بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک پردہ ہے، حجاب ہے۔ اس حالت میں وہ بندہ بڑا پریشان تھا، اس بندے کے اچھے اخلاق آئے اور ان کے اخلاق نے درمیان کے پردے کو اٹھا دیا اور بندے کو اپنے رب کا دیدار نصیب ہو گیا۔

معلوم ہوا کہ اگر کامیابی نصیب ہو گی تو اعمال کے ذریعے سے نصیب ہو گی۔ اعمال کے بغیر بندے کو فلاح نہیں مل سکتی، کامیابی نہیں مل سکتی۔

ایمان مفصل......ایک عہد، ایک وعدہ

ہم جو ایمان لائے تو اس میں ہم نے اللہ رب العزت کے سامنے ایک عہد کیا، ایک وعدہ کیا ہے۔ ایمان مفصل پر اگر غور کریں تو اس میں ہم نے اللہ سے بڑے وعدے کیے۔ ذرا توجہ فرمائیں! ایمان مفصل میں ہم نے اللہ رب العزت کے ساتھ کیا وعدے کیے؟

اللہ پر ایمان کی حقیقت:

سب سے پہلے ہم نے کہا: آمَنْتُ بِاللّٰهِ "میں اللہ پر ایمان لایا۔" اللہ پر ایمان لانے کا مقصد کیا؟ ایمان لانے کا مقصد یہ کہ اے اللہ! فاعلِ حقیقی آپ کی ذات ہے، یہ دنیا اسباب سے چلتی ہے اور مسبب الاسباب آپ ہیں۔ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے، آپ کے اشارے سے ہو رہا ہے۔ ہمیں نہ چیزوں سے امیدیں ہیں اور نہ چیزوں کی ہمیں ضرورت ہے، ہمیں تو آپ کو راضی کرنے کی ضرورت ہے۔ "اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتے ہیں چیزوں کے بغیر اور چیزیں کچھ بھی نہیں کر سکتیں اللہ کے بغیر"۔ اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہی بات کھولی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو معجزے دیے۔ دونوں معجزوں کے پیچھے ایکمقصد ہے۔

پہلے معجزے کا مقصد:

پہلا معجزہ کیا؟ کہ عصا کو زمین پر ڈالا اور وہ اژدھا بن گیا، پھر اژدھا کو جب پکڑا تو وہ دوبارہ عصا بن گیا۔ اللہ رب العزت نے یہاں ایک بات کھولی کہ اے موسیٰ! آپ کہہ رہے تھے کہ یہ عصا بڑے کام کی چیز ہے۔

﴿ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴾
''میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں، بکریوں کو میں اس سے چارہ بہم پہنچاتا ہوں اور میرے لیے اس میں بڑے فائدے ہیں''

تو جو فائدے کی چیز آپ سمجھ رہے تھے، جب اس کو آپ نے ہمارے حکم سے زمین پر ڈالا تو وہ ایسی نقصان دینے والی چیز بنی کہ آپ بھاگنے لگے اور جس کو آپ نقصان دہ سمجھ رہے تھے، اس سے بھاگ رہے تھے، ہمارے حکم سے جب آپ نے اس کو دوبارہ ہاتھ لگایا، ہم نے دوبارہ اس کو نفع دینے والی چیز میں بدل دیا۔ معلوم ہوا کہ نفع اور نقصان چیزوں میں نہیں ہوتا، بلکہ ہمارے حکم کے ساتھ ہے۔ اللہ چاہتے ہیں تو دودھ کو بندے کی صحت کا ذریعہ بنا دیتے ہیں، اسی سے بندہ موٹا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ چاہتے ہیں تو دودھ پینے سے Food poisning ہوتی ہے اور بندہ موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ یہی دودھ زندگی کا سبب ہے اور یہی دودھ انسان کی موت کا سبب۔ اس میں زندگی اور موت کے اثرات کس نے ڈالے؟ اللہ رب العزت نے۔

مومن کی نظر ہمیشہ اللہ رب العزت پر ہوتی ہے۔ وہ اللہ سے امیدیں رکھتا ہے، بندوں سے امیدیں نہیں لگاتا۔ آج کیا اللہ تعالیٰ پر یقین ہے؟...... نہیں! ہم سوچتے ہیں ہمارا کارخانہ ہمیں پالتا ہے...... ہمارا دفتر ہمیں پال رہا ہے...... بزنس ہمیں پال رہا ہے...... کھیتی ہمیں پال رہی ہے...... ہم اسباب کی طرف دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تمہیں کوئی نہیں پال رہا، بلکہ تمہارا پروردگار پال رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف نظر نہیں۔ بندے کی اللہ کی طرف نظر ہو تو وہ آدمی حرام کی طرف کیوں ہاتھ بڑھائے؟ اس کو تو پتہ ہی ہوگا کہ جب میرے اللہ نے مجھے دینا ہے تو وہ حلال طریقے سے دے گا۔ اس لیے وہ دھوکہ نہیں دے گا، وہ جھوٹ

نہیں بولے گا، وہ رشوت نہیں لے گا، امانت میں خیانت نہیں کرے گا، وہ تمام گناہوں سے بچے گا، کیونکہ اس کے دل میں یہ ہوگا کہ میرا اللہ مجھے رزق دینے والا ہے، وہ یقیناً مجھے رزق پہنچا کر رہے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے یہ بات کھولی۔

دوسرے معجزے کا مقصد:

دوسرا معجزہ ''ید بیضا'' کا دیا، اس میں بھی ایک علمی نکتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ تم اپنے ہاتھ کو بغل میں لے جاؤ! نکالا تو وہ بہت منور ہو گیا، روشن ہو گیا۔ اس روشن ہونے میں کیا مطلب؟ مطلب یہ کہ اے میرے پیارے موسیٰ! کبھی ہم شکلوں کو بدلتے ہیں، جیسے عصا کی شکل کو ہم نے سانپ کی شکل میں بدل دیا، پھر سانپ کی شکل کو ہم نے عصا کی شکل میں بدل دیا۔ اور جب چاہتے ہیں ہم چیزوں کی خاصیت بھی بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ یہ تمہارا ہاتھ تھا اس کو منور ہونے سے کیا کام؟ لیکن ہمارے حکم پر جب آپ نے ہاتھ بغل میں ڈالا اور نکالا تو منور کر دیا۔ اللہ نے دو باتیں دکھا دیں۔

رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے:

تو مومن کا اللہ کے ساتھ ایمان پکا ہو، کہ مجھے جو کچھ ملنا ہے اللہ سے ملنا ہے۔ اچھا! جس کو اللہ سے ملنے کا پکا یقین ہوگا، کیا وہ قبروں پہ مانگنے کے لیے جائے گا؟...... وہ مزاروں پہ مانگنے کے لیے جائے گا؟...... وہ تعویذ والوں کے پیچھے پھرے گا؟ او جی! لگتا ہے میرا رزق کسی نے باندھ دیا...... کیسا کفریہ کلمہ ہے! ایسے لگتا ہے کہ یہ لوگ چھوٹے چھوٹے خدا بنے پھر رہے ہیں، عامل نے

ہمارا رزق باندھ لیا۔ عامل کی کیا اوقات؟ کیا پدی، کیا پدی کا شوربہ؟ یہ عامل کیا لگے اور بندے کا رزق باندھنا کیا لگے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ ﴾ (الذاریات: ۲۲)

''تمہارا رزق آسمانوں میں ہے''

﴿ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ﴾

''جو بھی چیز ہے ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں''

﴿ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ (الحجر: ۲۱)

''ہم ایک معلوم اندازے سے اتارتے ہیں''

رزق تو اللہ اتارتے ہیں، فرماتے ہیں:

﴿ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ ﴾ (الزخرف: ۳۲)

''ہم نے ان کے درمیان معیشت کو تقسیم کیا''

اور ہم کیا سمجھتے ہیں؟ او جی! لگتا ہے کسی نے رشتہ باندھ دیا، کاروبار باندھ دیا۔ یہ بالکل شرک کے قریب کی بات ہے، ایسا کبھی بھی نہیں سوچنا چاہیے۔ نہ کوئی باندھ سکتا ہے اور نہ کوئی کھول سکتا ہے، یہ اختیار فقط میرے پروردگار کے پاس ہے۔ تو عاملوں کے پیچھے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ ایمان خراب ہوتا ہے۔ تعویذوں کے پیچھے بھاگنے کی کیا ضرورت ہے؟ اعمال پر توجہ نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ ہمیں دشمنوں نے بڑا پریشان کیا ہوا ہے۔ میں بعض دوستوں کو کہتا ہوں کہ آپ کو دشمنوں نے پریشان نہیں کیا، آپ کو آپ کے اپنے شریر نفس نے پریشان کیا ہوا ہے۔ ادھر دھیان نہیں آتا کہ ہمیں ہمارے خبیث نفس نے پریشان کیا ہے۔

امید فقط اللہ سے:

جب ہم نے آمَنْتُ بِاللّٰهِ کہا، تو ہم نے ساری امیدیں اللہ رب العزت کے ساتھ لگا دیں۔ جو ہمیں ملے گا، کس سے ملے گا؟ اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ اب سوچیے! آج امیدیں کہاں لگی ہوئی ہیں؟

بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے ناامیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

تو جب ہم نے کہا: آمَنْتُ بِاللّٰهِ تو گویا ہم نے اللہ کے ساتھ عہد کر لیا کہ اے مالک! آج کے بعد ہم تمام اعمال کا فاعلِ حقیقی آپ کی ذات کو سمجھتے ہیں فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ آپ کی شان ہے، جو ہو رہا ہے آپ کی مرضی سے ہو رہا ہے، ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ایسا بندہ جو اللہ کی طرف رجوع کرے گا، پریشانی میں اللہ تعالیٰ کی رحمت آئے گی۔

بچے کی مثال:

ہم سے تو بچہ ہی زیادہ اچھا ہے۔ بچے کو ہم نے دیکھا کہ ماں کئی دفعہ جھڑکی دیتی ہے تو پھر بھی ماں کے پیچھے پیچھے۔ کہتی ہے: میں بڑی مصروف ہوں مجھے کام کرنے دو! تنگ نہ کرو، پھر بھی ماں کے پیچھے۔ اور کئی دفعہ تھپڑ لگا دیتی ہے، پھر بھی ماں کے پیچھے۔ ہم نے دیکھا کہ بچہ تھپڑ کھا کر بھی ماں ہی کے سینے سے لپٹتا ہے۔ کاش! ہم دنیا میں اس قسم کی مصیبتوں میں گرفتار ہوتے تو ہم بھی اپنے پروردگار کے قدموں میں سر رکھ دیتے، ہم بھی اللہ کے در پر آ جاتے۔ مولا! آپ کے در کو ہم نے نہیں چھوڑنا۔ ہم سے تو نمازیں ہی چھوٹ جاتی ہیں۔ کئی نمازوں کے لیے مسجد میں نہیں آتے۔ او جی! کاروبار کے کچھ حالات ٹھیک نہیں، ٹھیک ہوں گے تو

میں آؤں گا۔ واہ! کاروبار ٹھیک نہیں، جو دروازہ سب سے پہلے چھوٹا وہ خدا کا دروازہ تھا۔ اپنے گھر کا دروازہ تو نہیں چھوڑا، وہاں تو روز جاتا ہے، سسرال کے دروازے کو بھی نہیں چھوڑا۔ چھوڑا تو کس دروازے کو؟ خدا کے دروازے کو چھوڑا۔

مانگنا غیر سے، شکوے اللہ سے:

بندے کی بھی عجیب بات ہے۔ مانگنے کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے بندوں کے سامنے اور جب بندوں سے کچھ نہیں ملتا تو ناراض ہو جاتا ہے اپنے پروردگار سے کہ کام نہیں ہوا۔ بھئی! اللہ کے سامنے آپ ہاتھ پھیلاتے پھر دیکھتے۔ اگر ہم اسباب پر ایک چھٹانک محنت کریں، ہمیں اللہ سے منوانے کے لیے ایک من محنت کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے یہ دنیا کے جغرافیے دن میں نہیں بدلتے، یہ راتوں کو بدلا کرتے ہیں، جب ہاتھ اٹھتے ہیں نا! پھر اللہ تعالیٰ جغرافیے بدلا کرتے ہیں، مقدروں کے فیصلے اللہ کر دیتے ہیں۔

فرشتوں پر ایمان کا مطلب:

پھر اس کے بعد ہم نے کہا: وَمَلٰٓئِكَتِهٖ (اس کے ملائکہ پر ایمان لائے)۔ مقصود کیا تھا؟ مقصود یہ یقین تھا کہ مومن کے ساتھ دنیا کا ظاہری نظام ہو یا نہ ہو، لیکن یہ ایمان اور اعمال پر پکا ہوگا تو اللہ کا غیبی نظام ضرور اس کی پشت پناہی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! اگر تم مدد نہیں کرو گے تو اللہ اپنے محبوب کا مولیٰ ہے اور جبرئیل بھی ان کے دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مدد کے لیے فرشتوں کو بھیجتے ہیں۔ تو جب یہ یقین ہو کہ میں اپنی شریعت کی بات پر استقامت کے ساتھ ڈٹا رہوں گا تو ظاہری نظام موافق ہو یا مخالف

ہو، اللہ کا غیبی نظام ضرور میرے ساتھ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو جو فتح فرمائی وہ اسی غیبی نظام کے ذریعے فرمائی۔

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ (آل عمران: ۱۲۳)

دیکھا! فرشتے اترتے ہیں پھر

فضائے بدر پیدا کر! فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اب بھی فرشتے اتر سکتے ہیں، اگر ہم ایمان لانے کے بعد نیک اعمال پر جم جائیں۔

کتابوں پر ایمان کا مطلب:

پھر فرمایا: وَكُتُبِهٖ اور کتابوں پر ایمان لے آئے۔ اس کا کیا مطلب؟ کہ اے اللہ! ہمیں علومِ الٰہیہ کے اوپر بھی یقین ہے۔ یعنی جو آپ نے قرآن میں بتادیا کہ یہ کرو اس میں کامیابی اور جو کہا نہ کرو اس میں ناکامی۔ گویا ہمیں احکامِ خداوندی پر ایسا یقین آجائے۔

رسولوں پر ایمان کا مطلب:

پھر فرمایا: وَرُسُلِهٖ اور اللہ کے رسولوں پر ایمان۔

کیا مطلب؟ کہ یقین دل میں آجائے کہ اگر ہم نبی ﷺ کی سنت کی اتباع کریں گے تو زندگی کامیاب ہوگی اور اگر اس کی مخالفت کریں گے تو زندگی ناکام ہوگی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: ۸۰)

''جس نے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی ایسا ہی ہے جیسے اس نے

اللہ کی اطاعت کی''

تو نبی ﷺ کی سنت کی عظمت دل میں آجائے کہ ان اعمال کو اپنانے سے ہمیں اللہ کی طرف سے رحمت ملے گی۔

روزِ آخرت پر ایمان:

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (اور قیامت کے دن پر بھی ایمان۔)

کیا مطلب؟ کہ ہمیں آخرت کے دن پر یقین ہو کہ نیک اعمال سے قیامت کے دن عزت ملے گی اور برے اعمال سے قیامت کے دن ذلت ملے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ (التحریم:۸)

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے، رسوا نہیں ہونے دے گا''

تو اگر یقین پکا ہو گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت نہیں دے گا۔ ہم لوگ تو دو بندوں کے سامنے ذلت برداشت نہیں کر سکتے۔ بیوی کو اگر خاوند دو بندوں کے سامنے ڈانٹ دے، ایک کے سامنے ڈانٹ دے، دن روتے گزر جاتا ہے۔ او جی! لوگوں کے سامنے اس نے ڈانٹا۔ تو بھئی! قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے معاملہ کھلے گا پھر کیا بنے گا؟ اسی لیے کہنے والے نے کہا:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
گر تو می بینی حسابم نہ گرے
از نگاہ مصطفی پنہاں بگیر

''اے اللہ! تو دو عالم سے غنی ہے، میں فقیر ہوں۔ قیامت کے دن اللہ! میرے عذروں کو قبول کر لیجیے گا۔ اللہ! اگر آپ فیصلہ کر لیں کہ میرا حساب لینا لازمی، ضروری ہے تو اللہ! مصطفی کریم ﷺ سے میرا حساب اوجھل کر کے لے لینا۔ مجھے ان کے سامنے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔''

قیامت کے دن عزت اور ذلت کیسے ملتی ہے؟ اس کا یقین آ جائے۔

قضا وقدر پر یقین کا مطلب:

اور پھر فرمایا:

وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللهِ تَعَالٰى

''قضا اور قدر پر بندے کا یقین''

کیا مطلب؟ مقصد یہ کہ اے بندے! اچھے حالات بھی اللہ کی طرف سے آتے ہیں اور برے بھی آزمائش بن کے اللہ کی طرف سے آتے ہیں۔ لہٰذا اچھے حالات آئیں تو اترائے نہیں اور برے حالات آئیں تو گھبرائے نہیں۔ اللہ کی ذات پر ایسا یقین ہو۔

موت کے بعد کھڑے ہونے کا یقین:

پھر فرمایا: وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

(اور موت کے بعد قیامت کے دن کھڑے ہونے پر بندے کو یقین)

جب قیامت کے دن کے بعد کی زندگی پر یقین ہوگا تو بندہ پھر اگلے جہان کے لیے بھی تیاری کرے گا، موت کے لیے بھی تیاری کرے گا اور اگر یہ یقین ہو کہ یہی دنیا کا گھر ہے تو سارا دن اسی میں لگا رہے گا اور اگر آخرت کے گھر کی بھی فکر ہوگی تو انسان اعمال میں لگے گا، تاکہ اللہ تعالیٰ جنت میں گھر عطا

فرمادیں۔

آج ایمان بنانے کی ضرورت ہے:

چنانچہ یہ جوکلمہ پڑھا جاتا ہے، اس میں ان تمام اعمال کا یقین بندے کو حاصل کرنا ہوتا ہے، اس پر انسان کو اللہ رب العزت کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں ملتی ہیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایمان پر محنت کی، فرمایا:

تَعَلَّمْنَا الْاِيْمَانَ قَبْلَ اَنْ نَّتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ

(ابن ماجہ، رقم:٦٠)

''ہم نے پہلے ایمان سیکھا، پھر قرآن سیکھا''

توچونکہ ایمان بن چکا تھا، اللہ نے ان کو دنیا میں عزتیں عطا فرمادیں۔

ایمان والے کا حکم کرۂ ارض پر چلتا ہے:

جب اللہ تعالیٰ پر ایمان پکا ہو، یقین کامل ہو تو یہ مومن خلیفۃ اللہ فی الارض ہوتا ہے۔ذرا غور کیجیے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفۂ وقت تھے۔اللہ نے وہ شان عطا فرمائی کہ زمین پر ان کا حکم چلتا تھا۔دیکھیں! اللہ کی مخلوق چار چیزوں سے بنی آگ، ہوا، پانی اور مٹی۔چاروں پر ان کا حکم لاگو ہوتا تھا۔

✪......چنانچہ ایک مرتبہ زمین پر زلزلہ آیا، عمر رضی اللہ عنہ نے زمین پر ایڑی ماری اور فرمایا: کہ اے زمین! تو کیوں ہلتی ہے، کیا عمر نے تیرے اوپر عدل قائم نہیں کیا؟ان کی یہ بات سن کر زمین کا زلزلہ رک گیا، زمین پر حکم چل رہا ہے۔

✪......پھر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، فرماتے ہیں: ''یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلْ'' ہوا ان کے پیغام کو سینکڑوں میل دور پہنچا دیتی ہے، ہوا پر حکم چل رہا ہے۔

(البدایہ والنہایہ:۱۴۸/۷)

✿......دریائے نیل کا پانی نہیں چلتا، دریائے نیل کو رقعہ لکھتے ہیں:
''دریائے نیل! اگر اپنی مرضی سے چلتا ہے تو نہ چل اور اگر اللہ رب العزت کے حکم سے چلتا ہے تو امیر المومنین، اللہ ہی سے درخواست کرتا ہے کہ تجھے چلائے''
دریائے نیل چلنا شروع کر دیتا ہے، آج تک دریائے نیل کا پانی چل رہا ہے۔
عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عظمتوں کے پھریرے لہرا رہا ہے۔ (البدایہ والنہایہ:۲۹/۱)

✿......مدینہ طیبہ کی ایک طرف سے آگ نکلتی ہے، جس کو ''حرہ شرقیہ'' کہتے ہیں اور وہ بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ تمیم داری رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہیں کہ جائیں اور اس آگ کو واپس دھکیلیں۔ تمیم داری رضی اللہ عنہ نے آگ کے پاس جا کر چادر کو چابک کی طرح استعمال کیا، جیسے انسان کسی حیوان کو واپس اپنی جگہ دھکیلتا ہے، وہ چادر کے ذریعے آگ کو چابک مارتے گئے اور آگ کو واپس دھکیلتے گئے، حتی کہ جہاں سے آگ نکلی تھی وہیں پہ واپس چلی گئی۔ (البدایہ والنہایہ:۱۶۹/۶)

تو دیکھیے! ایمان کے بنانے کی وجہ سے ہوا پر حکم چلتا ہے، پانی پر حکم چلتا ہے، زمین پر حکم چلتا ہے، آگ پر حکم چلتا ہے۔ صحیح شہنشاہی تو یہی ہے۔ اسی لیے کہنے والے نے کہا:

ہم فقیروں سے دوستی کر لو
گر سکھائیں گے بادشاہی کا

بندہ جب اللہ کے در پر جھکتا ہے اور نیک اعمال کرتا ہے تو اللہ فقیری میں اس کو شاہی کا رنگ عطا فرما دیتے ہیں۔

✿......چنانچہ صحابہ میں سے سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ جا رہے تھے،

آگے دشمن کی فوج ہے اور درمیان میں دریا۔ اللہ کی شان! انہوں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے اور گھوڑے چلتے چلتے بالآخر دریا کے دوسرے کنارے تک پہنچ گئے۔ اللہ اکبر کبیرا! اور آگے جا کر انہوں نے پوچھا کہ کسی کی کوئی چیز دریا میں گری تو نہیں؟ ایک صحابی نے کہا کہ میرا لکڑی کا پیالہ تھا، وہ دریا میں گر گیا ہے۔ دریا کو حکم دیتے ہیں کہ لکڑی کا پیالہ واپس کر! ایک پانی کی لہر آتی ہے اور لکڑی کے اس پیالے کو بھی کنارے پر ڈال جاتی ہے۔

(البدایہ والنہایہ : ۷۶۷)

لگاتا تھا تو جب نعرہ تو خیبر توڑ دیتا تھا
حکم دیتا تھا دریا کو ، رستہ چھوڑ دیتا تھا

تو ایمان بنانے پر اللہ رب العزت بندے کو دنیا میں بھی ایسی کامیابی عطا فرما دیتے ہیں۔

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت دوسری امم پر:

یہاں پر طلبا کے لیے کچھ علمی نکات ملاحظہ ہوں:

✪......ایک بنی اسرائیل نے دریا عبور کیا تھا اور ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریا عبور کیا تھا، دونوں میں فرق دیکھ لیجیے، دل کے کانوں سے توجہ کے ساتھ سنیے!

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دریائے نیل کے کنارے پر پہنچے، پیچھے فرعون اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ آیا۔

﴿قَالَ اَصْحَابُ مُوْسٰى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ﴾

’’کہا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہ اب ہم پکڑ لیے گئے‘‘

اب ہم دھر لیے گئے۔ اس وقت ایک یقین بھری آواز اٹھی، سیدنا موسیٰ

علیہ السلام نے فرمایا:

﴿اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ﴾

''میرے ساتھ میرے رب کی معیت ہے، ضرور راستے کی رہنمائی فرمائے گا''

میرا اللہ میرے ساتھ ہے، تو دیکھیں! سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مَعِیَ کا لفظ استعمال کیا ''میرا رب میرے ساتھ ہے'' تو معلوم ہوا کہ موسی علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت تھی۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے دریا میں راستے بنا دیے، بارہ راستوں سے بارہ قبیلے راستہ پار کر گئے۔ ادھر ذرا امت محمدیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام دیکھیے!

نبی علیہ السلام ہجرت کے وقت غارِ ثور میں پہنچے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گھبرا رہے ہیں کہ کافر نہ آجائیں، کہیں نبی علیہ السلام کو تکلیف نہ پہنچے۔ ماں کو جس طرح بچے سے محبت زیادہ ہو تو اس کے لیے پریشانی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت زیادہ تھی تو ان کے لیے پریشانی بھی زیادہ تھی۔ تو جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پریشان ہیں، تو فرمایا:

﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا﴾

''آپ گھبرائیے نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے''

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی معیت میں ساتھ شامل فرما دیا۔ یہ معیت کبریٰ فقط نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نہیں، بلکہ آپ کی امت کے صدیقین کے ساتھ بھی ہے۔ مَعَنَا کا لفظ استعمال کیا، یہ ایک بات ہوئی۔

✿......دوسری بات دیکھیے! حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا، اپنے والد کو

سنایا کہ میں نے گیارہ ستارے دیکھے:

﴿اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ﴾ (یوسف: ۴)

''میں نے دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں''

یعقوب علیہ السلام نے خواب کی تعبیر سمجھ لی اور اپنے بیٹے کو یہ بات کہی:

﴿كَذٰلِكَ یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ﴾

''اسی طرح آپ کا رب آپ کو قبول کرے گا''

ہاں! آپ کا پروردگار آپ کو قبول کر لے گا۔

تو دیکھیے! کہنے والے بھی اللہ کے نبی ہیں اور جن کے بارے میں کہا وہ بھی ہونے والے نبی، مگر صیغہ مضارع کا استعمال کیا گیا، یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ تیرا پروردگار تجھے اپنے لیے خاص کر لے گا، لیکن جب اس امت کا معاملہ آیا تو اللہ رب العزت نے حال کا صیغہ بھی استعمال نہیں کیا، بلکہ فرمایا:

هُوَاجْتَبٰكُمْ ''وہ پروردگار جس نے تمہیں اپنے لیے خاص کیا''

ماضی کا صیغہ استعمال کیا، اللہ تمہیں اپنے لیے چن چکا۔ اللہ اکبر! کیا شان اللہ نے عطا فرمائی!!

﴿هُوَاجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (حج: ۷۸)

اللہ اکبر! یہاں ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔

✪ ......پھر نبی علیہ السلام کے صحابہ بھی دریا میں چلے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے صحابہ بھی

دریا میں چلیے۔ ذرا فرق دیکھیے گا۔ توجہ فرمائیے! کہ وہاں موسیٰ علیہ السلام کی قوم۔ کے ساتھ وقت کے نبی ہیں، ان کی معیت میں وہ دریا پار کر رہے ہیں۔ اور یہاں دریا پار کرتے ہوئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود موجود نہیں ہیں، فقط صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ فرق دیکھیے! وہ وقت کے نبی کی معیت میں چل کر جاتے ہیں: دریا اتر جاتا ہے۔ یہاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں، فقط صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور صرف صحابہ دریا عبور نہیں کرتے، اپنے ساتھ گھوڑوں کو بھی لے کر جاتے ہیں۔

⊛...... اور فرق دیکھیے! سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ان کی روحانی طاقت کوہِ طور پر لے گئی، چنانچہ فرمایا:

﴿وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا﴾ (الاعراف: ۱۴۳)

''جب موسیٰ علیہ السلام آئے کوہِ طور پر''

تو ان کے وہاں آنے کا تذکرہ کیا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاملہ آیا تو اللہ فرماتے ہیں:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی﴾ (الاسراء: ۱)

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے محبوب کو تھوڑے سے وقت میں مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک پہنچا دیا''

وہاں آئے، یہاں بلائے گئے۔ ایسے ہی ہوتا ہے نا! بعض لوگ ملنا چاہتے ہیں ان کو خطاب دے دیا جاتا ہے، بھئی! آپ ہمارے گھر ملنے کے لیے آ جانا۔ اور کبھی کوئی بچپن کا محبوب کلاس فیلو مل جائے، بندہ ہاتھ پکڑ کر کہتا ہے: گھر چلو یار! آج مل کر کھانا کھاتے ہیں۔ ادھر آنے کا راستہ بتا دیا، ادھر اس کو ہاتھ پکڑ کر خود

اپنے گھر پہنچا دیا۔ تو نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو بھیج کر اپنے پاس بلوا لیا۔

✿......اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ﴾

''اے اللہ! میرے سینے کو کھول دے''

اور جب نبی علیہ السلام کا معاملہ آیا تو اللہ نے فرمایا:

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾

''کیا ہم نے آپ کے سینے کو کھول نہیں دیا؟''

✿......پھر ذرا دیکھیے کہ ادھر ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام چھوڑ کر گئے کہ میرے بعد قوم کا خیال رکھنا۔ اب قوم نے بات نہ مانی تو ہارون خوف کھانے لگے کہ کہیں بٹ نہ جائیں اور مجھے الزام نہ دیا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے تو انہوں نے آ کر سختی کی تو ہارون علیہ السلام کو کہنا پڑا:

﴿يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَأْسِيْ﴾ (طٰہٰ:۹۴)

''اے میری ماں کے بیٹے! نہ پکڑ میرے داڑھی اور سر کے بال''

تو یہ کہنا پڑا، لیکن اللہ نے دنیا میں نبی علیہ السلام کو جو وزیر عطا کیے یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، ان کی دین پر استقامت کا یہ معاملہ تھا کہ جب اسامہ رضی اللہ عنہ کا جیش بھیجنے کا معاملہ تھا، تو ہرقلِ روم دو لاکھ فوج کو لے کر آیا ہوا تھا، حملہ کرنا چاہتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بھیج تو دیا، مگر طبیعت ناساز تھی، تو ان کی اہلیہ نے ان کو پیغام بھیجا: جانے میں جلدی نہ کرنا، انتظار کر لینا۔ نبی علیہ السلام نے پردہ فرما لیا۔ لشکر قریب تھا، وہ بھی اس میں شریک ہو گیا۔ اب لشکر بھیجنے کا فیصلہ ایک مشکل فیصلہ

تھا۔ چونکہ مدینہ پر حملہ کے لیے کافر دولاکھ فوج لے کر آ رہا تھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم بڑے تذبذب میں تھے، وہ سمجھ رہے تھے کہ یا تو لشکر کو ابھی نہ بھیجیں اور بھیجیں تو پھر کسی بزرگ تجربہ کار بندے کو امیر بنا کر بھیجیں، اسامہ رضی اللہ عنہ تو چھوٹی عمر کے نوجوان ہیں ۔ چنانچہ انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ آئے اور آ کر کہنے لگے: ابوبکر! اگر آپ نے لشکر کو بھیج دیا تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں مدینہ کی عورتوں کو آنے والے دشمن لے نہ جائیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی داڑھی کو پکڑ کر فرمایا:

عمر! اکیلے بھی جانا پڑے گا تو میں جاؤں گا اور اللہ کے حکم کو پورا کر دکھاؤں گا، اگر مجھے پکا یقین ہو کہ مدینہ کی عورتوں کو جنگل سے جانور آ کر نوچ لیں گے، لاشیں گھسیٹیں گے، میں اس کو بھی قبول کرلوں گا، مگر میں اس لشکر کو اللہ کے راستے میں ضرور بھیجوں گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم عنہم فرماتے ہیں کہ ہم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی استقامت پر حیران رہ گئے کہ جیسے ایک نبی استقامت کے ساتھ کھڑا ہو کر اللہ کے حکم کو لاگو کر لیتا ہے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے محبوب کی صحبت میں بیٹھنے کا حق ادا کر دیا۔ (السیرۃ الحلبیۃ: ۳/ ۲۳۰، البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۳۶)

✿...... جب موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ جائیے اپنی قوم کے ساتھ ملک میں داخل ہو جائیے، فتح ہو گی، تو بنی اسرائیل والے سارے کے سارے گھبرا کر بیٹھ گئے، کہنے لگے:

﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴾ (المائدۃ: ۲۴)

’’آپ جائیں اور آپ کا پروردگار، ان سے قتال کرلیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں‘‘

لیکن جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کا معاملہ آیا تو نبی علیہ السلام نے میدانِ بدر میں

صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ سامنے لوہے سے لدی ہوئی فوج ہے، بتاؤ! کیا کریں ؟ سعد رضی اللہ عنہ اٹھ کر کھڑے ہوتے ہیں، کہتے ہیں: اے اللہ کے پیارے حبیب! اگر آپ حکم دیں کہ دریا میں چھلانگ لگا دو تو ہم آپ کے غلام ہیں، سمندر میں چھلانگ لگا دیں گے۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہہ رہے تھے کہ آپ جائیں اور آپ کے رب جائیں، قتال کریں، ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم ساتھ چھوڑنے والے نہیں، ہم تو جانیں لٹانیں والے ہیں۔ دیکھیں! اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا ایمان اور استقامت والی جماعت عطا فرمائی تھی، استقامت والی جماعت عطا فرمائی تھی! جیسے شاگرد کے کمالات سے استاد پہچانا جاتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کے کمالات سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان سامنے آتی ہے۔

اپنی ذات پر محنت کی ضرورت ہے:

تو ہمیں اگر اچھی زندگی گزارنی ہے تو ہمیں اپنے اوپر محنت کرنی پڑے گی، اور یہ محنت ہم کیسے کر سکتے ہیں؟ جب اعمال کو اپنائیں گے۔ تو آج کی جو مجلس ہے اس کا محور، نچوڑ اور خلاصہ یہ ہے کہ ایمان ہم لا چکے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں، اب نیک اعمال رہ گئے ہیں، اس میں ہم محنت کریں اور اپنی زندگی کو نیک اعمال سے مزین کریں۔ جیسے کوئی بندہ کسی گم شدہ چیز کی تلاش میں ہوتا ہے، ہم نیک اعمال کو اسی طرح ڈھونڈیں اور اپنائیں۔

تین باتیں......لوہے کی لکیر

ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ تین باتیں لوہے کی لکیر ہیں۔ ذرا توجہ کے

ساتھ سن لیجیے!

پہلی بات:

مَنْ عَمِلَ لِاٰخِرَتِهٖ كَفَاهُ اللّٰهُ دُنْيَاهُ

''جو آدمی آخرت کے لیے عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دنیا کے کاموں کے لیے کافی ہوجاتا ہے''

اللہ تعالیٰ ذمہ داری لے لیتے ہیں۔ تم آخرت کے لیے تیاری کرو، اللہ فرماتے ہیں: میں پروردگار تمہارے دنیا کے کاموں کا معین اور مددگار بنتا ہوں۔

دوسری بات:

مَنْ اَصْلَحَ سَرِيْرَتَهٗ اَصْلَحَ اللّٰهُ عَلَانِيَتَهٗ

''جو اپنی خلوت کو درست کرتا ہے، اللہ اس کے ظاہر کو درست کرتے ہیں''

یعنی جو آدمی خلوت کے معاملات کو درست کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کے معاملات کو بھی درست فرما دیتے ہیں۔

تیسری بات:

مَنْ اَصْلَحَ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ اَصْلَحَ اللّٰهُ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّاسِ

''جو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق کو درست کرتا ہے، اللہ اس کے اور مخلوق کے درمیان تعلق کو درست رکھتا ہے'' (حلیۃ الاولیاء: ۴/ ۲۴۸)

جو شخص اپنے اور اللہ کے درمیان کے تعلق کو اچھا کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ مخلوق کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتے ہیں اور اس کے اور مخلوق کے درمیان کے تعلق کو بھی اللہ اچھا کر دیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ محنت تو ہمیں اپنے اوپر کرنی

چاہیے۔ اگر ہم اپنے باطن کو ٹھیک کر لیں گے، اللہ ظاہر کو ٹھیک کر دیں گے۔ اگر ہم اپنے اور اللہ کے درمیان تعلق کو ٹھیک کر لیں گے، اللہ ہمارے اور بندوں کے درمیان تعلق کو ٹھیک کر دیں گے۔ اگر ہم اپنی آخرت پر محنت کر لیں گے، اللہ ہمارے دنیا کے کام سنوار دیں گے۔ تو محنت کا میدان کون سا بنا؟ اپنی ذات بنی۔ اس لیے آج ہماری نگاہیں دوسروں پر پڑتی ہیں، ان کے عیب ڈھونڈتی ہیں، کاش! یہ آنکھیں بند ہو جاتیں، یہ نگاہیں اپنے سینے پر پڑتیں کہ میرے اپنے اندر کیا چھپا ہوا ہے؟ یہ گردن جھکانا بڑا مشکل ہو گیا ہے، گردن کھڑی رہتی ہے، اس میں سریا ہوتا ہے۔ آنکھیں دوسروں کو دیکھتی ہیں، اپنے پر نظر نہیں پڑتی۔

اللہ کے وعدوں کا یقین:

بہر حال لب لباب یہ نکلا کہ چیزوں کے اندر تاثیر، یہ انسانی تجربہ ہے۔ اور اعمال کے اندر تاثیر، یہ خدا کا وعدہ ہے۔ بھئی! اپنے تجربے سے زیادہ خدا کے وعدے پر بھروسہ ہونا چاہیے۔ اگر ہم اپنے تجربے کے تحت بجلی کو ہاتھ نہیں لگاتے، اپنے تجربے کے تحت زہر نہیں پیتے، دور رہتے ہیں کہ یہ نقصان دہ ہے، تو پھر خدائی وعدہ تو یہ ہے کہ گناہ کرو گے تو عذاب پاؤ گے۔ ہم گناہوں سے کیوں نہیں بچتے؟ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم گناہوں سے بچیں، اللہ کی ناراضگی سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیں۔ یہ جو انسان کے گناہ ہیں، ان کے اوپر اللہ کی ناراضگی آتی ہے۔

لینے والا مزاج:

آج پوری دنیا میں آپ گھوم کر دیکھ لیں، لوگوں کا لینے کا مزاج بنا ہوا ہے۔ ہر بندہ لینا چاہتا ہے، ہر کسی سے لینا چاہتا ہے۔ لینے کا مزاج، جھوٹ...... لینے

کے لیے دلیل، سود...... لینے کی دلیل، دھوکہ...... لینے کی دلیل، خیانت...... لینے کی دلیل، غبن...... لینے کی دلیل، چوری...... لینے کی دلیل، ڈکیتی...... لینے کی دلیل، ناپ تول میں کمی بیشی...... لینے کی دلیل۔ تو یوں لگتا ہے کہ عمومی مزاج ہی لینے کا بن گیا ہے۔

دینے والا مزاج:

اور شریعت کو دیکھو کہ وہ مومن کو کہتی ہے کہ تم دینے کا مزاج بناؤ۔ یا اللہ! دینے کا مزاج؟ کہا: ہاں! تم مومن ہو، لینے کا مزاج نہیں رکھنا، دینے کا مزاج رکھنا ہے۔ کیسے دیں؟ فرمایا: زکوٰۃ دو! تمہارے مال میں غریبوں کا حق ہے۔

﴿ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴾

(معارج: ۲۵،۲۴)

''اور جن کے مالوں میں حصہ مقرر ہے، سوالی اور غیر سوالی کے لیے''

زکوٰۃ دو! اچھا اللہ! زکوۃ دے دی۔ فرمایا: کھیتی کرتے ہو، عشر ادا کرو! اچھا اللہ! عشر بھی ادا کر دیا۔ فرمایا: اللہ کے راستے میں نفلی صدقات بھی دو! صدقہ بھی کرو! اچھا اللہ! ہم نے یہ صدقہ بھی کر لیا۔ فرمایا: ایک دوسرے کو ہدیہ بھی دو!

تَهَادَوْا تَحَابُّوْا (الادب المفرد، حدیث: ۵۹۴)

''تم ہدیہ کرو گے، محبتیں بڑھیں گی''

دینے کا مزاج دیکھو! زکوۃ دینا، عشر دینا، صدقہ دینا، ہدیہ دینا، ہبہ کرنا۔ اللہ! آپ مومن کو کہتے ہیں: دے دے، دے گا تو لے گا کہاں سے؟ فرمایا: میرے بندے! بات کو سمجھو، میرے آگے ہاتھ کو پھیلاؤ، میں تمہاری

جھولیاں بھر دوں گا۔ تم ہاتھ بڑھاؤ، تم لوگوں کو دو، تم لوگوں کی جھولیاں بھرو گے، مجھ سے مانگو گے، میری مخلوق بن جاؤ گے۔ لوگوں کو دو گے تو تم لوگوں کے محبوب بن جاؤ گے۔ عزتوں والی زندگی گزارنے کا طریقہ میں تمہیں بتاؤں گا: اللہ سے لے، اللہ کی مخلوق کو دے، اس لیے شریعت نے دینے کا مزاج بنایا۔

تو ہم اپنی زندگی سے گناہوں کو چن چن کر ختم کریں اور اللہ رب العزت سے معافیاں مانگیں۔ جو گناہ ہم کر چکے، اے اللہ! آپ ان کو معاف کر دیجیے، ہمارے گناہوں کو بخش دیجیے۔

سچی توبہ کا اعجاز:

چنانچہ ہر انسان کے گناہوں پر قیامت کے دن چار گواہیاں ہوں گی:

...... ایک گواہی ہوگی فرشتوں کی، کراماً کاتبین کی گواہی۔

...... دوسرے گواہ ہوں گے انسان کے اعضا۔

...... تیسری گواہ ہوگی زمین۔

﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا﴾

...... چوتھی گواہی انسان کا نامۂ اعمال۔

لیکن جب بندہ سچی توبہ کر لیتا ہے تو حدیث پاک میں آتا ہے:

((إِذَا تَابَ الْعَبْدُ أَنْسَى اللهُ الْحَفَظَةَ ذُنُوبَهُ وَأَنْسَى ذٰلِكَ جَوَارِحَهُ وَمَعَالِمَهُ مِنَ الْأَرْضِ))

''جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ فرشتوں کو بھی اس کے گناہ بھلا دیتے ہیں اور اس کے اعضا کو بھی گناہ بھلا دیتے ہیں اور زمین کے ٹکروں کو بھی بھلا دیتے ہیں''

((حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ وَلَيْسَ عَلَيْهِ شَاهِدٌ مِّنَ اللّٰهِ بِذَنْبٍ))

''وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرتا ہے کہ اس کے گناہوں کی گواہی دینے والا کوئی بھی نہیں ہوتا'' (کنز العمال، حدیث: ۱۰۱۷۹)

علمی نکات:

یہاں پر طلبا کے لیے ایک دو علمی نکتے:

دنیا کی عدالت میں اگر کسی پر جھوٹا مقدمہ کر دیا جائے اور کیس کی پیروی سے پتہ چل جائے کہ مقدمہ جھوٹا تھا تو عدالت کہے گی: ہم نے باعزت بری کر دیا۔ آپ کہیں: جناب! ریکارڈ ختم کریں۔ وہ کہیں گے کہ ریکارڈ تو ختم نہیں کر سکتے، یہ تو رکھیں گے، ساری عمر ریکارڈ رہے گا کہ مقدمہ ہوا تھا۔ حالانکہ جھوٹا تھا، مگر عدالت ریکارڈ ختم کرنے پر راضی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ دیکھو! ایک بندہ مجرم تھا، گناہ کیا تھا، رحم کی اپیل کر دی...... میرے اللہ! میں نادم ہوں، شرمندہ ہوں، میری توبہ قبول کر لیجیے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں پروردگار ہوں، فقط باعزت بری ہی نہیں کرتا، میں اس کا ریکارڈ بھی نامۂ اعمال سے ختم کر دیتا ہوں۔

اب یہ نامۂ اعمال سے ختم کرنے میں کیا حکمتیں ہیں؟ ذرا توجہ سے سنیے!

پہلی بات: اگر نامۂ اعمال میں گناہ ہوتے، مگر لکیر پھیر دی جاتی تو قیامت کے دن ہر مومن اپنا نامۂ اعمال دوسروں کو پڑھوائے گا، کہے گا: میرے نامۂ اعمال کو دیکھو۔ فرمایا:

﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ○ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ○﴾ (الحاقۃ: ۱۹۔۲۱)

''پھر جس کسی کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا کہ: لوگو!''لو یہ میرا اعمال نامہ پڑھو، میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ مجھے اپنے اعمال کا سامنا کرنا ہوگا۔''

تو نامۂ اعمال اس نے اپنے قریبی لوگوں کو دکھانا تھا، رب کریم نے فرمایا: اے میرے بندے! جو گناہ تو کر بیٹھا، اگر اس پر نشان بھی کانٹے کا لگا دیں، لکیر بھی لگا دیں، تب بھی اگر کوئی تیرا نامۂ اعمال دیکھے گا، اسے پتہ تو چلے گا نا کہ میاں! کرتوت کچھ کیے تھے، مگر معاف کر دیا گیا۔ میرے بندے! معافی مانگنے کے بعد یہ بھی تیری ذلت ہے، میں تجھے اس ذلت سے بھی بچا دیتا ہوں، میں سرے سے گناہوں کو تمہارے نامۂ اعمال سے نکال دیتا ہوں، کسی کو پتہ نہیں چلے گا گناہ کیے تھے یا نہیں۔

دوسری بات یہ کہ نامۂ اعمال سے تو گناہ ختم کر دیے، مگر فرما رہے ہیں: أَنْسَى اللهُ الْحَفَظَةَ ''اللہ بھلوا دیتا ہے'' گویا گناہ اللہ مٹاتے ہیں، اللہ بھلواتے ہیں، بھئی! یہ کام تو فرشتوں سے بھی کروا سکتے تھے۔ دنیا کے حاکموں نے کام کروانا ہو تو کلرکوں سے کرواتے ہیں، بھئی! یہ کام کرو۔ یہاں رب کریم فرشتوں سے نہیں فرما رہے کہ یہ کام کرو، فرماتے ہیں: ہم مٹاتے ہیں، ہم بھلاتے ہیں۔ ہم تمہارے عملوں کو معاف کرنے اور بھلانے کا عمل اس لیے کر رہے ہیں کہ اگر فرشتوں سے یہ کام لیتے، کل تمہارے نامہ اعمال کو دیکھ کر فرشتے یہ جانتے ہوتے کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ ہم نے ان کے کرتوتوں کو مٹایا ہوا ہے۔ تمہیں فرشتوں کا احسان مند ہونا پڑتا، یا فرشتوں کا طعنہ سننا پڑتا، تم نے میرے ساتھ دوستی کر لی، نہ تمہیں فرشتوں کا طعنہ سننا پڑے گا نہ تمہیں احسان مند ہونا پڑے گا۔

میں پروردگار تمہارے گناہوں کو خود مٹاتا ہوں۔ اتنا کریم آقا۔ اللہ اکبر کبیرا!!

توبہ کے لیے جامع دعا:

اس لیے فرمایا کہ جب کوئی بندہ گناہ سے توبہ کرے تو اللہ رب العزت سے دعا مانگے کہ

﴿وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا﴾

وَاعْفُ عَنَّا، اے اللہ! ہمارے گناہوں کے آثار مٹا دیجیے، ہمارے قبیح اعمال کو ڈھانپ دیجیے، تاکہ کل قیامت کے دن ہماری رسوائی نہ ہو۔

وَاغْفِرْ لَنَا اور اچھے اعمال کو لوگوں پر ظاہر کر دیجیے۔

تو وَاعْفُ عَنَّا سے گناہ مٹا دیجیے اور وَاغْفِرْ لَنَا سے نیک اعمال کو لوگوں پر ظاہر بھی فرما دیجیے۔

اس کے بعد ایک عجیب بات فرمائی، فرمایا: کہو: وَارْحَمْنَا اللہ ہم پر رحم بھی فرما دیجیے۔ یہ وَارْحَمْنَا کیوں لے کر آئے؟ اس لیے کہ بیٹے سے اگر باپ ناراض ہو، خرچہ پانی بھی بند کیا ہو، بولنا بھی چھوڑا ہوا ور بیٹا آکر ابو کے پاؤں پکڑ لے تو باپ اس سے راضی ہو کر معاف بھی کر دیتا ہے اور پھر اس کے خرچے بھی جاری کر دیتا ہے، بلکہ جیب خرچ بڑھا دیتا ہے کہ تم نے معافی مانگ لی۔

تو یا اللہ! گناہ کیے تھے، آپ کی رحمتیں نازل ہونا بند ہو گئی تھیں، اب تو ہم نے معافی مانگ لی، یا اللہ! ابا کو منالیں تو جیب خرچ شروع ہو جاتا ہے۔ اب تو ہم نے ربا کو منالیا، اب آپ بھی ہمارا جیب خرچ شروع کر دیجیے، کون سا جیب خرچ؟ وَارْحَمْنَا والا جیب خرچ۔

چار انعامات

مفسرین نے لکھا کہ وَارْحَمْنَا کے تحت بندے کو چار انعام ملتے ہیں:

پہلا انعام:

پہلا انعام توفیقِ عبادت، جو گناہوں کی وجہ سے چھن گئی تھی۔ اللہ رب العزت توبہ کے بعد عبادت کی توفیق دوبارہ عطا فرما دیتے ہیں۔ گناہوں کے سبب عبادت کی توفیق چھن جاتی ہے، نماز پڑھنی مشکل، تلاوت مشکل، تہجد مشکل۔ وہ جو توفیق چھن گئی تھی، فرمایا: اب تم نے صلح کر لی، میرے دوست بن گئے، لہٰذا اب ہم تمہیں پھر توفیقِ عبادت دے دیتے ہیں۔

دوسرا انعام:

فرمایا کہ گناہوں کے سبب تمہیں رزق میں بے سکونی تھی، مَعِيْشَةً ضَنْكًا۔ اب ہم سکون والی روزی دے دیتے ہیں، فراخ روزی دے دیتے ہیں، پرسکون روزی لو اور اس سے نیک اعمال کرو، اللہ کے راستے میں جاؤ اور اس سے خوب میرے گھر کا دیدار کرو۔ اس لیے کہ اب تمہیں خرچہ مل گیا، خرچہ ملنے کے بعد اب تم حج وعمرہ کرو، نمازیں پڑھو، میرے محبوب کے در پر حاضری دو۔ تم کہتے تھے نا کہ

شنے روضے تا چہ زے
مدینے تا چہ زے

”گنبد خضرا کی طرف جب آپ جائیں، مدینہ کی طرف جب آپ جائیں“

اللہ! اپنے محبوب کا گھر دکھا دیں، مگر گھر کیا دیکھنا؟ اب میں دے دیتا ہوں، کروڑ را میرے گھر کا سفر! آؤ میرے گھر! یا اللہ! آپ کتنے کریم ہیں! بندے پر اتنی مہربانی فرماتے ہیں۔

تیسرا انعام:

تیسرا انعام میں یہ دوں گا کہ بے حساب تمہارے گناہوں کی مغفرت فرمادوں گا، بے حساب جنت میں داخلہ۔ یا اللہ! یہ بے حساب کیسے ہو گیا؟ س بات کو سمجھیں! ہم نے ایک مرتبہ حج کے سفر میں ایئرپورٹ پر دیکھا۔ جو وہاں کسٹم والے ہوتے ہیں وہ ہر سامان کو چیک کر کے چاک کا نشان لگاتے ہیں، جب ہم گئے تو ان کو ہماری مسکین صورت پر رحم آ گیا۔ ٹرالی کے اوپر سامان تھا، انہوں نے کسٹم کا نشان لگا دیا۔ کہتا ہے: جاؤ بھئی! یا اللہ! جنت میں بے حساب ایسے ہی جائیں گے نا؟ اگر دنیا والے چاک کا نشان لگا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن نشان لگا دیں گے، جاؤ! بے حساب کتاب جنت میں۔

چوتھا انعام:

فرمایا کہ دخول جنت تمہارے لیے آسان فرما دیں گے۔ دخولِ جنت کیسے آسان؟ حدیث پاک میں بڑا عجیب مضمون آتا ہے! اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک بندے کو بلائیں گے، اس کے گرد رحمت کا ایک پردہ تان دیں گے اور پھر اس بندے کے تمام زندگی کے بڑے بڑے گناہ گنوائیں گے۔ **کذا و کذا** تو نے یہ گناہ کیا اور یہ گناہ کیا؟ جی یا اللہ! کیا۔ یہ گناہ بھی کیا؟ یہ بھی کیا۔ یہ بھی کرتے تھے؟ جی! یہ بھی کرتے تھے۔ اتنے گناہ گنوائیں گے کہ وہ بندہ دل میں سوچے گا کہ آج میں جہنم کی آگ سے بچ نہیں سکتا۔ اللہ فرمائیں گے: اچھا! تو نے گناہ تو

کیے، مگر مجھ سے دعائیں مانگتا تھا، نیک بننے کی کوشش بھی کرتا تھا، ہم نے تیری ان کوششوں کو قبول کر کے تیرے سارے گناہوں کو تیری نیکیوں میں تبدیل کر دیا۔ پھر جو رحمت کا پردہ ہٹے گا، ساری مخلوق دیکھے گی، اس بندے کے نامۂ اعمال میں کوئی بھی گناہ نہیں۔ لوگ سوچیں گے یہ انبیا میں سے کوئی نبی ہے یا صدیقین میں سے ہے، جس نے زندگی میں کبھی کسی گناہ کا ارتکاب ہی نہیں کیا؟ اللہ اکبر کبیرا!!

تو وَارْحَمْنَا کے تحت اللہ یہ سب نعمتیں دیں گے اور پھر آخر پر فرمایا:

﴿اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾

دیکھو! ایک دعا سکھا کے اللہ نے کتنی آسانیاں بندے کے اوپر فرمائیں، کتنی رحمتیں فرمادیں!

ماسٹر پیس کیسے ہوتے ہیں؟

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی اصلاح کی کوشش کریں، اپنے اعمال سنواریں۔ ہم جب سنور جائیں گے، اللہ ہمیں دین کی اشاعت کا ذریعہ بنائیں گے۔ جدھر سے گزر جائیں گے، لوگ شکلیں دیکھ کر کلمہ پڑھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ بنگال کا سفر کیا۔ سات لاکھ انسانوں نے کلمہ پڑھا، ستر لاکھ گناہگاروں نے ان کے ہاتھ پہ بیعت توبہ کی۔ جیسے کوئی کاریگر ماسٹر پیس بنا دیتا ہے نا! لوگوں کو دکھاتا ہے کہ کیسا ہے؟ جو اللہ کا بن جاتا ہے۔ اللہ اس ماسٹر پیس کو ساری دنیا کے اندر پہنچا دیتا ہے، دنیا کے لوگوں کو دکھا دیتا ہے کہ دیکھو! تم بھی تو آج کے دور میں ایسے بن سکتے ہو؟ پھر اللہ بندے کے لیے راستے کھول دیتے ہیں۔ پھر ہم دین کا کام کریں اور اپنی

زندگیاں دین کے لیے خرچ کریں۔

یادرکھنا! آج کے دور میں جو انسان دین پر زندگی گزارے، دین کی اشاعت کرے، وہ اللہ کا محبوب ہے، اس لیے کہ آج کے دور میں دین یتیم ہو چکا ہے۔ یادرکھنا کہ جس طرح حلیمہ سعدیہ نے یتیم مکہ کو سینے سے لگایا تھا، اللہ نے اس کے گھر کو رحمتوں سے بھر دیا تھا، ہم اس دین کو سینے سے لگائیں گے، اللہ ہمارے گھروں اور مدارس کو رحمتوں سے بھر دیں گے۔ مخلوق کے دلوں میں ایسی محبتیں ڈال دیں گے کہ آنے والے وقتوں میں لوگ ہماری قبروں سے لپٹ کر رویا کریں گے۔ اللہ ہمیں اپنی زندگی میں اپنے آپ کو سنوارنے والی محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ مومن کے پاس اپنے گناہوں کی شرمندگی کا جو رونا ہے، یہ بڑی نعمت ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: مومن کی آنکھ سے جو اللہ کی خشیت کی وجہ سے آنسو نکلتا ہے، وہ اس کے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہوا کرتا ہے۔ ایک پنجابی صوفی شاعر فرماتے ہیں:

جیہڑا لطف ہے روون اندر
او وِچ بیان نہ آوے
رونا دل دی میل اتارے
نالے روٹھڑے یار مناوے
تے یادِ خدا وِچ روون والا
کدے دوزخ وِچ نہ جاوے

اللہ ہمیں اپنی یاد میں رونے کی سعادت عطا فرمائے، قیامت کے دن کی ذلت سے محفوظ فرمائے۔ (آمین!)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حیوانی، انسانی اور ایمانی زندگی

از افادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

ناشر
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
041-2618003

حیوانی، انسانی اور ایمانی زندگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○﴾
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

بنی آدم کی عزت افزائی:

انسان اللہ رب العزت کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ اس کو اللہ رب العزت نے اشرف المخلوقات بنایا اور اس کے سر کے اوپر اللہ تعالیٰ نے عزت کا تاج سجایا، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ (بنی اسرائیل: ۷۰)
''اور تحقیق ہم نے بنی آدم کو عزت عطا فرمائی''

یہ عزت اس انسان کے لیے ہے جو صحیح معنوں میں انسان ہو۔ اگر شکل انسانوں والی ہو اور عمل حیوانوں والے ہوں تو وہ آدمی اس مرتبے کو نہیں پا سکتا۔

سیدھے راستے کی راہنمائی:

جب یہ پیدا ہوتا ہے تو یہ بچہ ہوتا ہے جو کہ کچا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد

فرمایا:

﴿ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ﴾ (الدھر: ۱)

''انسان پر کبھی ایسا وقت آیا ہے کہ نہیں جب وہ کوئی قابل ذکر چیز ہی نہیں تھا؟''

اس وقت یہ پانی کا ایک قطرہ تھا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾ (الدھر: ۲)

''ہم نے انسان کو ایک ملے جلے نطفے سے اس طرح پیدا کیا، کہ اسے آزمائیں، پھر اسے ایسا بنایا کہ وہ سنتا بھی ہے، دیکھتا بھی ہے''

آگے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾

''ہم نے اسے راستہ دکھایا کہ وہ یا تو شکر گزار ہو، یا ناشکرا بن جائے''

اب انسان کے سامنے دو راستے ہیں:

(۱) نیکی کا راستہ......اللہ تعالیٰ کی بندگی کا راستہ

(۲) گناہوں کا راستہ......اللہ تعالیٰ سے دوری کا راستہ

دونوں راستے بالکل واضح ہیں۔

نیکی کے راستے پر چلنے والے عباد الرحمن ہیں۔

گناہوں کے راستے پر چلنے والے عباد الشیطان ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (یس: ٦٠)

''اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے یہ وعدہ نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی پیروی نہیں کرو گے؟ بے شک وہ تمہارا ظاہر باہر دشمن ہے''

﴿وَاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ (یس: ٦١)

''اور ایک میری عبادت کرو، یہ ہے سیدھا راستہ''

تو انسان نیکی کے راستے پر چلتا ہے تو عباد الرحمن میں شامل ہو جاتا ہے اور جب گناہوں کے راستے پر چلتا ہے تو عباد الشیطان میں شامل ہو جاتا ہے۔

انسان کی زندگی کے تین انداز

انسان کی زندگی کے تین مختلف انداز ہو سکتے ہیں:

(۱) حیوانی زندگی

(۲) انسانی زندگی

(۳) ایمانی زندگی

①......حیوانی زندگی

اگر آپ بچے کی زندگی کو دیکھیں تو اس کی زندگی میں دو تین کام ہوتے ہیں: کھانا پینا، سونا جاگنا اور کھیلنا کودنا۔ اس کے علاوہ اس کو کسی چیز کی پرواہی نہیں ہوتی۔ نہ اسے کمانے کی فکر اور نہ اسے یہ فکر کہ میرا لباس کہاں سے آئے گا، کھانا کہاں سے آئے گا اور گھر کیسے ہوگا؟ وہ ہر فکر سے بے فکر ہوتا ہے۔ جب اسے بھوک لگتی ہے تو رو پڑتا ہے اور ماں کے سینے سے دودھ اتر آتا ہے۔ اسے نیند آتی ہے تو رو پڑتا ہے اور ماں اس کے لیے بستر کا انتظام کر دیتی ہے۔ سردی لگتی ہے تو

روپڑتا ہے اور ماں اس کے لیے کپڑوں کا انتظام کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ ایک رونے کے صدقے بچے کا ہر کام سنور جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھیں کہ وہ بچہ بتا نہیں سکتا، فقط روتا ہے اور اس کے رونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی ماں کے دل میں الہام فرما دیتے ہیں کہ تیرے بچے کو اس وقت کس چیز کی ضرورت ہے۔ وہ اندازہ لگاتی ہے اور واقعی ماں کا اندازہ بالکل ٹھیک ثابت ہوتا ہے۔ پنجابی میں کہتے ہیں: ''گونگے دی رمزاں گونگے دی ماں جانے'' ماں سمجھ جاتی ہے کہ میرے بچے کو اس وقت کیا تکلیف ہے۔ چنانچہ بن بتائے اس رونے کے صدقے اللہ تعالیٰ اس کی پریشانیاں دور کر دیتے ہیں۔ اس کی ہر ضرورت کو پورا کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے دل میں ایسی محبت رکھ دی ہے کہ اس کا رونا ان سے برداشت نہیں ہوتا۔ ماں تھکی ہوتی ہے، دوسرے کمرے میں بیٹھی کھانا کھا رہی ہے۔ ابھی وہ دوسرا لقمہ منہ میں ڈالتی ہے اور ادھر بچے کے رونے کی آواز آتی ہے، وہ سب کچھ چھوڑ کر بچے کی طرف بھاگتی ہوئی آتی ہے، نہ اسے کھانا یاد رہتا ہے اور نہ ہی اسے اپنی بے آرامی کا خیال آتا ہے، وہ سب کچھ بھول جاتی ہے۔ اور بچے کی فقط ایک آواز اسے اپنے آپ سے بیگانہ کر دیتی ہے...... بچے کا کام کیا ہوتا ہے؟...... بھوک لگی تو کھا لیا، پیاس لگی تو پی لیا، نیند آئی تو سو گیا اور درمیان کا وقت وہ کھیلنے، کودنے اور بھاگنے میں گزار دیتا ہے۔ اسے کہتے ہیں حیوانی زندگی۔

اگر آپ غور کریں تو پتہ چلے گا کہ ہو بہو یہی کام حیوان بھی کرتے ہیں۔ جب انہیں بھوک لگتی ہے تو کھا لیتے ہیں۔ بکری، گائے، بھینس کو جب بھوک لگے گی تو وہ چر لیں گے، شیر کو بھوک لگے گی تو وہ کسی کو کاٹ کے کھا لے گا، مگر اسے اپنی بھوک مٹانی ہوتی ہے۔ پیاس لگی تو پانی پی لیا، نیند آئی تو سو گیا اور اگر ان کے پاس وقت ہو تو کئی مرتبہ جانور آپس میں بھاگتے دوڑتے بھی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے

ساتھ کھیل رہے ہوتے ہیں، تو یہ تمام کام جانور بھی کرتے ہیں۔

شہوات کو پورا کرنے میں حیوانوں کی برتری:

جب بچہ تھوڑا سا بڑا ہوتا ہے تو اس کی ضروریات میں ایک ضرورت کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ یہ مرد ہے تو اسے مادہ کے ساتھ ملاپ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر شہوت رکھی ہوئی ہے اور اس نے اس شہوت کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ جس طرح انسان اپنی شہوت کو پورا کرتا ہے اسی طرح جانور بھی اپنی شہوت کو پورا کرتے ہیں۔ اگر کھانے پینے، سونے جاگنے، کھیلنے کودنے اور شہوت کو پورا کرنے کو معیار بنائیں تو انسان فضیلت نہیں پا سکتا۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر شعبے میں حیوان اس سے بڑھے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر:

◉ ..... کھانا پینا۔ انسان تو دو روٹیاں کھالے گا، مگر ذرا ہاتھی کو دیکھو وہ کتنا کھاتا ہے! اونٹ اور بھینسا کتنا کھا لیتے ہیں! انسان تو ان کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا۔ اگر انسان کہے کہ میں کم کھاتا ہوں تو شیر کہے گا کہ میں ہفتے میں ایک بار کھاتا ہوں۔ اگر ہم ہفتے میں ایک بار کھائیں تو ہم اٹھتے ہوئے دہرے ہو جائیں کہ ہم چھ دن سے بھوکے ہیں، کھڑے ہونے لگیں تو ہم گر جائیں گے۔ ہمیں دن میں تین مرتبہ کھانا چاہیے، وہ ہفتے میں ایک دفعہ کھاتا ہے۔..... مگر مچھ پورے دن کے اندر 750 گرام کھانا کھاتا ہے، تو انسان نہ تو زیادہ کھانے میں بڑھ سکتا ہے اور نہ ہی کم کھانے میں بڑھ سکتا ہے۔

چیونٹی کو ہی دیکھ لیجیے! کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی سے پوچھا: اے چیونٹی! تیرا کھانا کتنا ہوتا ہے؟ اس نے کہا: حضرت! پورے سال میں دو دانے گندم کے۔ فرمایا: میں تیرا امتحان لوں گا۔ چنانچہ اسے ایک جگہ پر بند کر دیا گیا اور وہاں گندم کے دو چار دانے ڈال دیے گئے۔ جب سال

کے بعد اسے نکال کر دیکھا گیا تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھی اور اس نے فقط دو دانے ہی کھائے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ اے چیونٹی! میں تیری سچی بات سے بڑا خوش ہوا ہوں، بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟ وہ حاضر جواب تھی، وہ کہنے لگی: زِدْنِیْ رِزْقًا وَّعُمُرًا (اگر آپ کے اختیار میں ہے تو میرا رزق اور میری عمر بڑھا دیجیے)...... حضرت سلیمان علیہ السلام اس کی بات سن کر مسکرا پڑے کہ چیونٹی نے مجھے لاجواب کر دیا..... تو ہم زیادہ کھانے میں بھی نہیں بڑھ سکتے اور کم کھانے میں بھی جانوروں سے نہیں بڑھ سکتے۔

⊙......دوڑنا بھاگنا۔ اگر دوڑنے بھاگنے کی بات ہو تو ہم پھر بھی جانوروں سے نہیں بڑھ سکتے۔ گھوڑا ہم سے زیادہ تیز بھاگتا ہے، ہرن ہم سے زیادہ تیز بھاگتا ہے، اور چیتا تو بھاگتی کار کا مقابلہ کرنے کو تیار رہتا ہے۔ وہ اتنا تیز بھاگتا ہے ......اللہ اکبر!!!...... وہ نوے کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتا ہے۔ پتہ چلا کہ تیز رفتاری میں بھی انسان آگے نہیں بڑھ سکتا۔

⊙......اگر شادی بیاہ کی بات ہے تو مرد و عورت تو ہفتہ میں ایک یا دو مرتبہ میل ملاپ کر لیتے ہوں گے اور جانوروں کا حال ایسا ہے کہ وہ ایک ایک دن میں کئی کئی مرتبہ ملاپ کرتے ہیں۔ خرگوش کو دیکھو، چڑیا کو دیکھو۔ انسان اس میں بھی ان سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

⊙......اگر گھر بار کو دیکھیں تو بھی انسان آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اگر انسان کہے کہ میں نے اتنے اچھے گھر بنا لیے ہیں تو شہد کی مکھی کہے گی: جناب! میرا گھر بھی دیکھ لیجیے، تمہارے گھر بنانے کے لیے انجینئر ہوتے ہیں، پتہ نہیں کتنے مستری اور مزدور کام کرتے ہیں، اور میرے پاس نہ کوئی پیمانہ، نہ کوئی پرکار، نہ کوئی ربڑ، نہ کوئی پنسل، دیکھو! میں نے کیسا گھر بنایا کہ ہر ہر گھر کا سائز دوسرے کے بالکل مطابق ہے، ایک سوراخ دوسرے سے ملتا ہے۔ سچ بات بھی یہی ہے کہ شہد کا چھتا

اپنی پیمائش میں اتنا صحیح ہوتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ وہ کیسے اتنا صحیح صحیح گھر بنا لیتی ہے!...... بیا چھوٹی سی چڑیا ہے۔ وہ درخت کی شاخ کے اوپر اپنا گھونسلا بناتی ہے، جتنا مرضی طوفان آئے، آندھی آئے، درخت ہلتا رہ جائے، درخت تو گر سکتا ہے، مگر گھونسلہ شاخ سے نیچے نہیں گرتا...... تو انسان کو گھر بنانے کی وجہ سے بھی فضلیت حاصل نہیں ہے۔

نفس کا راج:

انسان کو اللہ رب العزت نے تین نعمتیں عطا کی ہیں:

......ایک نعمت کو ''نفس'' کہتے ہیں

......دوسری کو ''عقل'' کہتے ہیں

......اور تیسری کو ''دل'' کہتے ہیں

انسان کا نفس خواہشات کا مرکز ہے،

انسان کی عقل خیالات کا مرکز ہے،

اور انسانی دل جذبات کا مرکز ہے۔

جو حیوانی زندگی بچے کو بچپن میں ملتی ہے وہ اصل میں نفس کی زندگی ہوتی ہے۔ جو اس کا جی چاہے گا وہ پورا کروائے گا۔ اگر ماں نہیں بھی دینا چاہتی تو وہ رو رو کر اپنی بات منوائے گا، گویا بچے کے اندر کامل حیوانیت ہوتی ہے۔ اس لیے بچے کو یہ تو فکر ہوتی ہے کہ میں کھاؤں، لیکن اسے یہ فکر نہیں ہوتی کہ اوروں کو ملتا ہے کہ نہیں ملتا۔ وہ دوسرے کے ہاتھ میں چیز دیکھ کر چھین لیتا ہے۔ دوسرا روتا ہے تو روتا رہے، اسے کوئی پروا نہیں ہوتی۔ تو اس کے اندر ایک جذبہ ہوتا ہے کہ میری خواہش پوری ہونی چاہیے۔ یہ انسان کے نفس کا راج ہے اور وہ چھوٹا بچہ اپنے نفس کی خواہشات کی زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ اگر انسان کی زندگی کا معیار

اتنا ہی ہے تو اسے کہیں گے: ''حیوانی زندگی''۔

دونئی خوبیاں:

جب انسان بڑا ہو کر تعلیم پاتا ہے اور لوگوں سے میل ملاپ کرتا ہے تو اس کے اندر پختگی آجاتی ہے۔ اس پختگی کی وجہ سے ہر انسان کے اندر دو نئی خوبیاں بیدار ہوتی ہیں:

(۱)...... جمال پسندی

(۲)......اجتماعیت کا فطری جذبہ

① جمال پسندی:

انسان اس عمر میں خوبصورتی کو پسند کرنے لگ جاتا ہے۔ چنانچہ خوبصورتی کا مطلب فقط یہ نہیں ہوتا کہ کسی مرد یا کسی عورت کے چہرے کی خوبصورتی۔ ہر چیز کے اندر اللہ نے ایک جمال رکھا ہے۔ مکان بھی خوبصورت ہوتے ہیں، کپڑے بھی خوبصورت ہوتے ہیں، فطری مناظر بھی خوبصورت ہوتے ہیں۔ آپ زندگی سے متعلقہ کوئی چیز لے لیں اس میں خوبصورتی کا پہلو ضرور ہوتا ہے۔ گویا فطری طور پر اللہ نے انسان کے اندر ''خوبصورت پسندی'' رکھ دی ہے۔ لہٰذا جب وہ علم اور تجربہ پالیتا ہے تو اس کا جی چاہتا ہے کہ میرے پاس فقط چیزیں ہی نہ ہوں، بلکہ چیزیں خوبصورت بھی ہوں۔

دیکھیں! اگر اپنے آپ کو فقط سردی یا گرمی سے بچانا ہی مقصود تھا تو پتوں سے بھی بدن ڈھانپا جا سکتا تھا، مگر انسان کی چاہت پوری نہیں ہوتی۔ اس بدن کو ڈھانپنے کے لیے اس نے کپڑے بنائے اور کپڑوں میں بھی فقط لٹھے کے کپڑے نہیں، کیا کیا چیزیں ملا کر اس نے کپڑے بنائے! یہ واش اینڈ ویئر ہے، یہ ٹیٹرون

ہے، یہ فلاں ہے، یہ فلاں ہے۔ انسان ان کے پرنٹ دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا ہے! پھر یہی نہیں کہ کپڑے بنا دیے اور ان کے کارخانے بنا دیے، بلکہ ان کو سینے کے طریقوں میں بھی جدت پیدا کر دی۔ چنانچہ کبھی انسان جبہ پہن رہا ہے، کبھی شیروانی پہن رہا ہے، کبھی قمیص پہن رہا ہے، ہر ایک کا اپنا اپنا انداز ہے۔ وہی انسان اگر پھٹے پرانے کپڑے پہنے تو اس کا انداز اور ہے۔

مردوں میں تو کپڑوں کی اتنی خواہش نہیں ہوتی، جبکہ عورتوں میں کپڑوں کی خواہش انتہا درجے کی ہوتی ہے۔ ان کا تو جی چاہتا ہے کہ جو کپڑے ایک مرتبہ پہن کر اتاریں، دوسری مرتبہ ان کو بالکل نہ پہنیں۔ اسی لیے وہ ہر وقت کلر میچنگ کی تلاش میں رہتی ہیں کہ کونسی چیز کس کس کلر کی پہنیں؟ اس کو ''جمال پسندی'' کہتے ہیں۔ چنانچہ اس شعبے میں جو بندے کام کرتے ہیں ان کو روزانہ نئی نئی باتیں ذہن میں آتی رہتی ہیں۔ آج اس کا فیشن ہے تو کل اس کا فیشن ایسا ہونا چاہیے، ابھی ایک کپڑا ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا نیا آجاتا ہے۔ پھر تیسرا اور آجاتا ہے۔ اور دیکھیے!...... شادی بیاہ کے موقع پر کیسے کیسے ملبوسات تیار کیے جاتے ہیں! ایک ایک جوڑا آج ستر ہزار اور پچھتر ہزار کا مل رہا ہے! ایسے ایسے زیورات بنائے جاتے ہیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔ یہ انسان کی جمال پسندی کا معاملہ ہے۔

پکوانوں میں جمال پسندی:

انسان نے اگر فقط کھانا ہی کھانا ہو تو وہ صرف روٹی، دودھ، لسی یا پانی سے ہی کھا لے تو اس کا گزارا ہو جائے گا، مگر نہیں، انسان کے اندر ایک جمال پسندی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم کھانے بنائیں تو وہ دیکھنے میں بھی خوبصورت ہوں اور ذائقہ میں بھی بہتر سے بہترین ہوں۔ یہ جمال پسندی بندے کو بیٹھنے نہیں

دیتی۔ جو کھانا بنانے والی عورتیں یا مرد ہیں، وہ بہتر سے بہترین کھانا بنانے میں لگے رہتے ہیں۔ وہ اپنے تجربے اور اپنے علم کو استعمال کر کے عجیب وغریب کھانے بنا دیتے ہیں۔

مہمان کے سامنے بھینسے کا سر:

ایک مرتبہ ایک مغل بادشاہ نے ایک ایرانی شہزادے کی دعوت کی۔ جب ایرانی شہزادہ آنے والا تھا تو انہوں نے بڑے خانساماں کو بلا کر کہا کہ ایک ملک کا شہزادہ آ رہا ہے، تم اس کے لیے ذرا اچھا سا کھانا بنا دینا۔ یہ میزبان کے لیے عزت ووقار کا مسئلہ ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں مہمان کو ایسا کھانا پیش کروں جیسے اس کی عزت یا جیسے میرے دل میں اس کی محبت ہے۔ چنانچہ اس نے کہا: بہت اچھا۔

جب ایرانی شہزادہ اپنے دوستوں کے ہمراہ آ کر بیٹھا تو تھوڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی، پھر کھانے کا وقت آیا تو خانساماں کو اشارہ کیا گیا کہ آپ ان کے کھانے کے لیے کچھ لائیے، چنانچہ وہ ایک بڑا سا برتن ڈھکا ہوا لایا۔ اسے اوپر سے خوب سجایا گیا تھا جیسے گفٹ پیک ہوتا ہے، اس نے لا کر اسے ایرانی شہزادے کے سامنے پیش کیا کہ جی اسے قبول کیجیے۔ ایرانی شہزادے نے جب اس کو کھول کر دیکھا تو اس کے اندر ایک بھینسے کا کٹا ہوا سر پڑا تھا اور اس کی گردن میں سے خون بھی نکل رہا تھا۔ انسان جب اس قسم کا منظر دیکھتا ہے تو اس کو کراہت محسوس ہوتی ہے۔ وہ تو شہزادہ تھا اور اس نے اس چیز کو بہت ہی معیوب سمجھا کہ مہمان کے سامنے بھینسے کا کٹا ہوا سر لایا گیا ہے۔ یہ بھی کوئی بات ہے بھلا؟ جب اس نے ناگواری کا اظہار کیا تو اس مغل بادشاہ نے خانساماں کو بلا کر کہا: آپ نے تو ہماری عزت بنانے کے بجائے الٹا بے عزتی کروا دی، آپ نے

تو مہمان کو ناراض کر دیا، ہم نے تو آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ بھینسے کا کٹا ہوا سر سامنے لا کر رکھو، اور سر بھی ایسا کہ اس میں سے خون بھی بہہ رہا ہو۔ ہم نے تو آپ سے کہا تھا کہ مہمان کے لیے کوئی اچھا سا کھانا تیار کر کے لاؤ۔

خانساماں نے جواب میں کہا: جناب! میں نے یہ کھانا ہی تو تیار کیا ہے، کاش اس شہزادے کے اندر اتنی اہلیت ہوتی کہ وہ اس کی پہچان کر سکتا! یہ کھانا ہی ہے۔ آپ ذرا اس کو کہیں کہ وہ اسے ذرا کھا کر دیکھے۔ جب شہزادے نے اس کو ذرا قریب کر کے دیکھا تو وہ دراصل مختلف کھانے بنے ہوئے تھے۔ آنکھیں اور ذائقے کی تھیں، سر اور ذائقے کا تھا، دانتوں میں اور قسم کا ذائقہ تھا اور جس کو وہ خون سمجھ رہا تھا وہ مشروب اور ذائقے کا تھا۔ اب جب ایرانی شہزادے نے اس کو کھانا شروع کر دیا تو وہ واقعی اس خانساماں کی فنی مہارت کا قائل ہو گیا کہ انسان ایسی حیرت انگیز چیز بھی بنا سکتا ہے!

تاریخی عمارتیں دسترخوان پر:

بمبئی کا ایک تاجر تھا۔ اس نے ایک مرتبہ ایک وائسرائے کی چائے کی دعوت کی۔ اس نے اس دعوت کے لیے ایک کمپنی کو ٹھیکہ دیا کہ اس کے لیے انتظامات کرو۔ انہوں نے بڑے عالیشان سائبان لگائے، ٹینٹ لگائے اور جگہ بنائی۔ جب مہمان وہاں آئے تو انہوں نے ان کے سامنے ایک میز پر سے کپڑا ہٹایا تو اس کے اندر مختلف عمارتیں بنی ہوئی تھیں: تاج محل بنا ہوا تھا، دہلی کی مسجد بنی ہوئی تھی، لال قلعہ بنا ہوا تھا، گلشن آرا بیگم کا باغ بنا ہوا تھا۔ انہوں نے دیکھ کر کہا: جی ٹھیک ہے، ہم نے اسے دیکھ لیا ہے، تم لوگوں نے یہ چیزیں بہت اچھی بنائی ہیں، مگر ہمارے پاس وقت کی کمی ہے، ہمیں واپس بھی جانا ہے، آپ لوگوں نے کہا تھا کہ چائے پلائیں گے، چنانچہ اب آپ چائے کا انتظام کریں۔ یہ سن کر

کمپنی کے مینجر نے کہا کہ جناب! ہم نے یہ آپ کے لیے چائے کا ہی انتظام کیا ہے، اس کو ذرا غور سے دیکھیں، یہ دیکھنے میں تاج محل ہے، مگر کھانے میں بہترین قسم کا بسکٹ ہے۔ اب جب انہوں نے آگے بڑھ کر کھانا شروع کر دیا تو میناروں میں ذائقہ الگ ہے، دروازوں میں ذائقہ الگ ہے۔ وہ دراصل مٹھائی تھی جو انہوں نے اس انداز میں پیش کی۔ چنانچہ وہ سب لوگ اس پر جھپٹ پڑے اور انہوں نے تھوڑی دیر میں تاج محل بھی کھا لیا، لال قلعہ بھی کھا لیا، مسجد بھی کھا لی اور باغ بھی کھا لیا۔

جب انہوں نے سب کچھ کھا لیا تو انہوں نے کہا کہ عجیب بات ہے کہ تم نے اتنا میٹھا سامنے رکھ دیا، کچھ تو نمکین بھی رکھا ہوتا۔ اس نے کہا کہ جناب! جو نیچے ٹرے ہے وہ نمکین کھانے کی بنی ہوئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے وہ ٹرے بھی کھا لی۔

حیران کن سلاد:

ایک مرتبہ ہمارے ایک قریبی دوست نے دعوت کی۔ ایک خانساماں نے عورتوں کی طرف بھی کھانا بھجوایا۔ وہ افسروں کی بیویاں تھیں۔ تھوڑی دیر بعد اندر سے پیغام آیا کہ کھانا تو سارا آ گیا ہے، لیکن سلاد ہی نہیں آیا۔ تو اس خانساماں نے پیغام بھجوایا کہ بیگمات سے کہو کہ تمہاری تو عمر گزر گئی ہے کھانا پکاتے ہوئے، یہ درمیان میں تمہیں جو سویٹ ڈش کی طرح پھل نظر آ رہے ہیں۔ یہ حقیقت میں ہم نے سلاد بنایا ہوا ہے۔ اس نے سلاد کو اس طرح کاٹا تھا کہ وہ انسان کو دیکھنے میں کوئی شو پیس نظر آتا تھا اور عورتیں باوجود اپنی نفاست پسندی کے اس کو ہاتھ ہی نہیں لگا رہی تھیں کہ یہ تو دیکھنے کے لیے کوئی ماڈل سامنے رکھا ہوا ہے۔ وہ کوئی ماڈل نہیں تھا، بلکہ اس نے سلاد کاٹ کر رکھا ہوا تھا۔ پھر جب عورتوں نے کھانا شروع کیا تو انہوں نے مان لیا کہ اس شخص کو اپنے فن میں بڑا

تجربہ حاصل ہے۔

غور کیجیے کہ شیر اور چیتے ساری زندگی کچا گوشت کھاتے ہیں۔ ان کے اندر عقل نہیں ہے کہ وہ گوشت کے ساتھ سبزی ملا کر کھالیں۔ اس کو بھون کر کھالیں یا گوشت کو سوپ بنا کر پی لیں۔ اس کے برعکس انسان کو دیکھیں! گوشت کی کتنی ڈشز بنالیتا ہے! عورتیں کھانے کے ساتھ تو سویٹ ڈشز بھی بنالیتی ہیں۔

آئس کریم کے بتیس ذائقے:

ہمارے ایک دوست ہیں۔ وہ آئس کریم کا کام کرتے ہیں۔ ان کی دکان پر آئس کریم کے بتیس فلیور ملتے ہیں...... اللہ اکبر!!!...... آئس کریم کے بتیس ذائقے اور فلیور...... یہ کیا چیز ہے؟...... یہ انسان کے اندر جمال پسندی کا فطری جذبہ ہے کہ وہ ہر کام میں بہتر سے بہترین حاصل کرنے میں لگا ہوا ہے۔

فرنیچر میں جمال پسندی:

یہ جمال پسندی ہر شعبے میں ہے۔ دیکھیے کہ انسان نے فرنیچر بنانا شروع کر دیا۔ فرنیچر میں لیٹنے کے لیے ایک چارپائی ہی کافی تھی، مگر نہیں، چارپائی سے بات بیڈ پر آ گئی، پھر ڈبل بیڈ پر آ گئی۔ اب تو انسان نے واٹر بیڈ بنانا شروع کر دیے ہیں۔...... وہ واٹر بیڈ کیا ہوتے ہیں؟...... وہ کھال کے بنے ہوئے بیڈ ہوتے ہیں اور ان کے اندر پانی بھرا ہوتا ہے۔ اس کی خوبصورتی یہ ہے کہ انسان کا جسم جیسا ہوتا ہے، وہ بیڈ ویسی ہی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس پر بہت ہی پرسکون نیند آتی ہے۔ اب اس میں پانی کو گرم کرنے کے لیے ہیٹر بھی لگا دیے۔ چنانچہ جتنی مرضی سردی پڑ رہی ہو اور آپ اس بیڈ کے اوپر لیٹیں تو وہ بیڈ گرم ہی رہے گا اور آپ کو سردی کا قطعاً احساس نہیں ہوگا...... تو سونے کے لیے ایک چارپائی ہی کافی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو جمال پسندی کی

فطرت رکھ دی ہے وہ انسان کو بہتر سے بہترین چیز بنانے کی طرف کھینچتی ہے۔

تعمیرات میں جمال پسندی:

گھروں کی طرف دیکھیں تو انسان حیران ہو جاتا ہے۔ رہنے کے لیے تو مٹی کی دیواریں اور سرکنڈے کی چھت ہی کافی ہوتی ہے، اس سے گزارا ہو جاتا ہے، مگر نہیں، انسان کی جمال پسندی اسے بیٹھنے نہیں دیتی۔ وہ اپنے گھر کو بہتر سے بہترین بناتا ہے۔ پہلے اینٹوں کے ساتھ بنانا شروع کر دیا۔ پھر اینٹوں کے ساتھ اس کے اندر لکڑی کا استعمال شروع ہو گیا، پھر اسٹیل کا استعمال ہونے لگا، پھر سلیب بننے لگ گئے، شیشے کا استعمال شروع ہو گیا۔ آج آپ بنے ہوئے بعض گھر دیکھیں تو انسان حیران ہوتا ہے۔ کروڑوں میں ایک گھر بنتا ہے۔

ایک پاکستانی تاجر کا گھر:

ایک بڑے ملک کا صدر ایک پاکستانی تاجر کے گھر میں گیا تو داخل ہو کر کہنے لگا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس گھر سے باہر کبھی نہ نکلوں...... کیا ہی اس نے گھر بنایا ہو گا!!!...... تو بہتر سے بہترین گھر بنانے کی فطرت اللہ نے انسان کے اندر رکھ دی ہے۔

تاج محل اور اس کا حیران کن غسل خانہ:

آپ دیکھیے کہ ایک شخص نے اپنی محبوبہ کے لیے تاج محل بنوایا۔ اسے ''ونڈر آف دی ورلڈ'' کہا جاتا ہے۔ مصر کے فراعنہ نے اپنی قبریں اہرام کی شکل میں بنائیں۔ یہ اہرام مصر بھی آج دنیا میں ونڈر آف دی ورلڈ کہے جاتے ہیں۔ انسان نے کیا کیا چیزیں بنا دیں۔ یہ عمارت بنانے میں انسان کو فنی صلاحیت حاصل ہے۔

ایک مرتبہ ہم تاج محل دیکھنے کے لیے گئے۔ ہمیں وہاں دو باتوں نے بڑا حیران کیا: ایک تو انہوں نے اس کے اندر ایسا پتھر استعمال کیا تھا کہ چار فٹ بائی آٹھ فٹ کی پتھر کی ایک سلیب کا سائز تھا، اور دکھانے والے نے جب اپنی ٹارچ اس کے کونے پر رکھی تو پوری کی پوری سلیب بلب کی طرح گلو (Glow) کرنے لگ گئی۔ حیران ہوئے کہ یا اللہ! یہ پتھر کہاں سے ان کو ملا!؟ اور اس چار فٹ بائی آٹھ فٹ کی پوری سلیٹ کے اندر کھود کر ڈیزائن بھی بنائے گئے تھے۔ ان میں کہیں جوڑ نظر نہیں آتا تھا۔

پھر اس سے آگے ممتاز محل کے لیے اس نے غسل خانہ بنوایا۔ اس غسل خانے کا ڈیزائن دیکھ کر بھی حیرانی ہوئی۔ اس نے اس کے اندر چھوٹے چھوٹے شیشے ایسے زاویوں پر لگوائے کہ آپ اگر ایک موم بتی جلا کر اس کے اندر رکھ دیں تو وہ ہزاروں لائٹیں ریفلیکٹ ہو کر اتنا گلو کرتا ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ بلب جل رہا ہے۔

۲......اجتماعیت کا فطری جذبہ:

علم اور پختگی آنے کی وجہ سے انسان کے اندر ایک تو جمال پسندی کا جذبہ آ جاتا ہے اور دوسرا اس کے اندر اجتماعیت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً: لکھا پڑھا نوجوان کبھی اکیلا نہیں کھائے گا۔ اس کا جی چاہے گا کہ میری والدہ بھی کھائے، والد بھی کھائے، بھائی بھی، بہن بھی کھائے، وہ مل کر رہنا پسند کرتا ہے۔ یہ فطری جذبہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر رکھا ہے، اسی لیے جب وہ کھاتا ہے تو اس کی چاہت ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی کھائے اور بچے بھی کھائیں۔ کئی مرتبہ بچوں کے بغیر اسے کھانا اچھا ہی نہیں لگتا۔ حالانکہ محنت تو اس نے کی تھی، پسینہ تو اس نے بہایا تھا، یہ اپنی مزدوری سے ملنے والے

پیسوں سے خود اپنا پیٹ بھر لیتا، مگر نہیں، کئی دفعہ یہ خود بھی بھوکا رہے گا، لیکن اپنے بچوں کی خواہش کو پورا کرنا پسند کرے گا۔ اس کو کہتے ہیں: ''اجتماعیت کا فطری جذبہ''۔

انسان اسی فطری جذبے کی وجہ سے دوسروں کی خوشی غمی اور دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے۔ آپ غور کریں کہ اگر کسی بندے کو کانٹا چبھ جائے اور وہ ذرا چیخ کر اپنا پاؤں دیکھنے بیٹھ جائے تو اس کے قریب سے گزرتا ہوا بندہ فوراً پوچھے گا اور کانٹا نکالنے میں اس کی مدد کرے گا...... وہ کیوں ایسا کر رہا ہے؟...... اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر اجتماعیت اور ہمدردی کا جذبہ رکھا ہوا ہے۔

۲...... انسانی زندگی

تو یہ دو جذبات (جمال پسندی کا جذبہ اور اجتماعیت کا جذبہ) ایسے ہیں کہ دنیا کی ساری رونق اور بہار انہی کی وجہ سے ہے۔ ان دو جذبات کا ہی نتیجہ ہے کہ آپ کو یہ دنیا سجی سجائی نظر آ رہی ہے۔ اس زندگی کو کہتے ہیں: ''انسانی زندگی''۔

پہلی زندگی کا جو انداز تھا، وہ تھا ''حیوانی زندگی''۔ کھایا پیا، سویا، دوڑے بھاگے، اپنی شہوت کو پورا کیا اور بات ختم۔ یہ ہے حیوانی زندگی۔ اس حیوانی زندگی سے تھوڑا اور آگے بڑھا تو انسان کے اندر عقل پختہ ہوئی۔ اس عقل کو استعمال کر کے انسان نے جمال پسندی اور اجتماعیت کے جذبات کی وجہ سے دنیا کو آباد کیا۔ چنانچہ انسان گھر بناتا ہے تو ساتھ پھولوں کی کیاری بھی بنا دیتا ہے۔ کچھ لکھی ہوئی چیزیں بھی اوپر لگا دیتا ہے۔ مختلف کلرز کے پینٹ کروا دیتا ہے۔ ہوتا تو وہ گھر ہے، لیکن اس کے اندر ماربل سجاتا ہے۔ انسان کئی مرتبہ گھر کی

نفاست کو دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔ گویا جمال پسندی اور اجتماعیت کے جذبات نے پوری دنیا کو آباد کر دیا ہے۔ اس اجتماعیت کی وجہ سے انسان چاہتا ہے کہ میں بھی خوش رہوں اور میرے ساتھ والے بھی خوش رہیں۔ چنانچہ وہ پڑوسیوں کا خیال رکھتا ہے، محلے دار کا خیال کرتا ہے، رشتے دار کا خیال کرتا ہے، دوستوں کا خیال کرتا ہے۔ گویا سب انسان ایک دوسرے کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ اس کو ''انسانی زندگی'' کہتے ہیں۔

انسانی زندگی بہتر تو ہے مگر......:

یہ زندگی حیوانی زندگی سے ہزاروں گنا بہتر زندگی ہے، لیکن اس زندگی میں بھی انسان کے اندر پورا کمال پیدا نہیں ہوتا...... کیوں؟...... اس لیے کہ اگر وہ کسی کی مدد کرے گا تو وہ چاہے گا کہ یہ اب جواب میں میری تعریف کرے۔ کسی پر احسان کرے گا تو لوگوں میں تذکرے بھی کرے گا کہ...... اَعْرِفُوْنِیْ (مجھے پہچانو کہ میں نے کیسے کام کیے)...... وہ دوسروں کی خدمت کرے گا، مگر خدمت کے ساتھ ساتھ ان کے اوپر حاکم بن کر رہنا بھی پسند کرے گا۔ اب یہ خدمت تو کرنا چاہتا ہے، مگر کب؟...... جب سب مل کر اس کو اپنا بڑا مان لیں۔ ایسی زندگی میں کچھ ایسی ہی چیزیں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ اپنی تعریف کو پسند کرنا، اپنی خواہش کو مقدم رکھنا، اپنے اندر اقتدار پانے کی ہوس کا ہونا۔ اگرچہ اس کو انسانی زندگی کہتے ہیں، مگر اس زندگی میں بھی کمال پورا نہیں ہوتا۔

عقل کا راج:

پہلی حیوانی زندگی میں انسان کے اندر نفس پرستی آئی اور اس انسانی زندگی میں جب عقل بھی کارفرما ہے، اس کے اندر زر پرستی اور زن پرستی آجاتی ہے۔ چنانچہ آپ دیکھ لیں کہ آج پوری دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ یا تو زر کے

پیچھے ہو رہا ہے یا زن کے پیچھے۔ تمام محنتوں کا نچوڑ آپ کو یہ دو چیزیں نظر آئیں گی۔ اس بندے کی محنت کے پیچھے کہیں نہ کہیں یا تو ہوس نظر آئے گی کہ میرے پاس مال جمع ہو جائے، تاکہ میرا اسٹیٹس اچھا ہو تاکہ میں دنیا میں سہولت والی زندگی گزار سکوں۔ یا اس کے پیچھے کہیں زن کا مسئلہ ہوگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حیوانی زندگی میں انسان کے اندر خواہش پرستی آتی ہے اور انسانی زندگی میں انسان کے اندر زر پرستی اور زن پرستی آئی۔ چنانچہ آپ کو غیر مسلموں کی زندگیوں میں زر پرستی اور زن پرستی کا بدترین نمونہ نظر آئے گا۔ ان کی ساری زندگی انہی کے گرد گھوم رہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی طرح پیسہ ہمارے پاس آجائے اور کسی طرح ہماری نفسانی خواہشات پوری ہوتی رہیں۔ ہمارے اوپر کسی قسم کی پابندی نہ ہو۔ حیوانی زندگی میں نفس کا راج تھا، اس لیے اسے نفس پرستی کہا گیا، پھر انسان کی زندگی میں عقل کا راج آگیا۔ اس عقل کی بنیاد پر انسان نے اس دنیا کو خوب سجایا اور اس میں کیا کیا دلچسپیاں پیدا کر ڈالیں!! مگر ان تمام کا لب لباب زر پرستی اور زن پرستی نکلا۔

انسانی زندگی کا نکتۂ عروج:

آج کفار جس طرز زندگی کو بہترین سمجھ رہے ہیں وہ عقلی زندگی ہے۔ اس زندگی کا کمال جمہوریت پر جا کر ختم ہو جاتا ہے کہ آپ سب مل کر جو قانون بنائیں، سب اسی کے مطابق زندگی گزاریں گے۔ اب اگر سب کا بنایا ہوا قانون فطرت کے خلاف ہو تو اس کا کیا فائدہ؟ مثال کے طور پر: ایک جگہ پارلیمنٹ کے سب ممبروں نے تالیاں بجا کر بل پیش کیا کہ مرد کی شادی مرد کے ساتھ ہونا ٹھیک ہے، اور انہوں نے اس بل کو پاس کر کے قانون بنا دیا۔ یہ تو حیوانوں والی بات ہے نا!! قرآن مجید نے کہہ دیا:

﴿اِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾

''اگر تم زمین میں اکثریت کی پیروی کرنے لگ جاؤ گے تو یہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی''

تو جمہوریت کا یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان پھر وہ قوانین بناتا ہے جو حکم خدا کے خلاف ہوتے ہیں۔اس لیے انسانی زندگی کا سب سے بلند نکتہ جمہوریت پہ جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ وہ نکتہ اس پر ختم ہوتا ہے کہ انسان دوسروں کی ہمدردی تو کرتا ہے، مگر ان سے اس کا بدلہ بھی چاہتا ہے۔اس لیے آج دنیا کے بڑے ملک، غریب ملکوں کی امداد کرتے ہیں، مگر اس پر سود بھی لیتے ہیں......کیا مزہ آیا امداد کا!؟...... کہنے کو امداد ہوتی ہے اور حقیقت میں وہ سودی قرضہ ہوتا ہے۔ دیکھو عقل نے کیسا دھوکہ دیا ہوتا ہے! یہ ہے انسانی زندگی۔

③......ایمانی زندگی

زندگی کا ایک تیسرا انداز بھی ہے، جو انسانی زندگی سے بہت بلند مقام رکھتا ہے۔اس انداز زندگی میں انسان کا دل اس پر حکومت کرنے لگ جاتا ہے۔...... پہلے انداز زندگی میں نفس نے حکومت کی، دوسرے انداز زندگی میں اس کی عقل نے حکومت کی اور اس تیسرے انداز میں انسان کا دل اس پر حکومت کر رہا ہوتا ہے......اس دل کو اللہ رب العزت نے جذبات کا مرکز بنایا ہے۔ چنانچہ اسی دل میں اللہ رب العزت کی محبت ہوتی ہے، اسی میں اللہ رب العزت کی عظمت ہوتی ہے۔اس انداز زندگی کو کہتے ہیں ''ایمانی زندگی، قرآنی زندگی، اسلامی زندگی''۔ جب انسان یہ انداز زندگی اپناتا ہے تو پھر وہ بہت ہی اعلیٰ زندگی بسر کرتا ہے، حتی کہ وہ انسان فرشتوں سے بھی اعلیٰ نظر آتا

ہے۔...... کیوں؟...... اس لیے کہ اب وہ دوسروں کی خدمت تو کرتا ہے، مگر دوسروں سے وہ تعریف کا طلب گار نہیں ہوتا، وہ دوسروں سے بدلہ نہیں چاہتا۔ یہی تو انبیائے کرام نے آکر کہا تھا:

﴿یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا﴾

''اے میری قوم! میں تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا''

﴿اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ﴾ (ہود:۵۱)

''میرا اجر اللہ کے ذمے ہے''

اس طرزِ زندگی میں جب انسان کا قلب صحیح معنوں میں اس کے اوپر حاکمِ اعلیٰ بن جاتا ہے اور اس قلب کی صلاحیتیں ابھرتی ہیں تو اب انسان صحیح معنوں میں زندگی گزارتا ہے۔ اس کے سامنے اللہ کی رضا ہوتی ہے، یہ اس کا مقصدِ زندگی بن جاتا ہے۔ وہ دوسروں کے لیے محنت کرتا ہے اور قربانیاں کرتا ہے، مگر وہ ان سے اس کے بدلے کا طلب گار نہیں ہوتا، وہ اللہ سے ہی اس کا اجر طلب کرتا ہے۔ وہ نیکی کرتا ہے اور دریا میں ڈال دیتا ہے کہ مجھے مخلوق سے کچھ نہیں چاہیے، مجھے جو چاہیے وہ اپنے مولیٰ سے چاہیے۔

ایمانی زندگی کی چار انمول صفات:

اس ایمانی زندگی میں انسان کے اندر چار صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ حدیث پاک میں فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ)) (ابوداود، حدیث: ۴۶۸۳)

''جس نے اللہ کے لیے محبت کی، اللہ کے لیے دشمنی کی، اللہ کے لیے دیا اور اللہ ہی کے لیے روکا، پس اس کا ایمان کامل ہو گیا''

(۱)......اللہ کے لیے محبت ہونا:

''الحب فی اللہ'' کا کیا مطلب؟...... کہ اللہ کے بندوں سے اللہ کے لیے محبت ہو۔ چنانچہ انسان اللہ رب العزت کی بنا پر اللہ کے بندوں سے محبت کرتا ہے۔ نفس کی خواہشات کی بنا پر نہیں کرتا، بلکہ اس میں اخلاص ہوتا ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں آپ نے سنی ہونگی۔

جب نبی علیہ السلام ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو اس وقت مسلمانوں کے درمیاں مواخات قائم کی گئیں۔ ایسا بھائی چارہ قائم ہوا کہ اگر ایک کا کاروبار تھا تو اس نے آدھا اپنے بھائی کو دے دیا۔ دو گھر تھے تو ایک بھائی کو دے دیا۔ انسانی بھائی چارے کی اتنی بہترین مثال تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی کہ انسان دوسرے کے ساتھ اتنا بھی مخلص اور ہمدرد ہوسکتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے:

......رحماء بینھم (آپس میں رحیم وکریم بن کر)......

ایسی زندگی گزاری کہ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں ان کی تعریفیں فرمائیں۔ ان کے درمیان اتنا جوڑ تھا، اتنا پیار تھا، اتنی محبت تھی...... کس لیے؟...... یہ اللہ رب العزت کے لیے تھی۔ انسان ان واقعات کو پڑھ کر، سن کر حیران ہو جاتا ہے۔

خدمت خلق کا انوکھا انداز:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے کی بات ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین سے ملنے کے لیے آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک چیز پر کچھ ایسے معذورین اور بوڑھوں کے نام لکھے ہوئے ہیں جن کو خدمت کی ضرورت تھی۔ اس فہرست میں ایک بوڑھی عورت کا نام بھی تھا کہ اس کو بھی خدمت کی

ضرورت ہے، مگر خدمت کرنے والے کا نام نہیں لکھا ہوا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دل میں سوچا کہ میں اس بوڑھی عورت کی خدمت کیا کروں گا۔ اگلے دن جب وہاں پہنچے تو بڑھیا نے جواب دیا کہ کوئی آدمی آیا تھا اور رات کے اندھیرے میں کام کر کے چلا گیا ہے۔ خدمت یہ ہوتی تھی کہ باہر سے پانی بھر کے لانا اور گھر کے صحن کی صفائی کرنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑھیا سے پوچھا: اماں! اس بندے کا نام کیا تھا؟ اس نے کہا: مجھے تو اس کے نام کا پتہ نہیں اور نہ ہی میں نے کبھی اس کا نام پوچھا ہے۔ پھر پوچھا: وہ کون ہے؟ کہنے لگی: میں نے کبھی اس کی شکل ہی نہیں دیکھی۔ وہ آ کر کہتا ہے کہ پردہ کر لو، میں پردہ کر لیتی ہوں، وہ میرے سارے کام کر کے چلا جاتا ہے، وہ جاتے ہوئے کہتا ہے کہ میں جا رہا ہوں، اب پردہ ختم ہو گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حیران ہو گئے، چنانچہ اگلے دن تہجد پڑھ کر وہاں پہنچے۔ پتہ چلا کہ پھر کام ہو چکا ہے۔ وہ بھی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے، سوچنے لگے کہ اب دیکھیں گے۔ اگلے دن عشا کی نماز پڑھ کر گئے اور راستے میں ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئے۔

جب رات گہری ہوئی اور لوگ سو گئے تو اس وقت ہر طرف سناٹا تھا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ کوئی آدمی ننگے پاؤں اس بوڑھی عورت کے گھر کی طرف جا رہا ہے۔ جب وہ قریب سے گزرا تو انہوں نے پوچھا: ''مَنْ اَنْتَ آپ کون ہیں؟'' جواب میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آواز آئی کہ میں ابو بکر ہوں۔ پوچھا: اے امیر المومنین! آپ اس اندھیری رات میں اس بڑھیا کے گھر میں خدمت کرنے کے لیے آ رہے ہیں اور آپ کے پاؤں میں جوتے بھی نہیں ہیں۔ فرمایا کہ میں جوتے اس لیے اتار کر آیا ہوں کہ یہ لوگوں کے سونے کا وقت ہے، ایسا نہ ہو کہ میرے جوتوں کی آہٹ سے کسی کی نیند میں خلل

آجائے...... (الکامل فی التاریخ: ۲۷۰۲، تاریخ دمشق: ۳۲۲۳۰)

یہ ہے ''ایمانی زندگی'' کہ ایک آدمی خدمت بھی کر رہا ہے اور اس طرح چھپا کر کر رہا ہے کہ وہ کسی کو بتانا بھی نہیں چاہتا۔ یہ نعمت ایمانی زندگی سے نصیب ہوتی ہے، ویسے نصیب نہیں ہوسکتی۔

زندگی بھر معذوروں کی خدمت:

امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت خوبصورت جسم عطا کیا تھا۔ جب ان کی وفات ہوئی اور غسال ان کو نہلانے لگا تو اس نے دیکھا کہ ان کے کندھے کے اوپر ایک کالا نشان ہے۔ اس کو سمجھ نہ آسکی کہ یہ کالا نشان کیوں ہے؟ اہل خانہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی کہا کہ ہمیں پتہ نہیں ہے۔ جب کچھ دن گزر گئے تو وہاں کے ضعفا اور معذوروں کے گھروں سے آواز آئی، وہ کہاں گیا جو ہمیں پانی پلایا کرتا تھا؟ پھر پتہ چلا کہ رات کے اندھیرے میں امام زین العابدین رحمہ اللہ پانی کی بھری ہوئی مشک اپنے کندھے کے اوپر لے کر ان کے گھروں میں پانی مہیا کیا کرتے تھے اور اس راز کو انہوں نے اس طرح چھپائے رکھا کہ زندگی بھر کسی کو پتہ بھی نہ چلنے دیا۔

(البدایہ والنہایہ: ۱۳۳۹، حلیۃ الاولیاء: ۱۳۶۳)

یہ ہے ''ایمانی زندگی'' کہ انسان دوسرے کی خدمت بھی کر رہا ہے، ہمدردی بھی کر رہا ہے، مگر اس سے صرف (شکریہ) کا بھی طلب گار نہیں ہے۔ وہ انسانیت کی خدمت فقط اللہ رب العزت کی رضا کے لیے کر رہا ہے۔

مسافر کے ساتھ حسنِ سلوک:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ کہا کہ شہر کے اندر کے حالات تو میں ہر رات دیکھتا ہوں، چلو آج ذرا باہر کے حالات بھی دیکھوں۔

چنانچہ آپ مدینہ منورہ کی آبادی سے باہر نکلے۔ باہر نکلتے ہی انہوں نے ایک خیمہ دیکھا۔ قریب آئے تو پتہ چلا کہ یہ ایک بدو (دیہاتی) کا خیمہ ہے۔ وہ خیمے سے باہر پریشان حال بیٹھا تھا۔ انہوں نے اس سے خیر و عافیت دریافت کی تو پتہ چلا کہ اس کی بیوی دردزہ کی حالت میں ہے۔ اس نے کہا کہ یہاں تو میرا کوئی واقف بھی نہیں، کوئی رشتہ دار بھی نہیں، مسافر ہوں، کھانے کے لیے بھی کچھ نہیں، میں پریشان ہوں کہ کیا کروں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ الٹے پاؤں اپنے گھر واپس آئے اور اپنی اہلیہ سے کہا کہ ایک مسافر عورت اس حال میں ہے، آپ چلیں، اس کی مدد کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے آٹے کی بوری بھی اٹھالی اور کچھ اور چیزیں بھی لیں اور اپنی اہلیہ کو لے کر وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنی اہلیہ صاحبہ کو خیمے کے اندر بھیج دیا۔

اب وہ بدو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے باتیں کرنے لگا، اس نے پوچھا کہ کیا تم نے کبھی امیر المومنین کو دیکھا ہے؟ وہ تو بڑی اعلیٰ زندگی گزارتے ہوں گے، انہیں تو کسی چیز کی پرواہ ہی نہیں ہوتی ہوگی، بدو یہ باتیں کرتا رہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سنتے رہے، حتیٰ کہ اندر سے ان کی اہلیہ محترمہ نے آواز دی، امیر المومنین! اپنے دوست کو بیٹے کی خوشخبری دے دیجیے۔ اب بدو کو پتہ چلا کہ میں تو امیر المومنین سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ گھبرانے لگا، مگر انہوں نے فرمایا: گھبراؤ نہیں، کل میرے پاس آنا، میں تمہارے اس چھوٹے سے بچے کا روزینہ باندھ دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھ کے واپس آجاتے ہیں اور اگلے دن اس بچے کا روزینہ بندھ جاتا ہے...... یہ ہے ایمانی زندگی۔

ایمان کی پہچان:

ایمان انسان کے اندر سے کھوٹ کھرچ کر ختم کر دیتا ہے۔ جہاں

ایمان کامل ہوگا وہاں سے کھوٹ نکل جائے گا۔ ایمان اور منافقت، یہ دو چیزیں ایک انسان میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ ایمان کی یہ پہچان ہے کہ یہ انسان کے اندر سے دورنگی اور منافقت کو کھرچ کھرچ کر نکال دیتا ہے۔ چنانچہ شریعت کا مسئلہ ہے کہ اگر ایک آدمی شربت پی رہا ہے اور شربت پیتے ہوئے اس نے نیت کر لی کہ میں شراب پی رہا ہوں، تو فقہا نے لکھا ہے کہ اس نیت کے ساتھ اگرچہ وہ شربت پی رہا ہے، مگر اس کو شراب پینے کا گناہ ملے گا، کیونکہ......

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ))

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''

اسی طرح علما نے یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ وقت گزار رہا ہے اور اس وقت گزارنے میں اس نے اگر ذہن میں یہ تصور باندھ لیا کہ فلاں اجنبیہ عورت میرے پاس ہے، اگرچہ وہ اپنی بیوی سے ہمبستری کرے گا، مگر اسے زنا کا گناہ ہوگا...... کیوں؟...... اس لیے کہ اس کی نیت خراب تھی۔ گویا ایمان وہ نعمت ہے جو انسان کی نیت کے میل کو بھی ختم کر دیتی ہے۔ تو جس انسان کی نیت بھی صاف ہو، دل بھی صاف ہو، عمل بھی صاف ہو، وہ پھر کتنا اللہ کی رضا کے لیے عمل کرنے والا انسان ہوگا۔ یہ زندگی ایمان کے بغیر نصیب نہیں ہوسکتی۔

(۲)......اللہ کے لیے دشمنی ہونا:

''اَلْبُغْضُ فِی اللہ''...... یہ بھی انسان کے اندر اللہ کے لیے آتا ہے۔ دشمنی ہوتی ہے تو اللہ کے لیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک دشمن کو گرا کر اس کے اوپر بیٹھے، قریب تھا کہ اس پر وار کر کے ختم کر دیتے، اس دشمن خدا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرے پر تھوک دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پیچھے اتر آئے۔ اس نے کہا: علی! آپ کو تو

اس موقع پر مجھے قتل کرنے میں جلدی کرنی چاہیے تھی، تم پیچھے کیوں ہٹے؟ فرمایا: میں تمہیں اللہ کے لیے قتل کرنا چاہ رہا تھا، جب تم نے تھوکا تو اب میرا ذاتی غصہ بھی شامل ہوا، میں اپنے نفس کی خاطر کسی کو قتل نہیں کرنا چاہتا''۔(حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات: ص۲۱۱)

(۳) اللہ کے لیے عطا کرنا:

''وَ اَعْطٰی لِلّٰہِ''......انسان جب دیتا ہے تو اللہ رب العزت کی رضا کے لیے دیتا ہے۔مثال کے طور پر......

⊙......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے صدقہ کرنا ہوتا تھا تو رات کے اندھیرے میں مستحق لوگوں کے دروازے کے اندر آٹے کی بوریاں ڈال جاتے تھے، اس لیے کہ اس بندے کو بھی پتہ نہ چلے کہ میری امداد کرنے والا کون تھا؟ وہ فقط اللہ کی رضا کے لیے یہ عمل کرتے تھے۔کیا ہی خوبصورتی ہے عمل کی!! (سیر اعلام النبلاء: ۴/ ۳۹۳)

⊙......ایک بزرگ تھے وہ ایک مرتبہ کوئی رفاہی کام کر رہے تھے۔انہوں نے لوگوں سے کہا کہ آپ اس کام میں ہمارا تعاون کیجیے۔ایک آدمی نے ان کو بہت موٹی رقم دی۔وہ لے کر بہت خوش ہوئے اور اس آدمی کو دعائیں دیں۔کسی اور محفل میں وہ آدمی بھی بیٹھا تھا کہ انہوں نے بات کرتے ہوئے لوگوں کی ترغیب کے لیے فرمایا کہ دیکھو! فلاں آدمی نے اتنا تعاون کیا ہے، آپ بھی تعاون کریں۔اب جیسے ہی اس نے دیکھا کہ میرا راز فاش ہو گیا ہے تو وہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ حضرت! میں نے وہ پیسے آپ کو دے تو دیے تھے، لیکن اپنی والدہ سے اجازت لینا بھول گیا تھا، اور میں اپنی والدہ کی اجازت کے بغیر دینا ٹھیک نہیں سمجھتا۔لہٰذا آپ مجھے وہ پیسے واپس کر دیجیے۔محفل میں موجود لوگوں کو اس کا

یہ عمل بہت عجیب لگا۔ حضرت نے اس کی تھیلی واپس کر دی اور اس نے وہ تھیلی لے لی۔ ہر بندے نے اس کو برا محسوس کیا۔ جب باقی سب لوگ اٹھ کر چلے گئے اور وہ اکیلے رہ گئے تو وہ کہنے لگے:

''حضرت! میں نے آپ کو یہ رقم اللہ کی رضا کے لیے دی تھی، آپ نے لوگوں کے سامنے اس کا اظہار کر دیا جس کی وجہ سے میرے نفس کو خوشی ہوئی، میرا یہ عمل برباد ہو جانا تھا۔ میں نے لوگوں میں اس لیے رقم واپس مانگ لی کہ لوگ سمجھیں کہ میں نے وہ واپس لے لی ہے، اب میں اللہ کی رضا کے لیے پھر آپ کو دیتا ہوں۔''

یہ ہوتا ہے انسان کا اخلاص، وہ دیتا ہے تو اللہ کے لیے دیتا ہے۔
اس کو ''ایمانی زندگی'' کہتے ہیں۔

(۴)......اللہ کے لیے کسی کو روکنا:

''وَمَنَعَ لِلّٰہِ''......ایمانی زندگی میں انسان دیتا ہے تو بھی اللہ کے لیے اور اگر نہیں دیتا تو بھی اللہ کے لیے۔ اس کی بھی مثالیں سن لیجیے!

⊙......سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مال غنیمت کے اندر بہت سارا عطر آیا۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ نے کہا: جی! میں اس کو تقسیم کرتی ہوں۔ فرمایا: نہیں، آپ اس کو تقسیم نہیں کر سکتیں۔ پوچھا کہ کیوں؟ میں ٹھیک ٹھیک تقسیم کروں گی، حتی کہ ہاتھ پر بھی نہیں لگنے دوں گی۔ فرمایا: جب آپ عطر تقسیم کر رہی ہوں گی تو اس وقت آپ کو خوشبو تو آئے گی، میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری بیوی کو اس مال میں سے خوشبو مل جائے۔ (الزہد لاحمد بن حنبل: ص ۱۱۹)

⊙......سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ چاہتی تھیں کہ کوئی سویٹ ڈش بنائیں، مگر آپ بیت المال سے بہت کم وظیفہ لیتے تھے۔ چنانچہ اس نے ایک

مرتبہ سوچا کہ میں کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا بچاتی ہوں، جب اتنے پیسے ہو جائیں گے تو میں کوئی میٹھی چیز (حلوہ وغیرہ) بناؤں گی، چنانچہ وہ تھوڑا تھوڑا بچاتی رہی۔ بالآخر ایک دن اس نے حلوہ بنایا۔ خود بھی کھایا اور کچھ حضرت کے سامنے بھی پیش کیا۔ حضرت نے پوچھا: یہ پیسے کہاں سے آئے؟ بتایا کہ میں نے اس طرح تھوڑے تھوڑے بچائے تھے اور آج میں نے اس سے یہ حلوہ بنایا۔ فرمانے لگے: تجربہ سے ثابت ہوا کہ اتنے پیسے ہماری ضرورت سے زیادہ ہیں۔ لہٰذا اس کے بعد بیت المال سے اتنے پیسے لینے کم کر دیے...... یہ صفت انسان کے اندر تب آتی ہے جب اسے ایمانی زندگی نصیب ہوتی ہے۔

⊙...... ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے آئے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا کچھ کام کر رہے تھے۔ جب انہوں نے وہ کام مکمل کر لیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ علی! آپ نے کوئی امور خلافت کی بات کرنی ہے یا کوئی ذاتی مشورہ کرنے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: جی! میں کوئی ذاتی بات کرنے آیا ہوں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ رجسٹر بھی سمیٹ دیا اور پھونک مار کر چراغ بھی بجھا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے اور پوچھنے لگے: عمر! مہمان کے آنے پر چراغ جلایا کرتے ہیں، چراغ بجھایا تو نہیں کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بھائی علی! آپ نے سچ کہا، مہمان کے آنے پر چراغ جلاتے ہیں بجھاتے نہیں، لیکن میں نے اس لیے بجھایا کہ مجھے اور آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم ذاتی گفتگو کرتے رہیں اور بیت المال کے پیسے کا تیل جلتا رہے۔''

(حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات: ص ۱۰۴)

یہ چیز فقط عقل کی وجہ سے انسان کے اندر نہیں آتی، بلکہ ایمان کی وجہ سے آتی ہے۔ اس ایمانی زندگی میں انسان دوسروں کے لیے اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے۔ وہ بندوں سے کچھ نہیں چاہتا، وہ فقط اللہ سے چاہ رہا ہوتا ہے۔

⊙ ......حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی دیکھ لیجیے! انہوں نے کیسی تقویٰ بھری زندگی گزاری!! حالانکہ ان کا اتنا اختیار تھا کہ وہ چاہتے تو خزانے سے اپنی خواہشات کو پورا کر سکتے تھے۔

⊙ ......سیدنا یوسف علیہ السلام کی مثال دیکھیے! ان کو گناہ کی دعوت مل رہی تھی۔ اگر وہ چاہتے تو اپنی خواہش کو پورا کر سکتے تھے، مگر اللہ کے خوف نے ان کو اس چیز سے پیچھے ہٹا دیا۔ یہ ہے ایمانی زندگی، کہ انسان کو دیکھنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا، انکار کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا، فقط اللہ کے ڈر کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو گناہوں سے بچا رہا ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام:

تو اب تین باتیں یاد رکھیے:

جب جسم پر

......نفس کی حکومت ہوگی تو حیوانی زندگی،

......عقل کی حکومت ہوگی تو انسانی زندگی،

......قرآن کی حکومت ہوگی تو ایمانی زندگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس ایمانی زندگی کو گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

طرزِ جمہوری نہ شانِ کجکلاہی چاہیے
جس کے بندے ہیں اسی کی بادشاہی چاہیے

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تکمیلِ ایمان

از افادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

ناشر
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
041-2618003

تکمیلِ ایمان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○
وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ)) (ابو داود، رقم: ۴۶۸۶)
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ○
وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

ایک رہنما حدیث:

ہر کلمہ گو شخص کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ میرا ایمان کامل ہو جائے ، مجھے ایمان میں کمال حاصل ہو جائے اور اس کے لیے وہ کوشش بھی کرتا ہے اور جستجو بھی ہوتی ہے کہ میں کون کون سے کام کروں جن سے کہ مجھے ایمان کا کمال حاصل ہو جائے، میں کامل مومن بن جاؤں۔ چنانچہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے ایک حدیث مبارکہ میں اس مضمون کو کھولا ہے۔ محسنِ انسانیت نے چند جملوں کے اندر دریا کو کوزے میں بند کر دیا، جو ایمانِ کامل کے متلاشی تھے، ان کے لیے منزل پر پہنچنا آسان کر دیا۔

چنانچہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ اَعْطٰى لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ)) (ابو داؤد، رقم: ۴۶۸۳)

''جس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے غصہ کیا اور اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے روکا پس اس نے ایمان مکمل کرلیا''

اس حدیث مبارکہ میں چار چیزیں بیان کی گئیں، جو بندے میں پیدا ہو جائیں تو اس کا ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔

① اللہ کے لیے محبت ہونا

حدیث شریف میں جو پہلی بات بیان فرمائی گئی ہے:

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ))

''جس نے اللہ کے لیے محبت کی''

محبت کے مختلف انداز ہوتے ہیں:

......بسا اوقات یہ محبت فقط مال و دولت کی وجہ سے ہوتی ہے، مال ومنال کی وجہ سے ہوتی ہے۔

......اور کبھی یہ محبت حسن و جمال کی وجہ سے ہوتی ہے۔

......کبھی یہ محبت فضل وکمال کی وجہ سے ہوتی ہے، کسی کی صفات کی وجہ سے، اچھی پرسنیلٹی کی وجہ سے، اچھے اخلاق کی وجہ سے۔

......اور کبھی اپنے نفس کی وجہ سے۔

......کبھی علاقے کی وجہ سے۔

مگر محبت کی ایک نسبت یہ ہے کہ ایمان والوں سے اس لیے محبت ہو کہ یہ میرے اللہ کے بندے ہیں، یہ کلمہ پڑھنے والا ہے۔ اس کو کہتے ہیں: ''اللہ کے لیے محبت۔'' اس میں کوئی دنیاوی غرض وغایت نہ ہو، مقصود فقط اللہ کی رضا ہو۔

اللہ کے لیے محبت کا درجہ اور فضیلت:

اس نسبت سے جو محبت ہو اللہ کے ہاں اس کا بڑا درجہ ہے۔ یہاں تک کہ حدیثِ پاک میں فرمایا گیا: قیامت کے دن سخت دھوپ ہوگی، مشکل وقت ہوگا، لوگ پسینے میں ڈوبے ہونگے، ان میں سے سات بندے ایسے ہوں گے جو اللہ رب العزت کے عرش کے سائے میں ہوں گے۔ وہ سات بندے اس دن جو عرش کے سائے میں ہوں گے، ان میں سے دو وہ ہوں گے:

((تَحَآبَّا فِي اللّٰهِ)) (بخاری، حدیث: ٦٨٠٦)

''جو اللہ کی رضا کی کے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہوں گے۔''

ان کی محبت کی بنیاد دین ہوگی۔ دین کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت رکھنا، یہ ایسا عمل ہے کہ اسی پر قیامت کے دن مغفرت ہو جائے گی۔ آپ سوچیے! کہ اللہ کے ہاں اس کا کیا مقام ہے!!

چنانچہ ایسے لوگ جو اللہ کے لیے محبت کرتے ہوں، جب وہ ایک جگہ مل بیٹھ کر اللہ کو یاد رکھتے ہیں، اللہ کی باتیں کرتے ہیں، تذکرے کرتے ہیں تو حدیث پاک میں ہے کہ لوگ مختلف شہروں سے مختلف قبیلوں سے، ایک جگہ پر اس لیے جمع ہوں کہ اللہ کی محبت اس کی بنیاد ہے۔ تو اس مجمع کے Dispers (منتشر) ہونے سے پہلے، اللہ ان کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ (بخاری، حدیث: ٦٤٠٨) تو سوچیے کہ اللہ کے ہاں یہ کتنا عظیم عمل ہے کہ اللہ کی نسبت سے

ہم محبت کریں!!

اللہ کے لیے محبت کی پہچان:

ہمارے مشائخ نے اس مضمون کو کچھ مزید Explain (واضح) کر دیا ہے کہ اللہ کی محبت اگر ہو تو اس کی پہچان کیا ہے؟ اس کی نشانیاں، اس کی علامات کیا ہیں۔ ایسے تو نہیں کہ ایک بندہ کہہ دے کہ میری محبت تو اللہ کے لیے ہے۔ نہیں، اس کی نشانیاں بتائی گئیں۔

بھائی کو فوقیت دینا:

فرمایا کہ جب تمہیں اللہ کے لیے کسی سے محبت ہو تو اپنے بھائی کو اپنے اوپر فوقیت دو۔ یہ پہلی دلیل ہے محبت کی کہ انسان دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہے اور اپنی ضروریات میں صبر کر لیتا ہے، اپنے بھائی کی ضروریات میں کوشش کرتا ہے۔

بھائی کی ضرورت کو پورا کرنا:

دوسری علامت کہ اگر اسے کوئی ضرورت ہو تو اس کی حاجت کو اللہ کے لیے پورا کرنا۔

بھائی کو کلمہ خیر کہتے رہنا:

اور تیسری بات کہ خیر کے کلمات کہتے رہنا۔ اچھا دوست وہی ہوتا ہے جو نصیحت کی بات کرتا رہے، نیکی کی بات کرتا رہے۔ موقع محل کی مناسبت سے بات سمجھاتا رہے۔ یہ نہیں ہے کہ جو ہر اچھے برے کام میں آپ کا ساتھی بن

جائے۔نہیں،آپ اچھا کام کر رہے ہیں تو وہ آپ کو Appreciate (تحسین) کرتا رہے اور اگر غلطی کر رہے ہیں تو وہ اچھے انداز سے اصلاح کرے۔

دیکھیے! ایک ہوتا ہے Criticize (تنقید) کرنا، یہ ایک مختلف چیز ہے۔ اور ایک ہوتا ہے اصلاح کرنا، یہ مطلوب چیز ہے۔تو ہمیں فقط تنقید نہیں کرنی، اصلاح کرنی ہے۔جس نے اصلاح کرنی ہوتی ہے، اس کے اندر ایک درد ہوتا ہے، ایک محبت، ایک اپنائیت ہوتی ہے، وہ اچھے انداز سے بات کرتا ہے۔ مثال کے طور پر: جوان العمر بیٹا ہے، فجر کی نماز کا وقت ہے اور وہ سویا پڑا ہے۔ اب جوانی میں نیند غالب ہوتی ہے۔تو ایک تو یہ ہے کہ باپ آئے اور بڑی محبت کے انداز میں کہے: اے میرے بیٹے! پیارے بچے! اٹھو اللہ کو یاد کرو! اس طرح سے اس کو نماز کے لیے جگائے، اس کو اصلاح کہیں گے کہ اب والد کے لہجے کے اندر محبت ہے، اپنائیت ہے اور ایک درد ہے۔اور وہ ایسے الفاظ کا چناؤ کر رہا ہے کہ بچہ سویا ہوا بھی جاگ جائے۔

اور ایک طریقہ یہ ہے کہ اٹھو! نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ مردار سویا پڑا ہے، شرم نہیں آتی۔اس نے بھی جگایا اور پہلے والے نے بھی جگایا، مگر دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔پہلے والے نے اصلاح کی اور دوسرے والے نے فقط (Criticize تنقید) کیا۔اب جس نے تنقید کی اس نے بچے کے دل میں محبت نہیں بڑھائی، بلکہ اس نے بچے کے دل میں اپنا مقام گھٹا دیا۔

تو دوست کے ساتھ کلماتِ خیر کہتے رہنا، یہ اس کی دوستی کا تقاضا ہوتا ہے۔

اظہارِ محبت کرنا:

پھر فرمایا کہ اس کے ساتھ اظہار محبت بھی کرو۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ آدمی کو کسی سے اللہ کے لیے محبت ہو تو اس کو بتائے کہ بھائی!

((اِنِّیْ اُحِبُّكَ فِی اللّٰہِ)) (کنز العمال، رقم: ۲۴۸۰۵)

''مجھے اللہ کے لیے آپ سے محبت ہے۔''

اور حدیث پاک میں یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ اگر کوئی کہے: اِنِّیْ اُحِبُّكَ فِی اللّٰہِ تو اس کے جواب میں کہنا چاہیے:

((اَحَبَّكَ الَّذِیْ اَحْبَبْتَنِیْ لَہٗ)) (مسند ابی یعلی، رقم: ۳۴۴۲)

''تجھ سے وہ ذات محبت کرے جس کی وجہ سے تو مجھ سے محبت کرتا ہے۔''

یہ کتنی خوبصورت باتیں ہیں، جو اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سمجھائیں!

خطا کو معاف کرنا:

پھر فرمایا کہ اپنے بھائی کی خطا کو معاف کرنا۔ انسان جب ایک دوسرے سے Interact (معاملات) کرتے ہیں تو Mistake (غلطی) بھی کر جاتے ہیں۔ Humanbeing (انسان) ہیں، خطا ہو جاتی ہے، بھول ہو جاتی ہے۔ کسی نے ایک اچھی بات کہی:

Allah gives and forgives

Man gets and forgets

''اللہ دیتا ہے اور معاف کر دیتا ہے۔ بندہ لیتا ہے اور بھول جاتا ہے''

تو ممکن ہے کہ دونوں کا محبت کا تعلق ہو، مگر ایک اس میں سستی کر جائے، غلطی کر جائے، اگر اس سے خطا ہو جائے تو اس کی خطا کو اللہ کے لیے معاف کر دے۔ ورنہ بعض لوگ ہوتے ہیں، وہ بات کا بتنگڑ بنا دیتے ہیں، پر کا پرندہ۔ بس انہیں تھوڑا سا ایشو ملنا چاہیے، بھائی! اگر نیت کھوٹی ہو تو لڑنے جھگڑنے میں کون سی دیر لگتی ہے؟

دو عورتیں پڑوسن تھیں، دونوں کے گھروں کے درمیان میں چھوٹی سی دیوار تھی۔ تو ان میں سے ایک کام کاج کر کے فارغ ہوتی تھی تو اس دیوار پر کھڑی ہو کر کہتی کہ آ پڑوسن لڑیں، تو وہ کہتی کہ لڑے میری جوتی۔ وہ کہتی: جوتی لگے تیرے سر پر۔ بس یہیں سے ابتدا ہو جاتی۔

تو لڑنا کون سا مشکل ہوتا ہے، جانور بڑے آرام سے لڑ لیتے ہیں۔ جس میں بھی جانوروں والی عادتیں ہوں گی وہ بڑے آرام سے جھگڑا کر لے گا۔ ہاں! نہ جھگڑنا، اپنے آپ کو ہولڈ کر لینا، Patience ہونا، صبر کرنا، یہ انسانیت ہے۔

تکلف نہ کرنا:

پھر ایک علامت یہ ہے کہ تکلف نہ کرنا، جب محبت ہو تو تکلفات اچھے نہیں۔

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اَنَا وَ اَتْقِيَاءُ اُمَّتِي بُرَاءٌ مِّنَ التَّكَلُّفِ (مرقاۃ المفاتیح: ۱۳/ ۲۸۴)

''میں اور میری امت کے متقی لوگ تکلف سے بری ہیں''

لہٰذا اپنے بھائیوں سے بے تکلفی ہونی چاہیے۔

دعائے خیر کرتے رہنا:

پھر اپنے بھائی کے لیے دعائے خیر کرنا یہ بھی دوستی کا حق ہے۔ حدیث پاک

میں آتا ہے کہ دوست کی دعا دوست کی پیٹھ پیچھے اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں۔

(ترمذی، حدیث: ۱۹۸۰ باب ماجاء فی دعوۃ الاخ لاخیہ بظہر الغیب)

علما نے لکھا ہے کہ اس حدیث پاک میں نیک اور بد کا کہیں تذکرہ نہیں کہ نیک دوست دعا کرے گا تو قبول کریں گے، فقط دوست کا تذکرہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نیک بخت ہونا اپنی جگہ، کیونکہ محبت میں خلوص ہوتا ہے، اس خلوص کی وجہ سے اگر دوست کی پیٹھ پیچھے دعا کریں گے، اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرمالیں گے۔ تو ہم ایک دوسرے کو دعاؤں میں بھی یاد رکھیں۔

زیادہ توقعات نہ باندھنا:

اور ایک بات کہ اس کے ساتھ زیادہ امیدیں نہ باندھیں۔ بعض لوگ ذرا قریب ہوتے ہیں تو Overexpectations (زیادہ توقعات) رکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ جہاں توقعات زیادہ ہوں گی، وہاں پھر مایوسیاں بھی ہوں گی۔

پسماندگان سے حسنِ سلوک کرنا:

اور آخری بات یہ کہ اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کے پسماندگان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرنا۔ چنانچہ ہمارے اکابر کی زندگیوں میں یہ بات لکھی ہے کہ انہوں نے اللہ رب العزت کی رضا سے جن سے محبت کی، ان کی فوت ہو جانے کے بعد چالیس سال تک ان کے پسماندگان کے ساتھ حسنِ معاملہ رکھا۔

اس کو کہتے ہیں: مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ جو اللہ کے لیے محبت کرے۔ تو ہمارا تعلق اللہ کے لیے ہو، محبتوں کی بنیاد اللہ کی ذات ہو۔ جس نے یہ پہلا قدم اٹھالیا اس نے یوں سمجھیں کہ ان چار میں سے ایک چیز کو حاصل کرلیا۔

② اللہ کے لیے بغض رکھنا

اور دوسری بات کہ

﴿وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ﴾

''اللہ کے لیے بغض رکھے''

کسی سے ناراض ہو یا بغض رکھے تو بھی اللہ کے لیے۔ اب یہ بات بہت نازک ہے، مشکل سے سمجھ میں آنے والی ہے۔ پوائنٹ یہ ہے کہ جو اللہ کا بندہ ہے اس کے ساتھ اللہ کی محبت کی وجہ سے، تعلق کی وجہ سے، ایک انسانیت کا تعلق تو ہونا ہی چاہیے۔ مثلاً: کافر بھی ہے تو اگر بات کرنی پڑے تو انسان اچھے انداز سے کرے، کُھلے چہرے سے بات کرے۔ الفاظ کا چناؤ ایسا ہو کہ دل میں محبت بڑھے، تبھی تو وہ قریب ہوگا۔ تبھی تو وہ اسلام قبول کرے گا اور اگر تیوریاں چڑھا کر ملیں گے تو وہ دور بھاگے گا۔ آج تو چھوٹے بچے کو ناراض ہو کر دیکھو وہ رونا شروع کر دیتا ہے، اتنے چھوٹے سے بچے کے اندر بھی Feelings (محسوسات) ہوتے ہیں کہ یہ دیکھنے والا مجھے ٹھیک طرح سے نہیں دیکھ رہا، تو میچور انسان تو میچور ہوتا ہے۔

انسانیت کی تکریم ضروری ہے:

شریعت نے یہ کہا کہ دیکھو! اچھے انداز سے گفتگو کرنا اور کھلے چہرے سے ملنا یہ ہر انسان کا حق ہے، مسلمان ہو یا کافر۔ سنیے قرآن عظیم الشان! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ (البقرۃ: ۸۳)

''انسانوں کے ساتھ اچھے انداز سے گفتگو کرو''

اب انسان تو کوئی بھی ہوسکتا ہے۔ پھر دوسری بات فرمائی کہ اگر تم انسانوں سے گفتگو کرو

﴿ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ ﴾ (لقمان:۱۸)

''کہ لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے تم اپنے چہرے کو مت پھلاؤ''

تیوریاں چڑھا کر غصے میں بات کرنے سے منع کیا۔ یہ قرآن کی آیتیں ہیں۔

یہ دو بنیادی چیزیں ہیں ہر انسان کے لیے، مسلمان ہو یا کافر، انسان ہونے کے ناطے۔ اس کو کہتے ہیں: Respect of Humanity (انسانیت کی تکریم)

محبت کا تعلق صرف مومن سے ہو:

ہاں! اگر وہ انسان مومن ہے تو اب اس کے ساتھ محبت کا تعلق ہے۔ چنانچہ شریعت نے کہا کہ کافر کے ساتھ آپ کاروبار کر سکتے ہیں، لین دین کر سکتے ہیں، محبت کا تعلق مت رکھیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک آدمی بزنس کرتا ہے تو اس کے پانچ سو کسٹمر ہیں، مگر پانچ سو کسٹمر سے اسے محبت تو نہیں ہوتی۔ محبت تو چار پانچ سے ہوتی ہے۔ محبت جہاں ہوتی ہے، وہاں انسان دل کی باتوں کو شیئر کرتا ہے اور اس کی باتوں کو قبول کرتا ہے۔ شریعت نے کہا کہ Close Circle (قرب کے دائرے) میں فقط تم ایمان والوں کو رکھو۔ کافر کو قریبی دائرے میں رکھو گے تو تم بھی کافر بن جاؤ گے۔

چار قسم کے لوگوں کی دوستی سے بچیں!

اس لیے قرآن مجید میں کہا کہ چند لوگوں سے تم ذرا احتیاط برتو۔ کونسے لوگ؟

(۱) کافر:

فرمایا:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

''مومن لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا یار و مددگار نہ بنائیں''

قرآن مجید کی آیت ہے، قانون ہے کہ ایمان والوں کو زیب نہیں دیتا کہ وہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کے ساتھ دوستی کریں۔ تو محبت کا تعلق ہم ان سے نہیں رکھ سکتے، محبت ہوگی تو ان کے طور طریقے اپنائیں گے اور اپنے طریقوں کو چھوڑیں گے۔ تو شریعت نے اس کے اوپر ایک بین لگا دیا کہ تمہاری Interaction (تعلقات کار) کی limitation (حد) ہے۔ تم ان کے ساتھ کام کرو، کاروبار کرو، اگر تمہیں ان کی ضرورت ہے، ضرور پوری کرو، مگر محبت کا تعلق فقط اللہ کے ماننے والوں سے ہونا چاہیے۔ یہ تمہارے اللہ کے دشمن، یہ تمہارے پیارے رسول اللہ کے دشمن، یہ تمہارے دوست کہاں سے ہو سکتے ہیں؟ آج تو بیٹا اپنے باپ کے مخالف کے ساتھ تھوڑی دیر کھڑا ہو کر بات کر لے تو باپ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی اچھا نہیں لگتا کہ بندے میرے ہوں اور جو میرے دشمن ہیں ان سے محبتیں کرتے پھریں۔ فرمایا: محبت نہیں کرنی۔

اب اَلْبُغْضُ لِلّٰهِ کی باؤنڈری میں سب سے پہلے کافر ہیں کہ ہم ان سے تھوڑا الگ ہو کر رہیں۔ کس لیے الگ ہو رہے ہیں؟ اللہ کے لیے ہو رہے ہیں۔

(۲) ظالم:

...... پھر دوسرا ظالم کہ ظالم کوئی بھی شخص ہو ہمیں اس کے ظلم میں اس کا ساتھ

نہیں دینا۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو بندہ ظالم کے ساتھ چلا اور اس کو پتہ ہے کہ یہ ظالم ہے، قیامت کے دن وہ اس حال میں اٹھے گا کہ ایمان سے خالی ہو گا۔ تو ظالم کا ساتھ نہیں دینا مظلوم کا ساتھ دینا ہے۔ اب ہم ظالم کے ساتھ سے پیچھے ہٹ رہے ہیں، ہٹنے کی وجہ کیا ہے؟ اللہ کے لیے۔

(۳) فاسق:

تیسرا فرمایا کہ فاسق وفاجر بندہ۔ تو اس کے ساتھ بھی محبت کا تعلق مت رکھو! اس لیے کہ جو فاسق اور فاجر ہے وہ تمہارا وفادار کہاں ہوگا؟ اور ہم تو روزانہ دن میں ایک مرتبہ اللہ کے سامنے وعدہ کرتے ہیں۔ ہم میں سے ہر بندہ جو عشا کی نماز پڑھتا ہے وہ وتر میں کیا کہتا ہے؟

وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ

''اے اللہ! ہم نے خلع حاصل کر لی (الگ ہو گئے) ہم نے ترک کر دیا ہر اس بندے کے تعلق کو جو فاجر ہے''

تو روزانہ ہاتھ باندھ کے اللہ کے سامنے اقرار کرتے ہیں کہ ہم بروں سے دوستی نہیں لگائیں گے۔ ہم اچھوں سے دوستی لگائیں گے۔

(۴) بدعتی:

اور چوتھا شخص جس سے الگ رہنے کا حکم ہے، وہ ہے بدعتی۔ کیونکہ حدیث پاک میں آتا ہے: ''جس شخص نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے گرانے میں مدد کی۔'' (المعجم الکبیر، حدیث: ۱۸۸، شعب الایمان، حدیث: ۹۴۶۴)

تو ہمیں بدعتی سے بھی محبت کا تعلق نہیں رکھنا۔

برائی سے نفرت ہو، برے سے نہیں:

کسی بدعتی سے یا برے آدمی سے دل میں نفرت نہ ہونی چاہیے، بلکہ اس کی برائی سے نفرت ہونی چاہیے۔ جو لوگ کچا پیاز کھاتے ہیں تو منہ کے اندر ایک بری سی مہک آجاتی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں کچا پیاز اس لیے نہیں کھاتا:

((اِنِّیْ اَکْرَہُ رِیْحَھَا)) (مسلم، رقم: ۱۲۸۴)

''میں اس کی بدبو کو ناپسند کرتا ہوں''

تو یہاں سے محدثین نے نکتہ نکالا کہ یہ نہیں فرمایا کہ میں پیاز کو ناپسند کرتا ہوں، فرمایا: میں اس کی بدبو کو ناپسند کرتا ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ برے سے نفرت نہیں، اس کی برائی سے نفرت ہونی چاہیے۔ کسی وقت بھی وہ برائی کو چھوڑ سکتا ہے۔ چنانچہ ہمارے مشائخ اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے تعلق رکھتے تھے۔

اللہ کے لیے محبت اور بغض کی مثال:

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ مجلس میں نعت اور اس قسم کے اشعار سنا کرتے تھے، اس کو ''محفلِ سماع'' کہا جاتا تھا۔ جب اشعار پڑھے جاتے تھے تو کچھ سالکین کے اوپر حال بھی طاری ہو جاتا تھا، ''اللہ اللہ اللہ''۔ اب اگر حال طاری ہوا تو وہ تو معذور ہے، مگر شریعت تو کہتی ہے کہ بھئی! تم اس طرح سے بے قابو نہ ہو۔ اس کو روکتی ہے شریعت، ورنہ تو بے قابو ہو کر سارے ناچنے لگ جائیں گے۔ تو شریعت نے اس کے اوپر ایک حد لگا دی کہ تم رد کو جتنا تم روک سکتے ہو۔

چنانچہ ان کے زمانے میں ایک محتسبِ اعلیٰ تھے، ان کا نام تھا قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ۔ حکومت نے ان کو متعین کیا تھا کہ تم جہاں کہیں بھی خلافِ شرع بات دیکھو اس کو روک دو۔ خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی جب کہیں محفل ہوتی تو قاضی ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہنچ جاتے اور محفل کو برخاست کروا دیتے۔ ادب کا خیال رکھتے Misbehave (گستاخی) نہیں کرتے تھے، ان کو نرمی سے کہہ دیتے تھے کہ بھئی! مجلس برخاست کر دو، تو وہ کر دیتے۔ اب وہ جو مریدین تھے، ان کو بڑا غصہ آتا کہ ہمارے حضرت کے کام میں دخل اندازی۔ پیر خود نہیں اڑتے، مرید اڑاتے ہیں، ہمارے حضرت کی محفل کو کیوں ختم کروایا۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کو خبر ملی کہ قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے۔ کوئی ہم جیسا ہوتا تو کہتا کہ دیکھو ہماری کرامت، دیکھو! یہ ہم سے مخالفت کرتا تھا، اللہ نے اس کو بیمار کر دیا اور ذلیل کر دیا۔ ہم کرامتیں بیان کر رہے ہوتے اور خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کو جب پتہ چلا تو انہوں نے سوچا کہ

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ)) (ابن ماجہ، رقم: ۱۴۲۵)

''مومن کے مومن پر پانچ حق ہوتے ہیں''

ایک اس میں عیادۃ المریض بھی ہے۔ اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنی چاہیے۔ تو خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اب قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ لیٹے ہوئے ہیں اور آخری آخری وقت ہے۔ دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ جو خادم تھا اس نے آ کے دیکھا کہ خواجہ صاحب کھڑے ہیں۔ اس نے جا کر قاضی صاحب سے کہا: ''آپ سے خواجہ صاحب ملنے کے

لیے آئے ہیں'' تو قاضی صاحب نے کہا کہ دیکھو بھائی! میری ان سے بعض مسائل میں اختلاف رائے ہے۔ جس بندے سے تھوڑا سا بھی اختلاف رائے ہو تو اس سے آخری وقت میں ملوں گا تو طبیعت کے اندر تکدر آئے گا۔ تو میں اپنی یکسوئی میں خلل نہیں ڈالنا چاہتا، ان سے جا کر معذرت کر دو کہ میں اس وقت نہیں مل سکتا۔ میرا آخری وقت ہے، بس مجھے رجوع الی اللہ کے ساتھ مرنے دو! اس لڑکے نے جا کر کہہ دیا کہ جی! وہ کہہ رہے ہیں: میرا یکسوئی کا وقت ہے، میرا آخری وقت ہے، میں اپنی یکسوئی میں خلل نہیں پسند کرتا تو آپ مہربانی فرمائیں، میں نہیں مل سکتا۔''

خواجہ صاحب نے آگے سے جواب دیا کہ قاضی صاحب سے کہو کہ جن معاملات میں مجھے ان سے اختلاف ہے، میں ان سے توبہ کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ جب خواجہ صاحب کا یہ پیغام قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچا، کہتے ہیں کہ وہ لیٹے ہوئے تھے، سر پر عمامہ باندھا ہوا تھا، اٹھ بیٹھے۔ عمامہ کھولا اور شاگرد سے کہا کہ میری چار پائی سے دروازے تک میرا عمامہ بچھا دو اور خواجہ صاحب کو کہو کہ اس پر جوتوں کے ساتھ چلتے ہوئے آئیں۔ تو معلوم ہوا کہ اس اختلاف کی بنیاد فقط اللہ کا دین ہے اور کوئی نفرتیں نہیں ہیں۔ یہ ہمارے اکابر کے طریقے تھے کہ اختلاف رائے کے باوجود دل میں ایک دوسرے کے ساتھ اتنا اخلاص ہوا کرتا تھا۔ آج تو ہم ذرا سی بات پر ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی پیدا کر لیتے ہیں۔

تو فرمایا: مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ جو اللہ کے لیے محبت کرے وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ اور اگر دل میں بغض ہو تو وہ بھی کس لیے؟ اللہ کے لیے۔ جس نے یہ دو کام کر لیے، یوں سمجھیں کہ اس نے ففٹی پرسنٹ (آدھا) اپنی منزل کو طے کر لیا۔

③ اللہ کے لیے عطا کرنا

اور تیسری بات فرمائی کہ

((وَاَعْطٰی لِلّٰہِ))

''کہ اگر کسی کو دے تو بھی اللہ کے لیے دے۔''

چنانچہ ہم مال کو خرچ کریں تو اللہ کے لیے خرچ کریں۔ اگر اس خرچ کرنے میں دنیا کا نام مطلوب ہوگا تو اس کو اللہ کے ہاں قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگر ہم خرچ کریں اور دوسرے پر احسان جتلائیں تو ہم نے اپنے صدقے کو ضائع کر لیا۔

﴿لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾ (البقرۃ:۲۶۴)

''اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر ضائع مت کرو''

تو اعطی للہ دیں تو بھی اللہ کے لیے دیں۔ چنانچہ ایک دو واقعات سن لیں، تاکہ بات اچھی طرح سے واضح ہو جائے۔

خلوص عمل ہو تو ایسا؟

ایک دفعہ رفاہ عامہ کے لیے کوئی کام کرنا تھا۔ تو جو حاکمِ وقت تھا اس نے ایک عالم کو کہا کہ بھئی! آپ ذرا مسجد میں لوگوں کو متوجہ کریں کہ مخیر حضرات اس میں حصہ ڈالیں اور ہم اس کام کو، اس پروجیکٹ کو کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے بیان کیا اور لوگوں کو ترغیب دی۔ ابو عمر نجیر نے اس کو کہا کہ بھئی! میں تمہیں دو لاکھ درہم اس مقصد کے لیے دیتا ہوں۔ وہ بڑے خوش ہو گئے۔

اگلی نماز کے وقت میں وہ پھر لوگوں کو ترغیب دینے کھڑے ہوئے تو

انہوں نے بات کرتے کرتے ان کا تذکرہ کر دیا، دیکھو لوگو! اس میں خرچ کرو۔ دیکھو! ابوعمر نجیر نے بھی اس کے لیے دو لاکھ درہم دیے ہیں۔ جب انہوں نے یہ کہا تو ابوعمر نجیر کھڑے ہو گئے اور کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ جی! وہ میں نے آپ کو دے تو دیے، لیکن میں نے اپنی والدہ سے مشورہ نہیں کیا تھا، تو میرے ذہن میں آرہا ہے کہ مجھے ان سے مشورہ ضرور کرنا چاہیے تھا، آپ مہربانی کر کے مجھے واپس کر دیں۔ اب یہ عجیب بات کہ ایک وقت میں تو اتنا بڑا اقدم اٹھایا اور اب مجمع کے سامنے کہہ رہے ہیں کہ وہ مجھے واپس کر دو تو لوگوں کے دل میں بجائے محبت بڑھنے کے الٹا عجیب سی بات پیدا ہوئی۔ اور عالم صاحب مجمع کے سامنے نا بھی نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے دو لاکھ جو لیے تھے وہ واپس کر دیے۔

اب جب پورا مجمع چلا گیا تو ابوعمر نجیر دوبارہ اس کے پاس گئے، انہوں نے کہا کہ دیکھو میرے بھائی! تم نے لوگوں کو ترغیب کے لیے یہ بات بتائی، لیکن میرے عمل کو تو تم نے ضائع کرنا تھا۔ اس لیے میں نے لوگوں کے سامنے واپس لے لیا، تاکہ لوگ اس کو پسند نہ کریں۔ اب وہ چلے گئے، میں اللہ کے لیے دو لاکھ درہم پھر دے رہا ہوں۔ تو اتنا اہتمام کرتے تھے کہ ہماری ان باتوں کا کسی کو پتہ ہی نہ چلے، ہمیں اجر فقط اللہ سے چاہیے۔

عمل کی پے منٹ دنیا میں:

لوگ جو تعریف کرتے ہیں یہ بھی اس عمل کی payment (ادائیگی) ہوتی ہے، اس کا اجر ملتا ہے۔ یا شہرت مل جانا، یا فائدے کی نیت کرنا، یہ سب اجر

ہے۔ جب کسی نے تعریف کر لی تو اب اللہ کے ہاں اس کا کوئی اجر نہیں۔ دنیا میں Payoff (ادا) ہو گیا۔

ایک مرتبہ ہم کہیں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک نوجوان انجینئر بڑا ہی پریشان تھا۔ کہہ رہا تھا کہ میرے گھر میں یہ پریشانی آ گئی، مجھے پیسوں کی ضرورت ہے اور میرے پاس پیسے ہیں نہیں۔ اس دوران کمپنی کا چیف اکاؤنٹنٹ وہاں سے گزرا۔ اس کو کہتا ہے: یار! میں نے آپ کا کوئی واؤچر دیکھا ہے کوئی پانچ ہزار کا، ذرا میرے پاس آنا۔ ہم نے دیکھا اس انجینئر کے چہرے پر چمک آ گئی، چہرہ کھل گیا کہ بھئی! میرا پانچ ہزار بنتا ہے تو مل جائے گا، میری ضرورت پوری ہو جائے گی۔ تو وہ اسی وقت اکاؤنٹ برانچ میں چلا گیا۔ اور پندرہ بیس منٹ کے بعد واپس آیا تو آنکھوں میں آنسو تھے۔ ہم نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ جی! واؤچر تو تھا، جب اس کو نکالا تو اس پر Paid off (ادا کر دیا) کی Stamp (مہر) لگی ہوئی تھی۔ اُس دن دل میں خیال آیا کہ جو بندہ لوگوں سے تعریفوں کی توقع کرتا ہے وہ جتنا بڑا عمل کیوں نہ کر لے جب لوگوں نے تعریف کر دی، اللہ اس پر پیڈ آف کی مہر لگوا دیتے ہیں۔ قیامت کے دن تجھے کچھ نہیں ملے گا۔

اس لیے عالم آئے گا، شہید آئے گا، اللہ فرمائیں گے: تو چاہتا تھا، تجھے بڑا عالم کہیں فَقَدْ قِيلَ تجھے کہا جا چکا، ہمارے پاس اب کچھ نہیں ہے۔ (مسلم، حدیث: ۳۵۲۷) اب دیکھیے! اتنا بڑا عمل انسان اس لیے تو نہیں کرتا کہ انسان آگے سے تھوڑی سی تعریف کر دے۔ کسی نے اچھا کہہ دیا، کسی نے نیک کہہ دیا تو یہ ہمارے عمل کا اجر تو نہیں ہے۔ اسی لیے بے طمع ہو کر عمل کریں کہ لوگوں سے طمع ہی نہ ہو کہ وہ ہمارے اعمال پر ہماری تعریفیں کریں گے۔

مخلص کون ہوتا ہے؟

چنانچہ فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ حضرت! اخلاص کے بارے میں بڑا پڑھتے ہیں مثال دے کے سمجھائیں مخلص کون ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ بھئی! تم نے کبھی بکریاں چرائی ہیں؟ اس نے کہا: جی۔ بکریاں چراتے ہوئے کبھی نماز کا وقت آیا؟ جی۔ تو پھر کیسے پڑھتے ہو؟ اس نے کہا کہ مصلیٰ بچھا کے پڑھتا ہوں، اردگرد بکریاں چر رہی ہوتی ہیں۔ اچھا! جب تم نماز پڑھ لیتے ہو تو کیا تمہارے دل میں یہ طمع ہوتی ہے کہ بکریاں میری تعریف کریں گی؟ اس نے کہا کہ طمع تو کوئی نہیں، بکریوں سے تو کوئی توقع ہی نہیں ہوتی، فرمانے لگے کہ جس طرح چرواہا بکریوں کے درمیان بیٹھ کر عبادت کرتا ہے اور اسے بکریوں سے تعریف کی کوئی توقع نہیں ہوتی، اسی طرح مخلص بندہ لوگوں کے مجمع میں بیٹھ کر عبادت کرتا ہے اور اسے کوئی توقع نہیں ہوتی کہ لوگ میری تعریف کریں۔ یہ ہے اللہ کے لیے کرنا۔

وہ میرا نام جانتا ہے:

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب مدائن کو فتح کیا تو انہوں نے Announcement (اعلان) کروائی کہ جس مجاہد کے پاس جو مال غنیمت ہے وہ سب لا کر ایک جگہ جمع کروائے، تاکہ ہم اسے تقسیم کریں۔ لوگ مالِ غنیمت جمع کروانے لگ گئے۔ تین دن گزر گئے، محسوس یہ ہوا کہ اب اور کسی کے پاس کچھ نہیں۔ تو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے ہیں، ایک نوجوان آیا، جس کے کپڑے بڑے معمولی سے محسوس ہوتے تھے۔ مالی اعتبار سے اتنا امیر آدمی

نظر نہیں آتا تھا۔ معمولی کپڑے، پھٹے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس نے ایک کپڑے میں کچھ لپیٹا ہوا تھا، وہ لے کر آیا اور کہنے لگا کہ امیرِ قافلہ! یہ میں آپ کو دینے کے لیے آیا ہوں۔ جب انہوں نے اسے کھولا تو اس کے اندر دشمن بادشاہ کا تاج تھا، گویا اس مجاہد نے اس بادشاہ کو قتل کیا اور اس کا تاج اس کے ہاتھ میں آ گیا، مگر لوگوں کو اس کا پتہ ہی نہیں تھا۔ اگر یہ مجاہد چاہتا تو اس کو اپنے پاس رکھ لیتا اور ساری زندگی اس کے ہیرے اور موتی کاٹ کاٹ کر بیچ کر اپنی زندگی ٹھاٹ سے گزارتا، کیونکہ بادشاہوں کے تاجوں میں تو بڑے بڑے ڈائمنڈ ہوتے تھے۔ جب اس سادہ سے سپاہی نے وہ دیا تو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے کہ کسی کو پتہ ہی نہیں اور اتنی قیمتی چیز اس نے لا کر خود ہی دے دی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ اے مجاہد! تیرا نام کیا ہے؟ جب اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے تو اس نوجوان نے واپسی کے لیے اپنا رخ پھیرا اور دو قدم واپسی کی طرف اٹھا کر کہنے لگا: ''جس اللہ کی رضا کے لیے یہ تاج لا کر آپ کو واپس دیا وہ میرا بھی نام جانتا ہے، میرے باپ کا نام بھی جانتا ہے۔'' یہ ہوتا ہے اللہ کے لیے کرنا۔

④ اللہ کے لیے روکنا

اور چوتھی بات:

((وَمَنَعَ لِلّٰهِ))

''اور اگر نہ دیا اور منع کیا تو وہ بھی اللہ کے لیے''

اب اللہ کے لیے منع کرنا کیا مطلب؟ والد ہے، پیسے دیے ہیں، سہولت

ہے، سٹیٹس ہے، سب کچھ ہے، اب بیوی بچے کہتے ہیں کہ جی! گھر میں ٹی وی ہو، ہم ڈرامے فلمیں دیکھیں۔ وہ کہتا ہے: نہیں، بچو! ڈرامے اور فلمیں دیکھنے کے لیے میں ٹی وی نہیں لے کر دے سکتا۔ اب اس کے پاس گنجائش ہے، وسائل ہیں ،مگر ناں کر رہا ہے، تو اس کا ناں کرنے کا منشا کیا ہوا؟ اللہ کی رضا، کہ ایک چیز جو نقصان دہ ہے میں آپ کو نہیں لے کر دیتا۔ بیٹا چاہتا ہے کہ اس کے پاس (CDs) سیڈیز کا انبار لگا ہو، والد کہتا ہے کہ نہیں، بیٹا! تیرے پاس جو سی ڈی آئے گی، پہلے میں دیکھوں گا، Approve (منظور) کروں گا تو تم لاؤ گے ،ورنہ نہیں۔ اب باپ نے منع کیا تو کس کے لیے؟ اللہ کے لیے۔ اور ایسا کرنا عبادت ہے۔

اکابر کی مثالیں:

چنانچہ ہمارے اکابر اگر کسی بات پر منع کرتے تھے تو اللہ کی رضا کے لیے منع کرتے تھے۔

◉ ......سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہے۔ مالِ غنیمت کے اندر بہت سا عطر آیا، تو آپ کی اہلیہ صاحبہ کہنے لگیں کہ امیر المومنین! اس کو میں تقسیم کر دیتی ہوں۔ فرمایا! آپ تقسیم نہیں کرو گی، کوئی اور عورت کرے گی۔ اس نے کہا: اس میں کیا رکاوٹ ہے، کیا حرج ہے؟ لوگوں میں تقسیم ہی کرنا ہے نا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں! وہ جو تقسیم کرتے ہوئے تمہیں خوشبو آئے گی، وہ بھی تو فائدہ اٹھانے والی بات ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مالِ غنیمت میں میری بیوی اتنا بھی فائدہ نہ اٹھائے۔ (الزہد لاحمد بن حنبل: ص ۱۴۸) آپ بتائیے کہ عوام الناس کے مال میں اتنی احتیاط! یہ واقعی ان حضرات کا حصہ ہے۔ تو منع کیا تو کس لیے کیا؟ اللہ کے

لیے کیا۔

⊙......رات کا وقت ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چراغ جلا کر کوئی لسٹ بنا رہے ہیں۔ یعنی امورِ مملکت کا کوئی کام تھا جو وہ لکھ رہے ہیں، تھے بیٹھے ہوئے۔ دروازے پر دستک ہوئی، عمر رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھولا۔ انہوں نے دیکھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے کو ملے۔ بھائی! کیسے تشریف لائے؟ انہوں نے کہا: میں آپ سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔ پوچھا کہ ویسے ہی ملنے کے لیے آئے ہیں یا کوئی امورِ مملکت کا کوئی کام ہے؟ تو علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نہیں! میں تو آپ سے ویسے ہی ملنے کے لیے آیا ہوں۔ جب یہ جواب سنا تو عمر رضی اللہ عنہ نے پھونک مار کر چراغ کو بجھا دیا۔ علی رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمر! مہمان کے آنے پر روشنی کیا کرتے ہیں، بجھایا تو نہیں کرتے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے علی! آپ نے سچ کہا، مہمان کے آنے پر روشنی جلاتے ہیں، لیکن مجھے اور آپ کو زیب نہیں دیتا کہ ہم ذاتی باتیں کریں اور بیت المال کے پیسے کا تیل جلتا رہے۔ اس لیے میں نے چراغ بجھا دیا کہ بیت المال کا پیسہ ذاتی کام کے لیے نہیں ہے۔ (حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات: ص ۱۰۴) ایک ایک تیلی کا خیال رکھنے والے تھے، آج اگر کوئی آدمی اتنا امین ہو تو وہ تو لوگوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا۔

⊙...... چنانچہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ جب ان کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ سے سب سے پہلے یہ بات کی کہ دیکھو! تیرا والد بھی بادشاہ تھا، تیرا بھائی بھی بادشاہ تھا، اور انہوں نے تمہیں خزانے سے بڑے بڑے ہدیے دیے اور میری نظر میں یہ ہدیے ٹھیک نہیں تھے۔ اب میں انچارج بن گیا ہوں، اب میری ذمہ داری بن گئی ہے، لہٰذا اگر تم نے میرے ساتھ رہنا ہے تو یہ تمام ہیرے موتی بیت

المال میں جمع کراؤ اور اگر نہیں جمع کروانے تو میں آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ دو میں سے ایک بات کو چن لو! فاطمہ نیک عورت تھی۔ اس نے کہا: امیر المومنین! میں آپ کی خاطر ایسے سینکڑوں ہیرے موتی قربان کردوں۔ اس نے اپنا وہ سارا مال بیت المال میں جمع کروادیا اور باقی زندگی غربت کے ساتھ گزاری۔

⊙......ایسی غربت کی زندگی تھی کہ ایک دفعہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہیں، بیٹی کو کسی کام کے لیے آواز دی، تو بیٹی نے آنے میں دیر کی۔ دوسری مرتبہ ذرا انہوں نے غصے میں کہا کہ کہاں ہو تم؟ آ کیوں نہیں رہی؟ اتنے میں بیوی آ گئی، اس نے کہا کہ کوئی کام ہے تو مجھے بتادیں، کہنے لگے کہ میں بیٹی کو بلا رہا ہوں، وہ آ کیوں نہیں رہی؟ اس نے کہا کہ جی! کیا کرے؟ اس کے پاس ایک ہی لباس ہے، جو اس نے پہنا ہوا ہے، کوئی سپیئر تو ہے نہیں، وہ چونکہ پھٹ گیا ہے تو وہ دوسرے کمرے میں اس کو اتار کر سی رہی ہے۔ جب تک سی کر پہنے گی نہیں، آپ کے پاس کیسے آئے گی؟ وقت کے امیر المومنین ہیں، اپنی اولاد کے لیے اس غربت کو پسند کر رہے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ میں بیت المال کا پیسہ جو عوام الناس کا ہے، اپنی اولاد کے لیے نہیں خرچ کر سکتا۔ تو منع کرے تو کس کے لیے کرے؟ اللہ کے لیے۔

اخلاص والے کام کی پہچان:

اس چیز میں بندے کو بڑا محتاط ہونا پڑتا ہے کہ میری اس سے جو ایک دوری ہے، یہ اللہ کے لیے ہے یا نفس کے لیے ہے، اس کی پہچان کرنا ایک مشکل کام ہے۔ غضب للہ اور غضب للنفس میں تفریق کرنے کے لیے نورِ باطن کی ضرورت ہوتی ہے، مگر مومن کو پتہ چل جاتا ہے۔ دیکھیں! ایک آدمی آپ کو پانی

پلاتا ہے، دوسرا آدمی شربت پلاتا ہے تو منہ میں لیتے ہی پتہ چل جاتا ہے، چاہے اندھیرا ہو اور آپ نہ دیکھ رہے ہوں۔ مومن کو اسی طرح دل کا نور بتا دیتا ہے کہ میرا یہ کام نفس کے لیے تھا یا اللہ کے لیے تھا۔ اس لیے اس نور کو اللہ سے مانگیں، اس کو ''فرقان'' کہتے ہیں۔ جو فرق بین الحق والباطن کرتا ہے اور مومن کو بتا دیتا ہے کہ تمہارا کون سا کام اللہ کے لیے ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اس میں ایک پہچان یہ بتائی کہ جو اخلاص والا کام ہوتا ہے اس میں ایک مزہ ہوتا ہے، حلاوت ہوتی ہے اور جو نفس کے لیے کام ہوتا ہے، اس کے اندر حلاوت نہیں ہوتی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس جانے لگے تو جو ساتھ والے لوگ تھے، انہوں نے کہا کہ حضرت! آپ کی سواری بھی اچھی ہونی چاہیے، آپ کے کپڑے بھی اچھے ہونے چاہییں۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے وہ اچھے کپڑے بھی پہن لیے اور اچھی سواری بھی لے لی، لیکن چند قدم جب چلے تو رک گئے اور فرمایا کہ مجھے اپنے نفس میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ میرا یہ کام اللہ کے لیے نہیں، دکھاوے کے لیے تھا۔ مجھے وہی کپڑے دو، وہی سواری دو۔ چنانچہ انہی کپڑوں کو پہنا اور اسی سواری کو لیا۔ اللہ کی شان کہ تورات کے اندر وہی نشانیاں تھیں جو کپڑے انہوں نے بعد میں پہنے اور اللہ نے اسے پورا فرما دیا۔ دل نے بتا دیا کہ جو کام کیا ہی یہ اللہ کے لیے نہیں، لوگوں کے دکھاوے کے لیے ہے۔ (فتوح الشام)

جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق:

چنانچہ ایک بزرگ کو پتہ چلا کہ بادشاہِ وقت جو ہے اس نے شراب کے سو مٹکے منگوائے ہیں، وہ اٹھے، انہوں نے ایک ڈنڈا لیا اور سب مٹکوں کو توڑنا

شروع کر دیا۔ اب بڑے حیران ہوئے کہ شیر کے منہ میں ہاتھ دے دیا، ظالم جابر بادشاہ کے سامنے اس طرح کی کوئی بات کہنا ''جہادِ اکبر'' ہے۔ ایک کو توڑا، دوسرے کو توڑا، ننانوے مٹکے توڑ دیے، آخر پر ایک کو چھوڑ دیا۔ بادشاہ کو پتہ چلا تو اس نے بلوالیا۔ کیوں بھئی! مٹکے کیوں توڑے؟ انہوں نے کہا کہ یہ اللہ کی نافرمانی ہے، میں نے اس لیے مٹکوں کو توڑا۔ اس نے کہا کہ اگر اللہ کے لیے توڑے تھے تو ایک کیوں چھوڑ دیا؟ فرمانے لگے کہ میں اللہ کے لیے مٹکوں کو توڑ رہا تھا جب آخری مٹکا رہ گیا، میرے نفس میں ایک خوشی کی کیفیت ہوئی کہ میں نے کتنا بڑا کام کر دیا! میں سمجھ گیا کہ اس کو میں اب اللہ کے لیے نہیں، اپنے نفس کے لیے توڑوں گا، اس لیے میں نے چھوڑ دیا۔ اتنی احتیاط، اتنی Judgement کرتے تھے کہ ہمارا کام اللہ کے لیے ہے یا اپنے نفس کے لیے۔

(حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات: ص ۴۷)

آج جس کے پاس اختیارات ہوتے ہیں بہت سارے لوگ اس کے گرد ہو جاتے ہیں، Unduebenefits (ناجائز مفادات) ہوتے ہیں، لیکن ایمان والا اس کو دیکھتا ہے، اللہ کے لیے دیتا ہے اور اللہ کے لیے روکتا ہے۔ اب قلم ہاتھ میں ہے قلم کی طاقت کو اللہ کے لیے استعمال کرنا، یہ مومن کا ہی کام ہو سکتا ہے۔

تکمیلِ ایمان کی خوشخبری:

تو فرمایا:

((من احب لله)) جو اللہ کے لیے محبت کرے۔

((و ابغض لله)) اللہ کے لیے بغض رکھے

((و اعطی للہ)) اور دے تو وہ بھی اللہ کے لیے

((و منع للہ)) اور اگر انکار کرے تو وہ بھی اللہ کے لیے کرے

((فقد استکمل الایمان)) نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسے بندے نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔

ہم ان چار باتوں کو حرزِ جاں بنالیں۔ اچھی طرح اس سبق کو یاد کرلیں اور ان چار چیزوں کو حدیث پاک کے مطابق کرلیں۔ نبی علیہ السلام کی بشارت ہے کہ اس بندے کا ایمان مکمل ہو جائے گا۔ کتنی بڑی خوشخبری ہے ایمان مکمل ہونے کی!!

اللہ کے لیے دوستی اور دشمنی کی اہمیت:

چنانچہ ایک حدیث پاک میں آیا ہے:

«اِنَّ عَبْدًا يَّأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِكَثِيْرِ صَلٰوةٍ وَّ صِيَامٍ وَّ حَجٍّ وَّ صَدَقَةٍ»

قیامت کے دن ایک بندے کو اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اس بندے کی نمازیں بہت زیادہ ہوں گی، روزے بھی بہت ہوں گے، حج بھی بہت ہوں گے اور اس نے صدقہ بھی بہت کیا ہوگا، یہ سارے نفلی اعمال اس نے بڑے کیے ہوں گے۔ اس بندے کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

«وَ تَشْهَدُ الْمَلٰٓئِكَةُ بِذٰلِكَ»

اور فرشتے اس کی گواہی دیں گے کہ ہم نے جو اس بندے کے اعمال لکھے ہیں یہ سو فیصد ٹھیک لکھے ہیں۔ اس نے واقعی اتنے عمل کیے ہیں، اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کو فرمائیں گے:

((اُنْظُرُوْا هَلْ وَالٰی لِیْ وَلِیًّا اَوْ عَادٰی لِیْ عَدُوًّا))

نامۂ اعمال کو دیکھو! کیا اس نے میرے کسی ولی سے میری وجہ سے محبت کی اور کسی میرے دشمن سے اس نے میری وجہ سے دشمنی کی؟

اتنی نمازیں، اتنے روزے، اتنے حج، سب کے باوجود اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میرے لیے اس نے کیا کیا؟ تو اللہ کے لیے محبت کرنا یا اللہ کے لیے بغض رکھنا، یہ اللہ کے ہاں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اس مضمون کی سمجھ عطا فرمائے اور دنیا سے ایمان کامل لے کر آخرت میں جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

ایمان و یقین کے تقاضے

ایمان کی اہمیت

ایمان کی عظمت

ایمانی زندگی کے تقاضے

یقین کامل کی اہمیت

یقین مومن کی غذا ہے

اعمال صالح اور یقین کامل کے اثرات

حیوانی، انسانی اور ایمانی زندگی

تکمیلِ ایمان

مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
+92-041-2618003